فہرست مضامین فاطمی دعوت اسلام

ضمیمہ

کتاب تیار ہونے کے بعد پرنامی پنتھ کے ایک درویش کی یہ تحریر حاصل ہوئی جس کو ضمیمہ میں درج کیا جاتا ہے۔

یہ تحریر موتو بھگت ساکن آمبلیا کاٹھیاواڑ سے حاصل ہوئی جو پرنامی پنتھ کے ذی علم درویش ہیں۔

ضمیمہ

پرنامی پنتھ کے اصول

اس دھرم کے اصلی اصول (۱) خدا کو ایک ماننا کسی کو اسکی ذات وصفات میں شریک نہ کرنا۔ مورتی پوجا سے نفرت رکھنا (۲) ہر مذہب میں جو خدا کی توحید ہو اور اسکی ہدایت ہو اسکی تعریف کرنا۔ اور مخالفت سے باز رہنا (۳) خدا کا معشوق اور رسول اور نور حضرت محمدؐ کو ماننا۔ اور انکی معراج کو تسلیم کرنا (۴) پانچ وقت خدا کی عبادت کرنا (۵) رمضان کے روزے رکھنا (۶) پانچ روپیہ سیکڑہ سالانہ زکوۃ دینا (۷) مکہ کا حج بھی فرض ہے مگر لوگ جاتے نہیں۔ اسواسطے مندر میں جاکر کتاب کی زیارت کرلینا اسکے قائم مقام ہے (۸) پرنامی پر لازم ہے کہ وہ سفید یا سُرخ ٹیکا لگائے۔ جسکی صورت یہ ہے کہ آدھی پیشانی سے دو لکیریں شروع کرکے انکو آدھی ناک پر ختم کیا جائے۔ اسطرح کہ ناک کا درمیانی حصّہ خالی رہے۔ اور ماتھے سے اُوپر یعنے ان لکیروں کے بالائی حصّہ پر ایک گول چاند بنایا جائے۔ اور گلے میں تلسی کی کنٹھی ڈالی جائے۔ اور بعض لوگ صندل کی تسبیح بھی گلے میں ڈالتے ہیں۔ آپس میں کھانے پینے کی چھوت چھات کا حکم نہیں ہے۔ مگر عمل آجکل چھوت چھات کا جاری ہے۔ گوشت کسی قسم کا کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ نام نہیں بدلا جاتا۔ جس فرقہ کا جو نام ہو وہی نام رکھا جاتا ہے۔ اَب بھی اس دھرم میں نئے لوگ داخل ہوتے ہیں۔ جہاد کی بابت کچھ معلوم نہیں ہوا۔ اس دھرم میں اکثر ہندو ہی داخل ہوتے ہیں۔ شراب حرام ہے۔ جوا حرام ہے۔ زنا حرام ہے۔ سود حرام ہے۔ گانا سُننا اچھا ہے۔ شادی رواج کے موافق ہوتی ہے۔ اولیا اللہ کے مزاروں کی زیارت ضروری ہے۔ بیٹی کا حصہ ورثہ میں مقرر نہیں ہے۔ آواگون نہیں مانتے مندر کے کلس پر سُنہری ہلال ہے جس کو زیارتی لوگ اوپر جاکر بوسہ دیتے ہیں قلزم شریف پر زیور چڑھایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے سوا کسی دوسرے فرقہ کو قلزم شریف دکھانے کی اجازت نہیں ہے ❖

پرنامی کے معنے ہر مذہب کا آخری لب لباب۔

۷۸۶　　　　　　　　　　ہوالکل　　　　　　　　　　یاسمین

فاطمی دعوتِ اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد ہے اُس خدا کو جس نے اپنے کلام پاک میں فرمایا۔ لَہٗ دَعْوَۃُ الْحَقِّ (اللہ ہی کے واسطے حق کی دعوت ہے) اور خود بندوں کا داعی بنا۔ اور یہ ارشاد کیا وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ (اور اللہ تعالےٰ دعوت دیتا ہے لوگوں کو سلامتی کے گھر کی طرف) اور درود و سلام اُس بشیر و نذیر پر جس کو داعی الے اللہ کا خطاب دیا گیا اور فرمایا اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (اے پیغمبر ہم نے تم کو گواہی دینے والا۔ اور خوشخبری سُنانے والا۔ اور ڈرانے والا۔ اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے) اور سلام اُن آلؑ و اصحابؓ پر جن کی شان قرآن شریف میں اس طرح بیان ہوئی کہ یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (دعوت دیتے ہیں نیک کاموں کی طرف اور حکم دیتے ہیں اچھی باتوں کا اور روکتے ہیں بُرائیوں سے۔ اور یہی لوگ فلاح پانیوالے ہیں) اما بعد

فاطمی دعوتِ اسلام کا مقصد

یہ کتاب جس کا نام فاطمی دعوتِ اسلام رکھا گیا ہے موضوع کے لحاظ سے بالکل مخصوص کتاب ہے۔ آجتک کسی زبان میں کوئی کتاب اس خاص موضوع پر نہیں لکھی گئی۔ اس کے

لکھنے کا خیال اس وجہ سے پیدا ہوا کہ آجکل چونکہ عربی اور فارسی کتابیں پڑھنے کا لوگوں کو شوق نہیں رہا۔ نہ ان کی لیاقت ایسی رہی کہ ان زبانوں کی کتابوں کو پڑھکر سمجھ سکیں، نہ ان کو اتنی فرصت ہے کہ عربی و فارسی کا علم حاصل کریں اس واسطے وہ عموماً اُردو زبان کی تاریخیں پڑھتے ہیں جن کے پڑھنے سے اُنکا یہ عام خیال ہوگیا ہے کہ بنی فاطمہؓ نے اسلام کی مادی خدمت کا کوئی کام نہیں کیا۔ نہ اُنھوں نے اسلام کے لیے ملک فتح کیے نہ اُنھوں نے اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کا کچھ حق ادا کیا نہ اسلام کے علوم و فنون کی وسعت میں حصہ دار بنے نہ تمدن و معاشرت کی تہذیب و ترقی میں کوئی کارنامہ انہوں نے دکھایا۔ بلکہ اول دن سے آجتک اُن کا یہ کام رہا کہ حکومت سے خمس حاصل کریں مسلمانوں سے اپنی تعظیم کرائیں، اور آلِ رسولؐ ہونے کی عزت کو لیے ہوئے گھروں میں چپ چاپ بیٹھے عمر کھوتے رہیں۔

یہ خیال جو عالمگیر ہوتا چلا ہے نہ صرف غلط اور سراسر جھوٹ ہے بلکہ مسلمانوں کی معلومات پر ایک بڑا دھبہ لگاتا ہے اور اسلام کے سچے فداکاروں کی اس بے سرو پا خیال سے بڑی ناقدری ہوتی ہے۔ اس واسطے میں نے چاہا کہ تاریخی حیثیت سے بنی فاطمہ کی دعوتِ اسلام بنی فاطمہ کی فتوحاتِ اسلام، بنی فاطمہ کی خدماتِ علوم و فنون کو علیحدہ علیحدہ کتابوں میں لکھا جائے چونکہ ہر چیز کی بنا اور ابتدا دعوتِ اسلام نظر آئی لہذا پہلے اسی کو شروع کیا گیا۔ خدا تعالےٰ نے توفیق دی تو باقی مسائل کے متعلق بھی جن کا ذکر اوپر آیا کتابیں لکھی جائیں گی +

اس کتاب کا فائدہ

کتاب فاطمیؓ دعوتِ اسلام سے علاوہ اس فائدے کے کہ لوگ بنی فاطمہؓ کی عملی خدمتِ اسلام سے آگاہ ہو جائیں گے ایک یہ فائدہ بھی ہوگا کہ جو لوگ آجکل دعوتِ اسلام کا کام کر رہے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں اُنکو اپنے بزرگوں کے طریقۂ تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا حال معلوم ہوگا اور وہ اپنے کاموں میں ان مثالوں اور واقعات سے مدد حاصل کرینگے نیز غیر مسلم

پڑھنے والے کے دل میں اشاعت اسلام کا شوق پیدا ہوگا کیونکہ ہر مسلمان پر اسلام کی دعوت لازم کی گئی ہے اور **ہر مسلمان اسلام کا مشنری ہے!** جس سے قیامت کے دن اُسکے فرائض کی پرسش ہوگی اور ہر شخص کی لیاقت اور سمجھ اور اثر کے مطابق سوال کیا جائیگا کہ اس نے اسلام کی دعوت اور تبلیغ و اشاعت کا کتنا کام کیا؟

خانقاہوں کے مشائخ شریعت کے علماء، اور سفر پیشہ سوداگر اور اہلکارانِ حکومت جن کو عوام سے سابقہ پڑتا ہے اگر اسلامی دعوت کا فرض ادا کرنا چاہیں تو ان میں سے ہر ایک داعیِ اسلام بن سکتا ہے اور اسکو یہ کتاب بہت مدد دے سکتی ہے +

نقشِ اوّل

بنی فاطمہ کے تبلیغی کارناموں کا ایک جگہ جمع کرنا غالباً پہلی مثال ہے اِس واسطے ممکن ہے کہ اس نقشِ اوّل میں مجھ سے کچھ غلطیاں ہوجائیں یا تمام ضروریات کو میں ایک جگہ فراہم نہ کرسکوں۔ تاہم اپنی لیاقت اور فرصت کے موافق پوری کوشش کی جائیگی کہ پیشِ نظر مقصد کو بامدادِ خدا اچھی طرح ادا کیا جائے +

بنی فاطمہؑ کون ہیں؟

قدرتاً اِس کتاب کا نام دیکھکر خیال پیدا ہوگا کہ لفظِ فاطمی کا کیا مطلب ہے۔ اِسواسطے اِس کی تشریح ضروری سمجھتا ہوں کہ جو نسل حضرت علیؑ اور حضرت بی بی فاطمہؑ سے جاری ہوئی اُسکو بنی فاطمہؑ کہتے ہیں اور ہندوستان میں **سادات** اور **اہل بیت** بھی اسی کا نام ہے اور عربی ممالک میں **شریف** کا لفظ بھی اسی نسل کے لیے بولا جاتا ہے +

پس میرا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ حضرت علیؑ اور حضرت بی بی فاطمہؑ کی اولاد میں ہوں یا انکی روحانی نسل سے تعلق رکھتے ہوں ان کے اعمالِ دعوتِ اسلام کو ایک جگہ جمع کرکے دکھایا جائے۔ ممکن ہے بعض لوگ روحانی اولاد کا مطلب نہ سمجھیں اس واسطے اس کی تشریح کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ ایک اولاد تو وہ ہوتی ہے جو دنیا کے دستور کے مطابق

ماں باپ سے پیدا ہو اسکو صلبی اور جسمانی اولاد کہتے ہیں اور ایک اولاد وہ ہوتی ہے جو کسی شخص کو اپنے عقائد اور اعمالِ دین میں ہادی و پیشوا تصور کرے اور اُس شخص کے قدم بقدم چلنا ترقی ایمان اور نجاتِ اُخروی کا باعث سمجھے ۔

تاریخوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت بی بی فاطمہؓ کی اولاد صلبی اور جسمانی بھی بہت ہوئی اور بکثرت موجود ہے اور روحانی نسل بھی کروڑوں کی تعداد تک پہنچی اور آجتک بے شمار وسعت کیساتھ دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ حقیقتاً یہ سب لوگ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں لیکن مجازاً انکو حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؓ ہی کی اولاد سمجھا جاتا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور بھی بڑے بڑے اصحابؓ گزرے ہیں اور اُنھوں نے دینِ اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں اور کروڑوں آدمی اُن کی پیروی پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن حضرت علیؑ اور حضرت بی بی فاطمہؓ کی جسمانی اور روحانی نسل سب سے بڑھی ہوئی ہے ۔

اِس کتاب میں جہاں کہیں بنی فاطمہؓ یا فاطمی جماعت یا فاطمیہ فرقہ لکھا گیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ لوگ جو حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؓ کی جسمانی اور روحانی اولاد میں ہیں خواہ اُن کا عقیدہ اہلِ سنت والجماعت کا ہو، خواہ شیعہ ہوں، خواہ صوفی ہوں، خواہ عالمانہ مشرب رکھتے ہوں اور خواہ اثنا عشری شیعہ ہوں، خواہ زیدی و اسمٰعیلی شیعہ ہوں کیونکہ یہ کتاب کسی خاص عقیدے اور کسی خاص فرقے کے متعلق نہیں ہے۔ نہ اس میں کسی اختلافی مسئلے اور عقیدے کی بحث ہے۔ بلکہ یہ کتاب مجموعی طور پر ایک ایسی جماعت کے متعلق لکھی گئی ہے جسکے ماتحت بے شمار فرقے ہیں اور اس میں تبلیغ و اشاعت دعوتِ اسلام کا ایک بنیادی اور اصولی مسئلہ موضوع قرار دیا گیا ہے۔ سُنّیوں میں اہلِ حدیث، وہابی اور صوفی جنکے بیشمار سلسلے چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی، شاذلی، رفاعی وغیرہ ہیں۔ اور شیعوں میں اثنا عشری اسمٰعیلی، اور انکی بیشمار شاخیں شریک ہیں۔ فاطمیہ جماعت کے بادشاہوں، علماء، مشائخ، صوفیہ

اور تجار اور طبیب اور ہر قسم کے پیشہ والوں کے تبلیغی کارنامے جمع کرنے مقصود ہیں۔ جو میسر آسکیں لہٰذا کسی فرقہ کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ فلاں غیر عقیدے کا ذکر اس میں کیوں کیا گیا۔

بنی فاطمہؑ کا امتیاز

ایسی حالت میں کہ اگر حضرت علیؓ اور حضرت بی بی فاطمہؑ کے مقلدین و معتقدین کو بھی فاطمی جماعت میں شمار کر لیا جائے تو یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ سوائے خارجیوں کے ہر مسلمان فاطمی جماعت میں شریک ہے۔ کیونکہ وہ حضرت علیؓ اور بی فاطمہؑ سے محبت اور تعلق رکھتا ہے۔ اور ان کی عظمت اسکے دل میں مذہباً پائی جاتی ہے اور پھر اس کتاب میں بنی فاطمہؑ کی امتیازی شان کیونکر باقی رہ سکیگی؟ ہر مسلمان جس نے دعوتِ اسلام کا کوئی کام کیا ہو۔ فاطمیہ دائرہ میں شریک ہو سکیگا اور کتاب کی وہ خصوصیت باقی نہ رہیگی جسکا شروع میں دعوے کیا گیا ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ فاطمی مقلدین و محبین سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی خاص خصوصیت کی وجہ سے حضرت علیؓ سے وابستہ ہوں اور ان کی تعلیم اور زندگی کو اپنے دین دنیا کے کاموں میں شاہراہ ترقی اور صراط مستقیم سمجھتے ہوں اور وہی دراصل حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؑ کی روحانی اولاد ہیں +

شیعہ جماعتیں تو خصوصیت کے ساتھ صرف حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؑ اور انکی اولاد کی پیروی کو کافی سمجھتی ہیں اور دیگر اصحابؓ کی تقلید و تصدیق سے علیحدہ رہنا انکو اپنے عقائد کے اصول کے بموجب ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ تو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؑ کی روحانی اولاد ہونیکا صراحتاً دعوے کرتی ہیں۔ لیکن سُنّی جماعتوں میں بھی متعدد فرقے ایسے ہیں جو باوجود دیگر اصحابؓ کی عزت و عظمت ملحوظ رکھنے کے بہت حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؑ کی تقلید و پیروی ضروری سمجھتے ہیں۔ صوفیوں کے جس قدر سلسلے ہیں سوائے نقشبندیہ سلسلے کے وہ سب کے سب حضرت علیؓ سے مربوط ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت

علیؓ ہی کو اپنا مرشدِ طریقت اور ہادیِ سلوک تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان صوفی سلسلوں کے وابستگان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ سو مسلمانوں میں تقریباً ساٹھ آدمی کسی نہ کسی صوفیانہ سلسلے کے متوسل و مرید ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ سب کے سب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی روحانی اولاد ہیں۔ اور انہوں نے جو کچھ تبلیغ اور دعوتِ اسلام کا کام کیا ہے وہ سب بنی فاطمہؓ کا کارنامہ سمجھا جا سکتا ہے تاہم میں نے اس کتاب میں زیادہ تر انہی لوگوں کی دعوتِ اسلام کا ذکر کرنا چاہا ہے جو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے صلبی و جسمانی تعلق بھی رکھتے ہوں اور روحانی اور باطنی بھی صرف ایسے لوگ جو روحانی اور باطنی ہی تعلق رکھتے ہوں انکا تذکرہ کہیں کہیں خال خال قلمبند کیا جائیگا +

صوفیہ سلسلوں کے بانی

اسلامی دنیا میں جس قدر صوفیہ سلسلے جاری ہیں ان کے بانی عموماً فاطمی سادات تھے یعنی حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ سے صلبی اور جسمانی تعلق رکھتے تھے قادریہ خاندان کے پیشوائے اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی رضؓ فاطمی سید تھے چشتیہ خاندان کے مرکز کبیر حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رحؒ بھی فاطمی سید تھے چشتیہ خاندان کو ہندوستان میں فروغ دینے والے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہی وغیرہم بھی فاطمی سید تھے علےٰ ہذا القیاس یہی حال دیگر خانوادوں اور سلاسل کے بانیوں کا ہے کہ وہ عموماً نسب کے اعتبار سے فاطمی سید گزرے ہیں پس ان لوگوں نے جس قدر اشاعت و دعوتِ اسلام کا کام کیا وہ سب بنی فاطمہ کا کارنامہ سمجھا جائیگا +

اسی طرح شیعوں کے علماء و مجتہدین کی نسبت بھی خیال کرنا چاہیے کہ انکے بڑے بڑے کام کرنے والے عموماً فاطمی سید تھے +

• قصہ مختصر اس کتاب میں فاطمیہ سادات کی امتیازی خصوصیات کا سرسری سا خلاصہ کیا جائیگا اب اصل کتاب شروع کیجاتی ہے۔ اور دعوت کی ضرورت اور داعیانِ اسلام کے اوصاف آیہ قرآنی سے پہلے

ذرا تفصیل سے بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ مسلمانوں کو اس ضروری خدمتِ اسلام کی جانب رغبت ہو اور انمیں پہلے کی طرح دعوت و تبلیغ اسلام کا کام جاری ہو جائے۔

داعیوں کے اوصاف کچھ تو میں نے زمانۂ حال کی ضروریات کو مدِنظر رکھکر خود لکھے ہیں اور باقی ایک تحریر اسمٰعیلیہ جماعت کے ایک نامور عالم کی درج کی ہے اصولاً یہ بہت مفید اور ضروری چیز ہے اور دعوتِ اسلام کا کام کرنیوالوں کے لیے اسمیں صدہا کام کی باتیں ہیں اگر اسکو غور سے پڑھا جائیگا اور داعی کے فرائض پر منصفانہ نظر ڈالی جائیگی تو دعوتِ اسلام کا کام کرنیوالونکو یہ تحریر بہت فائدہ دیگی جس جماعت کے عالم نے اسکو لکھا ہے انکے ہاں داعی کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہ اسکو امام کا قائم مقام اور برزخ ناسوتی خیال کرتی ہے اس واسطے مصنف نے اپنے ہی نقطۂ نظر سے داعی کے اوصاف بیان کیے ہیں لیکن غیر اسمٰعیلی مسلمانوں کو بھی اس سے بہت کچھ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے میں نے اس بسیط رسالے میں سے صرف وہ حصہ اقتباس کر لیا ہے جسکا تعلق مجموعی دعوتِ اسلام اور داعی کے فرائض سے تھا۔ اسمٰعیلی جماعت کے مخصوص عقائد کے حصوں کو چھوڑ دیا ہے۔

دعوتِ اسلام کے کاموں کو بیان کرنے کے سلسلے میں بعض تاریخی جماعتوں کے تذکرے بھی شامل کرنے ضروری معلوم ہوتے ہیں تاکہ ناظرین اعیانِ اسلام کی شخصیت سے بھی آگاہ ہو جائیں۔

ہندوستان کے باشندے مشائخ صوفیہ کے حالات سے تو عموماً واقف ہیں لہذا انکے دعوتی کارناموں کی حکایات میں تاریخی تذکروں کی وضاحت ضروری معلوم نہیں ہوتی البتہ اسمٰعیلی جماعتوں کے حالات ذرا تفصیل سے لکھے جائینگے کیونکہ سنی جماعتیں ان سے بہت کم واقف ہیں۔ اور واقف ہیں تو بہت برے طریقہ سے جسکے سبب انکو دائرۂ اسلام ہی میں نہیں سمجھا جاتا۔

مسٹر آرنلڈ نے پریچنگ آف اسلام اور مسٹر براؤن نے ہسٹری آف پرشیا میں جب ان اسمٰعیلی جماعتوں کا ذکر کیا تو انہوں نے بھی کچھ اچھی رائے ان کی نسبت نہیں دی کیونکہ انکا ماخذ وہ تاریخیں تھیں جن میں سیاسی بنا پر اسمٰعیلی فرقہ کی شدید برائیاں لکھی گئی ہیں۔

ممکن ہے اسمٰعیلی فرقہ کے عقائد میں خرابیاں ہوں اور وہ لوگ اتنے اچھے نہوں جتنا اچھا کہ وہ خود اپنے آپکو

سمجھتے ہیں تاہم میرے نزدیک دعوتِ اسلام اور اشاعتِ اسلام کے معاملہ میں انکے ساتھ مؤرخوں نے انصاف نہیں کیا اور انکے عظیم الشان کاموں کو قدر دانی کی نگاہ سے دیکھنا کجا ان سے واقف ہونیکا بھی کسی کو خیال نہیں ہوا +

میں نے اس کتاب میں اسمٰعیلی جماعت کے متعدد فرقوں کی دعوتِ اسلام پر روشنی ڈالی ہے اور انگریزی گجراتی کتابوں کے ترجمے کرا کے انکے حالات پڑھے ہیں نیز گجرات و کاٹھیاواڑ میں سفر کر کے اس معلومات کو حاصل کیا ہے جو کتابوں میں درج نہیں ہے +

مجھے اپنے سُنّی بھائیوں سے امید ہے کہ وہ بھی اس جدید واقفیت کو دلچسپی سے پڑھینگے اور انکو اس سے کچھ سروکار نہ ہوگا کہ اسمٰعیلی فرقہ انکے عقائد سے کس قدر دوری رکھتا ہے کیونکہ اسلام کی اشاعت کے کام میں مسلمانوں کا کوئی فرقہ بھی ہو تمام فرقوں کی نظر میں قابلِ عزت سمجھا جائیگا +

حسن نظامی

داعی اسلام کے اوصاف اور فرائض

داعی اجل فاضل اکمل احمد بن محمد نیشاپوری اوصاف داعی کے متعلق نہایت فاضلانہ بحث کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں +

دعوت تین چیزوں پر موقوف ہے۔ ایک علم۔ دوسرے تقویٰ۔ تیسرے سیاست۔ علم دو قسموں میں منقسم ہے۔ ایک علم ظاہر دوسرے علم باطن۔ پھر علم ظاہر کی پانچ قسمیں ہیں اول علم قرآن جس سے تاویل و تفسیر محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، امر و نہی کا حال معلوم ہوتا ہے دوسرے علم حدیث جو علم اخبار و روایات کا ہے جنکے ذریعہ سے دین و شریعت سے آگاہی ہوتی ہے۔ تیسرے علم فقہ اور وہ احکام ہیں۔ جنکے ذریعہ سے انسانوں کا انتظام اور دین و دنیا میں انکی صلاح و بہبود ہوتی ہے اور یہی علم دین اور دعوت کا ستون ہے۔ چوتھے علم وعظ، پانچویں علم مباحثہ اور علم کلام ہے جسکے ذریعہ سے دین میں کوشش کیجاتی ہے

اور زندیقوں، ملحدوں اور فلسفیوں اور دہریوں اور مذاہبِ باطلہ کو مغلوب کیا جاتا ہے۔

داعی ہر ایک علم کیلیے محتاج ہوتا ہے کیونکہ اگر داعی سے فقہ کی بابت سوال کیا جائیگا اور وہ اچھی طرح جواب نہ دیسکیگا۔ تو اسکی دعوت کا اثر دوسروں پر نہ پڑیگا۔

اور اگر داعی احادیث اور اخبارِ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اخبارِ ائمہ علیہم السلام سے واقف نہو گا تب بھی وہ سائلین کے سامنے استدلال کیساتھ گفتگو نہ کرسکےگا اور اسکی دعوت ناقص رہجائیگی۔ اسی طرح علوم قرآن اور علوم وعظ ونصیحت وقصص وغیرہ بھی داعی کو حاصل کرنے چاہئیں۔ نیز علم کلام میں بھی اسکو دستگاہ ہونی چاہیے۔ تاکہ مخالفین کو حجت کلام سے مغلوب کرسکے اور وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ کا ارشاد پورا ہو۔

علمِ باطنی کی بہت سی قسمیں ہیں ایک علم محسوس ہے جسکے ذریعے سے حدود سفلیہ اور اعمال شرعیہ کی معرفت اور انکی تاویل وحکمت وغیرہ تمام حالات معلوم ہوسکتے ہیں۔ دوسرے علمِ موہوم فکری ہے جس کے ذریعے سے حدود علویہ اور اعداد اور ایسی چیزوں کی معرفت حاصل ہوتی ہے جن کا وجود نہ تو ظاہر ہے نہ محسوس بلکہ وہ صرف وہم اور فکر ہی سے جانے جاتے ہیں۔ اسی میں سے علم معقول ہے جسکے ذریعے سے اشیاء کی حقیقت اور انکی علت اور ابتدا اور انتہا معلوم ہوتی ہے۔ اور ان تینوں مراتب میں سے اول ایسا ہے جیسا کہ بچہ کے لیے دودھ پلانا یعنی سائل کو علم محسوس کی تعلیم دینا۔ دوسرا درجہ تربیت کا ہے کیونکہ محسوس کا ادراک حواس خمسہ سے ہوسکتا ہے۔ اور موہوم وہ ہے جو فکر سے معلوم ہوتا ہے اور معقول حقیقت مجردہ کا نام ہے۔ اول انسان اشیاء کو حواس سے معلوم کرتا ہے۔ پھر فکر کے درجے تک پہنچتا ہے۔ پھر حق وباطل میں تمیز کرتا ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ علم محسوس علم شرع کا نام ہے اور علم موہوم علم تاویل ہے اور علم معقول علم بیان ہے جو متغیر نہیں ہوتا۔ اور ہر ایک ان علوم میں سے مختلف قسموں اور مختلف تاویلات پر مشتمل ہے۔ کیونکہ شریعت کی تاویل ایک بے پایاں دریا کی طرح ہے

جسکی غایت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا (تاویل کا مسئلہ اسمٰعیلیہ فرقہ میں اُن کا ایک ذاتی مسئلہ ہے اہل سنت والجماعت کے عقائد سے اسے کچھ تعلق نہیں۔ حسن نظامی)

اور علم قرآن کی انتہا بھی نہیں معلوم ہو سکتی حدود علویہ اور عالم روحانی کی معرفت اِس قبیل سے ہے کہ بجز ہوشیار ذکی، فاضل اور مجتہد کے اور کوئی اُس تک نہیں پہنچ سکتا۔

اور (آفاق اور انفس کی معرفت ایک بحر ذخار ہے اور یہی اصل ہے جس سے تمام علوم جانے جاتے ہیں پس جو اسکے موافق ہے وہ بالکل حق ہے اور جو اسکے خلاف ہے وہ جھوٹ اور بناوٹ ہے

اور علم توحید ہی غایت مقصود ہے جو تمام علوم اور تمام تکلیفات سے بڑھکر ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے تمام عبادات اور علوم مقبول ہوتے ہیں +

اور علم معرفت نفس کے لیے لوگوں کو مکلف کیا گیا ہے۔ اور اسی کے ذریعے سے توحید کو معلوم کر سکتے ہیں اور ان علوم کی معرفت کو کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا تا وقتیکہ وہ علوم طبعیہ اور انکی علت وحکمت اور علم ہندسہ اور علم اعداد اور علم فلسفہ اور اصول مذاہب اور اختلاف مذاہب سے واقف نہ ہو حتٰے کہ جب اسکے سامنے کوئی کتاب پڑھی جائے یا وہ کوئی کلام سُنے تو حق اور ناحق کو فوراً پہچان لے۔ کیونکہ فتنہ اس زمانے میں حق اور باطل میں تمیز نہ ہونے کے باعث ہے جب تک پوری طرح معلوم نہ ہو اور تمیز نہو جائے حق و باطل کے متعلق فیصلہ نہ کرنا چاہیے کیونکہ لاعلمی اور جہالت کے ساتھ کسی بات کا فیصلہ کرنا خدا کے راستے سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۰ میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (اور جس بات کا تم کو علم نہ ہو اٹکل پچّو اُس کے پیچھے نہ ہولیا کرو)

تقوٰے ایک ایسا نام ہے جو اعتقاد کے ساتھ علم وعمل کو جمع کرتا ہے۔ جو کچھ خدا نے حکم دیا ہے اُس پر عمل کرنا اور جس نے منع کیا ہے اُس سے رُک جانا تقوٰے ہے۔ تقوٰے تمام فضولیات میں سے روشن ہے اسی واسطے اللہ تعالےٰ نے فرمایا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ

(اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے)

سیاست سیاست کے تین درجے ہیں۔ سیاست خاصّہ۔ سیاست حاصّہ۔ سیاست عامّہ۔

سب سے پہلے داعی کو سیاست خاصّہ کی ضرورت ہے اور وہ اُسکے اپنے نفس کی سیاست ہے جس سے وہ اپنی اصلاح کرتا ہے اور نفس کو درست و مغلوب کرتا ہے۔ بُری عادات اور تمام خصائلِ بد سے اس کو روکتا ہے اور فضائل کے حاصل کرنے، اور فرائض و سنن کی ادائگی کے لیے برانگیختہ کرتا ہے اور نفس سے کوئی بُرائی ہو جائے تو اسکو ندامت و ملامت اور توبہ کا عذاب دیتا ہے۔ اور جب اُس سے کوئی اچھا عمل صادر ہوتا ہے تو اُس کے استقلال کی کوشش کرتا ہے۔ پس جو شخص اپنے نفس کی سیاست کرسکتا ہے وہ غیر کی سیاست پر بھی قادر ہوگا۔ کہا گیا ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کرو لوگ خود تمہارے مطیع و فرمانبردار ہوجائینگے۔ سورۂ مائدہ پارہ ۷ میں ارشاد ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ اے ایمان والو! تم اپنے نفس کی خبر رکھو جب تم راہِ راست پر ہوگے تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے اُسکا گمراہ ہونا تمکو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔)

سیاست حاصّہ یہ ہے کہ انسان اپنے گھر والوں اور اپنے نوکروں کی تہذیب و تادیب میں مصروف ہو۔ اگر وہ نیک کام کریں تو ان کو انعام دے۔ اور اگر ان میں سے کوئی بُرا کام کرے تو اس کو سزا دی جائے۔ سورۂ تحریم پارہ ۲۸ میں ارشاد ہے۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا (اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کے عذاب سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جو آدمی اپنے گھر والوں کو ہمیشہ علم اور اچھا ادب سکھاتا رہتا ہے تو وہ خود اور اس کے گھر والے سب کے سب جنت میں داخل ہونگے۔

پس جو شخص اپنے نفس اور اپنے اہل وعیال کی اصلاح کر سکتا ہے اُس کیلیے زیبا ہے کہ وہ اسلام کی دعوت اور تمام خلقت کی اصلاح اور سیاست کا بیڑا اُٹھائے اور جس میں یہ قابلیت نہو اُس کے لیے کسی طرح داعی بننا جائز نہیں +

سیاستِ عامّہ - یہ ہے کہ عام لوگوں کی تدبیر اور ان کی معاش ومعاد میں اصلاح کر سکے اور ان کی شرعی ومذہبی تادیب کر سکتا ہو +

پس جو شخص ان تینوں سیاسیات کو نہ جانتا ہو اور نہ برت سکتا ہو اُس کیلیے داعی بننا جائز نہیں +

دعوت کی شرائط

(۱) داعی کو فقیہ ہونا چاہیے -

(۲) داعی کو قاضی یعنی جج کی لیاقت ہونی چاہیے کیونکہ وہ دینی امور میں بمنزلہ ایک فیصلہ کرنے والے کے ہے +

(۳) داعی میں امارت کے لوازمات ہونے چاہئیں مثلاً بہادری، سخاوت، تدبیر سیاست، ادب، کیونکہ وہ دینی امور میں بمنزلہ ایک امیر کے ہے -

(۴) داعی میں مجاہدین کی شرائط کا بھی پایا جانا ضروری ہے کیونکہ وہ دینی اور مذہبی مسائل میں مجاہد فی سبیل اللہ ہے -

(۷) داعی میں اطبا کی شرائط بھی ہونی چاہئیں - کیونکہ وہ روحانی طبیب ہے جس طرح طبیب لوگ مریضوں کے ساتھ شفقت اور توجہ کا برتاؤ کرتے ہیں اسی طرح داعی کو بھی برتاؤ کرنا چاہیے -

(۸) داعی میں نجومیوں کی شرائط کا پایا جانا بھی ضروری ہے کیونکہ وہ عالم اور منجم دین ہے -

(۹) داعی کے اندر تالیف قلوب کا مادہ بھی ہونا چاہیے +

(۱۰) داعی کو کھیتی اور کاشتکاری اور شرائطِ زمین کے تمام اصول سے واقف ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ دین کی کھیتی کرتا ہے اور ایمان کی حقیقی زمین کو آباد کرتا ہے۔

(۱۱) داعی میں چرواہوں کی قابلیت بھی ہونی چاہیے جس طرح چرواہا اپنی بکریوں کو چرانے پانی پلانے اور اُن کی حفاظت کا خیال رکھتا ہے۔ اُسی طرح داعی کو رکھنا چاہیے کیونکہ حقیقت میں وہ قوم کا چرواہا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کُلُّکُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (ہر ایک تم میں سے راعی ہے اور ہر ایک سے اُسکی رعیت کی بابت سوال کیا جائیگا۔

(۱۲) داعی کے لیے تجارت کی واقفیت بھی ضروری ہے کیونکہ وہ خدا کے راستے کی تجارت لوگوں کو سکھاتا ہے۔

(۱۳) داعی کے لیے صنعت وحرفت سے بھی آگاہ ہونا چاہیے۔

(۱۴) داعی کو فنِ ملاحی کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ وہ حقیقت کی کشتی کا ملاح ہے۔

(۱۵) داعی کے لیے خود معتقدِ دین ہونا ضروری اور یہ بھی لازمی ہے کہ وہ یکتا موحد ہو کیونکہ جس شخص کا اپنا ذاتی اعتقاد اور یقین درست نہو گا وہ دوسرے کا اعتقاد اور یقین درست نہ کر سکے گا۔

(۱۶) داعی کے لیے متقی ہونا بھی ضروری ہے۔ تقوےٰ کی ابتدا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ سے ہر حال میں ڈرے اور کسی کو اسکا شریک نہ بنائے اور تمام حدود شرعیہ کی حفاظت کرے۔

(۱۷) داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ شفیق ورحیم ہو کہ .... باوجود لوگوں کی نافرمانی اور بُرے افعال کے ان پر سختی نہ کرے۔

(۱۸) داعی کو متواضع ہونا چاہیے۔ لوگوں سے تکبر اور نخوت کا برتاؤ نہ کرے۔

(۱۹) داعی کے لیے یہ بھی ضرورت ہے کہ وہ اچھے نسب اور اچھی ذات کا ہو کیونکہ جب داعی اچھی ذات کا نہو گا تو لوگ اُسکی بات کا اثر قبول نہ کرینگے۔

(۲۰) داعی کے لیے سخی ہونا بھی ضروری ہے جب داعی بخیل ہوگا دعوتِ حق دوسروں

پر اثر نہ کرے گی +

(۲۱) داعی کیلیے ہر ایک بات میں سچا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ جب وہ خود سچا نہ ہوگا تو لوگ اُس کے قول کی کیونکر تصدیق کرینگے +

(۲۲) داعی کے لیے بامروّت ہونا ضروری ہے کیونکہ مروّت ایمان کی نشانی ہے اگر داعی مروّت کو چھوڑیگا تو خلقت اُس سے بیزار ہوجائیگی اور دعوتِ اسلام کو نقصان پہنچیگا۔

(۲۳) داعی کو باحیا ہونا چاہیے۔ کیونکہ حیا ایمان کی شاخ ہے +

(۲۴) داعی کے واسطے صاحبِ رائے اور صاحبِ تدبیر بھی ہونا ضروری ہے بزرگوں نے کہا ہے کہ چار چیزیں چار چیزوں کی طرف پہنچاتی ہیں عقل ریاست کی طرف، رائے سیاست کی طرف، علم صدر نشینی کی طرف، اور حلم توقیر و عزت کی طرف +

(۲۵) داعی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اُسے پورا کرے۔ کیونکہ دین قول کے پورا کرنے اور وفائے عہد کا نام ہے +

(۲۶) داعی کیلیے ضروری ہے کہ اُس میں رازداری اور بھید چھپانے کا مادّہ ہو +

(۲۷) داعی میں قوتِ برداشت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ داعی کے پاس طرح طرح کے آدمی آتے ہیں جنکی عقلیں کمزور اور سوالات مختلف ہوتے ہیں اگر داعی اُن کی باتوں کی برداشت نہ کریگا تو لوگ اُس سے نفرت کرنے لگیں گے اور دعوت کے کام کو نقصان پہنچیگا سورۂ آلِ عمران پارہ ۴ میں ارشاد ہے وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (اگر تم سخت مزاج اور سنگدل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے تتر بتر ہوجاتے)

(۲۸) داعی کیلیے صاحبِ ہمت ہونا ضروری ہے تاکہ دین و دنیا کے مشکل کاموں میں وہ گھبرا نہ جائے

(۲۹) داعی کے لیے ضروری ہے کہ خود اپنا امتحان لے اور اپنے حال کی تلاش کرتا رہے +

(۳۰) داعی کے لیے مردم شناس ہونا بھی ضروری ہے کہ وہ دوسرے پر نظر ڈالتے ہی اُسکی اہلیت اور قابلیت کو پہچان سکے +

(۳۱) داعی میں سفر کرنے کی طاقت اور حیثیت بھی ہونی چاہئیے تاکہ وہ ہر جگہ کا سفر کر سکے اور فرائض دعوت کو ادا کرے ٭

(۳۲) داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہجرت کرنیوالے لوگوں کے حقوق کا ماہر ہو تاکہ اُس محنت و مشقت سے واقف رہے جو مہاجرین نے اپنے وطن اور عیال و اموال چھوڑنے میں برداشت کی ہے ٭

(۳۳) داعی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جس قوم اور ملک میں دعوت کا کام شروع کرے وہاں کی زبان بھی جانتا ہو۔ سورۂ ابراہیم پارہ ۱۳ میں ارشاد ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (اور جب کبھی کسی قوم کے پاس ہمنے رسول بھیجا تو اُس قوم کی زبان سے ماہر بھیجا کہ وہ اُن کو اچھی طرح سمجھا سکے)

(۳۴) داعی کے لیے اہلِ علم کی قدر اور اُنکے مرتبے کا جاننا ضروری ہے کیونکہ اہلِ علم کے نفس سخت انکار کرنے والے ہوتے ہیں جو ذلت و حقارت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ دین کی عزت عالموں کی عزت کرنے میں ہے۔ جو شخص اہلِ علم کی عزت کرتا ہے وہ دین کی عزت کرتا ہے اور جو عالموں کی ذلت کرتا ہے وہ دین کی بے عزتی کرتا ہے۔

(۳۵) داعی کو اہلِ علم کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے۔

(۳۶) داعی کے لیے ضروری ہے کہ اہلِ فساد اور شریر لوگوں کی صحبت سے بچے قرآن شریف میں ارشاد ہے وَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (نصیحت کر چکنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔)

(۳۷) داعی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لالچی نہ ہو۔ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ دین کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا تقوےٰ۔ پھر سوال ہوا دین کا فساد کیا ہے۔ فرمایا طمع ٭

(۳۸) داعی کے لیے امارت اور ریاست کا شوقین نہ ہونا چاہیئے ؛

(۳۹) داعی کو مناسب نہیں ہے کہ وہ مؤمنین پر تہمت لگائے یا اُن کی طرف سے بدگمان ہو
(۴۰) داعی کو فحش گوئی اور بکواس پن سے احتیاط کرنی چاہیے +
(۴۱) داعی کو باہیبت اور باوقار رہنے کی ضرورت ہے +
(۴۲) داعی کی صورت شکل بھی اچھی ہوتی چاہیے کہ خدا کو عیب دار جانوروں کی قربانی بھی منظور نہیں +
(۴۳) داعی کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایک سائل کو اُسکی عقل اُسکے فہم اور اُس کے درجہ کے موافق جواب دے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اُمِرْتُ اَنْ اُکَلِّمَ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ (مجھے اللہ تعالےٰ کی جناب سے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اُن کی عقلوں کے مطابق بات چیت کروں)
(۴۴) داعی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ناقابل لوگوں کے ساتھ رعایت کرکے دین کے نازک کام اُنکے سپرد کردے +

قیصر روم نے نوشیرواں سے پوچھا تمہاری سلطنت کا استحکام کس وجہ سے ہے نوشیرواں نے جواب دیا کہ میں لیاقت اور صلاحیت کی بنا پر عہدے دیتا ہوں رعایت اور عنایت کی وجہ سے نہیں۔ اور جُرم کے عوض سزا دیتا ہوں۔ اپنے غصّے کے باعث نہیں۔ اور استحقاق کے بدلے انعام دیتا ہوں۔ عنایت ومحبت کے سبب نہیں۔ اور کسی وعدے میں وعدہ خلافی نہیں کرتا +

(۴۵) داعی کو اپنی کسی بات کے اوپر دوسرے پر غصّہ نہ کرنا چاہیے محض اللہ تعالےٰ کے احکام کی نافرمانی کے وقت اظہار غیض وغضب کیا جائے تو مضائقہ نہیں۔
(۴۶) داعی کے دربان دین دار، ثقہ اور شیریں کلام لوگ ہونے چاہئیں کیونکہ رئیس کا دربان اُس کا خلیفہ ہوتا ہے +
(۴۷) داعی کے کاتب کو مومن و متدین ہونا چاہیے +

(۴۸) داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ نامحرم عورتوں سے دور رہے اور بجز بیوی اور باندی کے کسی اور عورت سے خدمت نہ لے +

(۴۹) داعی کو امرد اور نوعمر لڑکوں سے بھی خدمت لینے کی ممانعت ہے +

(۵۰) داعی کو مناسب نہیں ہے کہ وہ ہر شخص سے ظرافت و خوش طبعی کا برتاؤ کرے +

(۵۱) داعی کا دروازہ ہر وقت کھلا رہنا چاہیے تاکہ موافق و مخالف اُس کے پاس آتے رہیں

(۵۲) داعی کو لوگوں کے مرتبے اور درجے سے واقف ہونا چاہیے تاکہ انہی کے موافق وہ اُن سے برتاؤ کر سکے +

(۵۳) داعی کو چاہیے کہ وہ دلوں کو متحد کرنے کی کوشش کرے اور لوگوں میں دوستی پیدا کرائے باہمی حسد و عداوت و نفاق سے روکے +

پس جس شخص میں یہ اوصاف نہوں وہ کبھی دعوتِ اسلام کے کام میں اچھی طرح کامیاب نہو سکے گا +

شرائطِ دعوت پر ایک نظر

اگرچہ دعوت اسلام کی یہ شرطیں اسمٰعیلیہ (بوہرہ) جماعت کے ایک عالم نے تجویز کی ہیں۔ اور انہیں زیادہ تر اسمٰعیلی داعی کی صفات کو پیش کیا گیا ہے لیکن ان کے اوپر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت اسلام کا کام کرنے والوں کے لیے ان سے بڑھکر اور کہیں ایسے مجموعی طور سے صفاتِ داعی کا تذکرہ نہیں ملیگا۔ اور اگر ہندوستان کی وہ انجمنیں جو تبلیغِ اسلام کا کام کرتی ہیں ان شرطوں کو پیشِ نظر رکھکر داعی اور مبلغ مقرر کرینگی تو اشاعتِ اسلام کو بہت فائدہ ہوگا +

بوہرہ جماعت میں داعی کا درجہ محض مبلغ اسلام کی حیثیت میں ختم نہیں ہوجاتا بلکہ اسکو نائب امام کی شان سے قوم اور جماعت کی سرداری بھی کرنی پڑتی ہے اور ہندوستان میں تو آجکل بوہرہ جماعت کے داعی کا مرتبہ ایک مستقل مذہبی حکمران کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اب بوہرہ قوم میں سوائے ایک داعی کے جو سورت میں رہتا ہے اور کوئی دوسرا اعلیٰ درجہ کا راہنما موجود نہیں ہے اور داعی مذکور جماعت ہند

اور جماعت بین وغیرہ کا حاکم خیال کیا جاتا ہے ٭

لہٰذا بوہرہ نقطۂ نظر سے داعی کی جو شروط بوہروں کے نامور فاضل نے بسند آیاتِ قرآنی قلمبند کی ہیں وہ داعی کی شناخت اور اُسکی اطاعت وعدم اطاعت کیلیے ایک کسوٹی اور معیار تصور کرنی چاہئیں۔ کہ آیا موجودہ داعی میں وہ صفات موجود ہیں یا نہیں جو شروط دعوت میں بوہروں کے ایک مستند عالم نے لکھی ہیں۔ اگر موجود ہیں تو بوہرہ قوم کو فخر کرنا چاہیے کہ ان کا داعی دیگر مسلم جماعتوں کے پیشواؤں سے زیادہ مکمل اوصاف امور اسلامی میں رکھتا ہے۔ اور اگر ان شرائط میں سے کچھ شروط داعی مذکور میں نہ پائی جاتی ہوں یا ان شروط کے خلاف عمل ظاہر ہوتا ہو تو بوہرہ جماعت کو بہت جلد ان شرائط پر غور کرکے داعی مذکور سے مطالبہ کرنا چاہیے کہ یا تو وہ ان شرائط کی پابندی کرے ورنہ منصبِ داعی کو ترک کرکے مسندِ دعوت سے جدا ہو جائے۔ کیونکہ ایسے داعی کی اطاعت جو مقررہ شروطِ دعوت کی مخالفت کرتا ہو اور علانیہ ان کی بے حرمتی کا ارتکاب اُس سے ہوتا ہو اُسکی اطاعت حسبِ ارشادِ امام ہمام کسی طرح جائز نہیں ہے ٭

یہ جملۂ معترضہ لکھنے کے بعد اب میں صفاتِ داعی کی نسبت عام قومی و اسلامی نقطۂ نظر سے کچھ لکھنا چاہتا ہوں ٭

شروطِ دعوت میں بعض شرطیں تو اسمٰعیلی داعی کے لیے مخصوص ہیں لیکن ان میں سے اکثر حصہ ایسا ہے کہ وہ مسلمانوں کے سب فرقوں کے عمل میں آنا چاہیے۔ مثلاً داعی کے لیے پہلی شرط فقیہ ہونا ہے۔ آجکل کے زمانہ میں تبلیغ اسلام سے زیادہ حفاظتِ اسلام ضروری چیز ہے۔ اور حفاظت کا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ نام کے مسلمان ہیں اُن کو ارکانِ اسلامی سے پوری طرح باخبر کرکے پکا مسلمان بنا دیا جائے اور وہ جبھی ہوسکیگا کہ داعی فقیہ ہو کیونکہ اکثر داعی جو اشاعتِ اسلام کی انجمنوں کی طرف سے مقرر کیے جاتے ہیں مسائلِ فقہ پر عبور نہیں رکھتے اور صرف مناظرہ کرنا یا وعظ کہنا سیکھکر داعی بن جاتے ہیں ٭

دوسری شرط داعی کے لیے یہ ہے کہ اُسمیں صحیح یعنی منصفانہ فیصلہ کرنے کی قوت ہو۔ یہ شرط آجکل کے زمانہ میں بہت ضروری ہے جو شخص قصبات و دیہات میں جاکر دعوتِ اسلام کا کام کرنا چاہے اُس میں اگر

دنیاوی جھگڑوں کے پنچ بننے کی قابلیت ہوگی تو وہ بہت جلد ایک زبردست اور پورا اقتدار باشندوں کے دلوں پر حاصل کرلیگا اور اُسکے بعد پھر اُسکو اشاعتِ اسلام میں یقینی طور سے کامیابی ہوسکیگی +

تیسری شرط داعی کی یہ بیان کیگئی ہے کہ اُسمیں عمارت کے لوازمات ہونے چاہئیں مگر یہ جوہر نکے داعی کیلیے زیادہ مناسب ہیں - یہی حال چوتھی شرط کا ہے +

پانچویں شرط جسمیں داعی کیلیے امین اور معتبر ہونا لازم قرار دیا گیا ہے بہت ضروری شرط ہے کیونکہ آجکل داعیونکے ذریعہ سے چندہ جمع کیا جاتا ہے اور عموماً امانت کے فرائض پورے نہیں ہوتے +

چھٹی شرط بھی بہت ضروری ہے کہ داعی میں مجاہدانہ جوش وخروش موجود ہو - ساتویں شرط یہ ہے کہ داعی میں طبیبوں کی لیاقت موجود ہونی چاہیے میرے خیال میں یہ بہت ضروری اور مفید چیز ہے عیسائی مشنری اشاعت عیسویت میں عموماً اس وجہ سے کامیاب ہوتے ہیں کہ اُنکو ڈاکٹری کی تعلیم دی جاتی ہے اور وہ دیہات میں جاکر لوگوں کے علاج معالجے کرتے ہیں اور اس طرح اُن کو دلوں پر رسوخ حاصل ہوجاتا ہے اگر مسلمان داعی علاج معالجے کی مختصر سی ضروری معلومات حاصل کرلیا کریں تو اُن کو اپنے کام میں بہت زیادہ کامیابی ہوگی - آٹھویں شرط یہ ہے کہ داعی کو فن نجوم آتا ہو - میں اِس شرط کو بھی دعوتِ اسلام کیلیے بہت مفید سمجھتا ہوں کیونکہ غیر مسلم قومیں نجوم و جوتش کی بہت معتقد ہوتی ہیں اگر داعی اِس فن سے واقف ہوگا تو بہت جلد لوگوں کو مسخر کرسکیگا +

نویں شرط تالیف قلوب کی ہے اور یقیناً بہت ضروری چیز ہے لیکن دسویں شرط تو ازبس ضروری ہے کیونکہ دعوتِ اسلام کا کام کاشتکاروں اور زراعت پیشہ لوگوں میں بہت مفید ہوسکتا ہے - اگر داعی فن کاشت اور زراعت سے واقف ہوگا تو وہ جلد اُن لوگوں سے گھل مل جائیگا جو یہ پیشہ کرتے ہیں +

گیارھویں شرط بھی اخلاقاً قابل توجہ ہے - بارھویں شرط اُس داعی کے لیے بہت ضروری ہے جو تجارت پیشہ لوگوں میں کام کرنا چاہے - تیرھویں شرط بھی عموماً داعیوں کیلیے قابل توجہ ہے - چودھویں شرط صرف اُن لوگوں کیلیے مفید ہے جو ملاحوں میں کام کرنا چاہتے ہوں - پندرھویں شرط ایک بنیادی چیز ہے جسکو میں نے بھی اپنے بیان میں وضاحت سے لکھا ہے - سولھویں شرط بھی ایسی ہی ہے - سترھویں اور اٹھارھویں شرطیں حسن اخلاق سے تعلق رکھتی اور ضروری ہیں مگر انہیں ہر ہر داعی [illegible] کے متعلق ایک [illegible]

اُنتیسویں شرط سے مجھے اختلاف ہے خدا کے راستے کی طرف بُلانے والے کیلیے اچھے نسب اور اچھی ذات کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ ؎ ذات پات پوچھے نا کوئے ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئے

بیسویں، اکیسویں، بائیسویں تیئیسویں شرطیں، سولھویں شرط کے ماتحت شمار کرنی چاہئیں۔ چوبیسویں شرط تیسری شرط کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ پچیسویں شرط سولھویں شرط کا ایک حصہ ہے۔ چھبیسویں شرط ایک بہت ضروری مسئلہ ہے داعی کیلیے اور ہر پبلک کام کرنے والے کے واسطے یہ ضروری ہے کہ اُسمیں اخفائے راز کی قوت موجود ہو۔ ستائیسویں شرط نے داعی کا مکمل کیرکٹر ظاہر کیا ہے اور جو کچھ اُسکو پیش آتا ہے وہ نہایت الفاظ میں دکھایا ہے اسکو میں نے صبر و ضبط کے بیان میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اٹھائیسویں اور اُنتیسویں شرطیں بھی صبر و ضبط کے بحث میں آتی ہیں اور بہت ضروری ہیں۔ تیسویں شرط یقیناً بہت ضروری ہے جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ نے مردم شناسی کا مادّہ دیا ہے وہ ہر کام میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اکتیسویں شرط صحت جسم، قوت یاد داشت، اور مالی حالت سے تعلق رکھتی ہے۔ بتیسویں شرط کا تعلق اہل ہندوستان سے بہت کم ہے۔ البتہ تینتیسویں شرط ایسی ضروری ہے جسپر سوائے عیسائی داعیوں کے اور کوئی عمل نہیں کرتا۔ اگر مسلمان اسپر غور کریں اور عمل شروع کردیں تو بہت جلد اشاعتِ اسلام میں کامیاب ہوجائیں۔ ۳۳، ۳۴ اور ۳۵، اور ۳۶، اور ۳۷، اور ۳۸، اور ۳۹، اور ۴۰، اور ۴۱ نمبر کی شرطیں بوہروں کے داعی یعنی ملا صاحب سے زیادہ تر تعلق رکھتی ہیں۔ بوہروں کو چاہیے کہ وہ غور کریں کہ اُنکے ملا صاحب میں یہ باتیں موجود ہیں یا نہیں تاہم عام مسلمان داعیوں کو بھی ان شرائط سے عبرت حاصل ہوسکتی ہے۔ بیالیسویں شرط سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ داعی کیلیے اچھی صورت کا ہونا کچھ ضروری نہیں ہے سیرت اچھی ہونی چاہیے۔ تینتالیسویں شرط البتہ بہت ضروری ہے جو داعی اپنے مخاطب لوگوں کی سمجھ کے موافق بات کریگا وہ سب سے زیادہ کامیاب ہوگا نمبر ۴۴، اور ۴۵، اور ۴۶، اور ۴۷ کی شرطیں بظاہر بوہروں کے داعی یعنی ملا صاحب سے تعلق رکھتی ہیں۔ البتہ نمبر ۴۸، اور ۴۹ اور ۵۰ بوہروں کے داعی صاحب اور تمام مسلم داعیوں کیلیے قابل احتیاط شرطیں ہیں کہ اگر کوئی داعی ان باتوں سے احتیاط نہ کریگا تو یقیناً اپنے کام میں اسکو ناکامی ہوگی۔ نمبر ۵۱ بوہروں کے داعی کیلیے مخصوص ہے لیکن اگر دوسرے داعیوں کو بھی یہ رسوخ حاصل ہوجائے تو اُنکو اسپر عمل کرنا چاہیے۔

۲۴ اور ۲۵ نمبر کی شرطیں بوہرونکے داعی اور تمام مسلمان داعیوں کیلیے ضروری ہیں جو شخص لوگوں کو درجے اور مرتبے کی مطابق برتاؤ کرنا جانتا ہے وہ کبھی ناکام نہیں ہوتا اور جس شخص میں میل اور اتحاد پیدا کرنیکا مادہ ہو وہی دعوتِ اسلام کا کام بہت اچھی طرح کر سکتا ہے۔ مگر یہ جتنی شرائط یہاں لکھی گئی ہیں ان سب کا ایک آدمی کی ذات میں جمع ہونا بہت دشوار ہے۔ عقائد اور اعمال کی درستی تو ہر داعی کی ہوتی ضروری ہے لیکن واقفیت عامہ کی جتنی شرائط لکھی گئی ہیں اُنکی نسبت میرا خیال ہے کہ ایک آدمی ان سب میں عبور حاصل نہیں کر سکتا اسواسطے یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ایک ایک داعی ایک ایک فن میں کمال حاصل کرے۔ یعنی جو شخص ملاحوں میں دعوتِ اسلام کا کام کرنا چاہتا ہو وہ فنِ ملاحی میں عبور حاصل کرلے اور جو شخص کاشتکاروں میں کام کرنیکا ارادہ کرے اُسکو کاشتکاری اور زمینداری سیکھنی چاہیے اور جو تجارت پیشہ لوگوں میں دعوتِ اسلام کرنی چاہتا ہو اُسکو فنِ تجارت سے آگاہ ہونا ضروری ہے اگر اسلامی انجمنیں ان شرائط کو پیشِ نظر رکھکر کام شروع کرینگی تو اللہ تعالےٰ اُنکو پوری کامیابی عطا فرمائیگا اور جو پراگندگی اور بے ثباتی آجکل اُنکے کاموں میں پائی جاتی ہے ان شروط پر عمل کرنے کے بعد وہ سب دور ہو جائیگی ؂

ہندوستان میں اشاعتِ اسلام، تبلیغِ اسلام، ہدایتِ اسلام، حمایتِ اسلام، حفاظتِ اسلام وغیرہ شاندار ناموں سے بہت سی انجمنیں قایم ہوئیں اور بعض اُن میں سے اب بھی قائم ہیں مگر اُنکو اپنے مقاصد میں بہت کم کامیابی ہوئی سوائے اس فائدہ کے کہ عیسائی پادریوں اور آریہ سماجیوں سے بحث مباحثہ کرنیوالے کچھ لوگ پیدا ہو گئے اور عوام اور جہلا کے طبقہ کو اُنکے اغوا سے بچا لیا گیا لیکن بطور خود اشاعتِ اسلام کا کوئی مؤثر و مفید کام ان انجمنوں سے نہ ہو سکا کیونکہ ان انجمنوں کو کام کرنیوالے اچھے میسر نہ آئے اور ان کو معلوم نہ تھا کہ دعوت کا کام کرنیوالوں میں کن کن اوصاف کا تلاش کرنا ضروری ہے۔ انجمنوں کے واعظ عموماً صبر و ضبط سے ناآشنا جلدی مشتعل ہو جانے والے، آرام طلب، شہروں کے سوا قصبات و دیہات میں جانے سے دم چرانیوالے لوگ ہوتے تھے، اُنکو سوائے اُن بیانات کے جو مسلمانوں ہی کے سامنے زیادہ موزوں ہو سکتے ہیں غیر مسلم اقوام کے سامنے ایسی تقریر کرنی نہیں آتی جو اُنکو اسلام کی طرف راغب کر سکے نہ وہ اُن اقوام کی رسم و

رواج اور عادات و خصائل سے واقف ہوتے ہیں جہاں اُنکو دعوتِ اسلام کے کام کیلیے مقرر کیا جاتا ہے اور نہ وہ اُن اقوام کے عقائد مذہبی سے آگاہ ہوتے ہیں، نہ اُنکی زبان جانتے ہیں، نہ اُن سے ہمدردی اور دلجوئی کا برتاؤ کرسکتے ہیں۔ وہ غیر مسلم اقوام کے سامنے حریفوں کی طرح جاتے ہیں اور اُن اقوام کو جو اُنکی دعوت کی مخاطب ہوں اسلام کا حریف سمجھکر برتاؤ کرتے ہیں اور یہی سب سے بڑی وجہ اُنکی ناکامی کی ہے۔ انجمنیں ان واعظوں کو تنخواہیں دیتی ہیں اور نذر و معاوضہ وعظ لینے سے ممنوع کردیتی ہیں لیکن ان لوگوں کی دیانت اس قدر مشکوک اور مشتبہ ہوتی ہے کہ ان میں سے بہت کم انجمنوں کی ان ہدایات پر عمل کرسکتے ہیں جسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم اقوام داعیوں کی حرص و طمع کو دیکھکر اُن سے بے توجہ ہوجاتی ہیں۔ اور اُن کے وعظ کا کسی پر اثر نہیں پڑتا۔

ایک اور خرابی ان انجمنوں میں یہ ہے کہ وہ اپنے داعیوں اور واعظوں کے ذریعے سے چندے وصول کراتی ہیں، بلکہ بعض انجمنیں تو محض چندوں کیلیے قائم کیجاتی ہیں غیر مسلم قوموں میں چندہ مانگنے والے واعظ کبھی اشاعتِ اسلام کا کام نہیں کرسکینگے کیونکہ چندہ مانگنے سے داعی اُنکی نظروں میں بے حقیقت اور ذلیل ہوجاتا ہے۔

کانپور میں اشاعتِ اسلام کے مقصد کو ملحوظ رکھکر دس بارہ برس کے عرصہ سے ایک مدرسہ قائم ہے جسکا نام "الٰہیات" رکھا گیا ہے اس مدرسہ میں عربی کے منتہی اور انگریزی خواں طلبہ کو فن مناظرہ اور اشاعتِ اسلام کے طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ اس عرصہ میں بہت سے طلبہ یہاں سے فارغ ہوکر نکلے مگر کسی نے کوئی خاص کام کرکے آجتک نہیں دکھایا۔ اسی سلسلہ میں مجکو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی مشن کا بھی ذکر کرنا چاہیے اُنہوں نے نبوت امامت اور مہدی و مسیح ہونیکے دعوے کیے اور ایک جماعت کو دعوتِ اسلام کیلیے تیار کیا لیکن ہندوستان میں انکو کچھ بھی کامیابی نہوئی یعنی غیر مسلم اقوام میں سے کوئی شخص بھی اسلام کی طرف اُنکی کوشش سے مائل نہ ہوا البتہ مسلمان بکثرت اُنکے ہم عقیدہ ہوگئے۔ اس ناکامی کی وجہ یہی تھی اور یہ ہے کہ یہ لوگ مذکورہ شرائط کو پیش نظر رکھکر دعوتِ اسلام کا کام نہیں کرتے بلکہ نہایت گستاخانہ اور حریفانہ انداز سے غیر مسلم اقوام کو مخاطب کرتے ہیں۔

ان شرائط میں صوفیہ مشائخ کا طرز عمل ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے کیونکہ انکے مرتب کرنیوالے ایک شیعہ عالم تھے لیکن ان میں سے اکثر شرائط ایسی ہیں جنپر عمل کرنے سے مشائخ اور اُنکے مرید داعی اسلام کا فرض ادا کرسکتے ہیں۔ میرے خیال میں نفراد کی

داعیوں کو چند شرائط اور بھی ملحوظ رکھنی مناسب ہیں۔ ایک تو یہ کہ فقرا کے داعی مؤثر اور مفید تعویذ اور اعمال جانتے ہوں اور اُنکا معاوضہ کچھ نہ لیتے ہوں جو داعی اس فن سے آگاہ ہوگا وہ اشاعت اسلام کا بہت بڑا کام کرلیگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ فقیر داعی اسلام کو موسیقی آتی ہو اور وہ خوش الحان بھی ہو کہ ہندوستان کی اقوام زیادہ اُن داعیوں کی سعی سے مسلمان ہوئی ہیں جو خدا رسول کا ذکر اور اسلام کی خوبیاں نظم میں گاتے پھرتے تھے۔ اگر فقیر داعی پھر اسی طریقہ کو زندہ کریں تو پوری کامیابی کی امید ہے۔ تیسری بات فقیر داعی کیلیے یہ ضروری ہے کہ وہ ویدانت اور ہندو تصوف کو جانتا ہو اور اسلامی تصوف کو ہندو تصوف سے مطابقت دینے کی لیاقت رکھتا ہو۔ چوتھی بات فقیر داعی کیلیے یہ لازمی ہے کہ وہ مجرد ہو اور گوشت بالکل نہ کھاتا ہو اور سادھوؤں کی طرح سادہ زندگی بسر کرسکتا ہو۔ پانچویں بات یہ ہے کہ ایک جگہ مقیم نہ رہے بلکہ فقرا کی طرح ہمیشہ سفر و سیاحت کرتا رہے کیونکہ ملک بہت بڑا ہے۔ اگر ایک صوبہ کو ایک داعی اپنے لیے مخصوص کرلے اور گردش کرتا رہے تو چند روز میں سارا صوبہ اسکے اثر سے متاثر ہو جائیگا اسی طرح اور باتیں بھی ہیں جو عمل اور کام کے وقت خود داعیوں کو معلوم ہو جائینگی۔

قرآن کا حکمِ دعوتِ اسلام

قبل اس کے کہ اصل کتاب شروع کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا حکم دعوتِ اسلام کے متعلق مسلمانوں کو سُنا دوں۔ نیز غیر مسلم اقوام کو بتا دوں کہ اسلام اپنی قبولیت کی کیوں خواہش رکھتا ہے۔ اِس میں اسلام یا مسلمانوں کا کچھ ذاتی فائدہ ہے یا خود اُن لوگوں کا فائدہ اسلام کو مدِ نظر ہے جن کو وہ اپنے اندر آنے اور قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

صرف اسلام دعوتی مذہب ہے

دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں ان میں بُدھ، عیسائی اور اسلامی مذہب دوسروں کو دعوت کرکے اپنے اندر لیتے ہیں باقی یہودی، آتش پرستی اور برہمنی مذاہب دعوت کا اصول اپنے ہاں نہیں رکھتے (کچھ دن سے برہمنی مذہب میں آریہ سماج کی ایک

شاخ نکلی ہے جس نے دعوت کا کام شروع کیا ہے اور اپنے بزرگوں اور وید کے خلاف حکم دوسری اقوام کو آریہ بنانے پر کمر باندھی ہے +

بُدھ مذہب کی خبر نہیں مگر عیسائیوں اور ہندؤں کے ہاں پیغمبروں یا کتب آسمانی کا ایسا کوئی صاف حکم موجود نہیں ہے جس سے دعوتِ عام کا ثبوت ملتا ہو یا یہ معلوم ہو سکے کہ وہ غیر مذاہب کے مقلدین کو اپنے مذہب میں شریک کرنے کے مجاز ہیں۔ نہ انکے ہاں غیر مذاہب کے ساتھ مذہبی اور دنیاوی امور میں ایسے حسن معاملات اور اچھے برتاؤ کرنے کی تاکید پائی جاتی ہے جس کا حکم قرآن نے مسلمانوں کو دیا ہے اور جگہ جگہ تاکید کی گئی ہے کہ جو کچھ تم کو دیا گیا اور نازل کیا گیا وہ تم بھی اپنے عمل میں لاؤ اور دنیا کے اور سب آدمیوں کو بھی پہنچا دو۔

بلکہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو واجب کر دیا گیا تھا کہ جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اُس کی عام تبلیغ کردو۔ چنانچہ امر کے صیغہ سے قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔ یَآاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ۔

ترجمہ (اے رسول پہنچا دو (سب کے پاس) اُس چیز کو جو تم پر نازل کی گئی ہے)

اسی طرح دعوتِ اسلام اور اشاعتِ توحید کا جگہ جگہ ذکر پایا جاتا ہے جس میں رسولِ خدا کو اور تمام مسلمانوں کو مامور کیا گیا ہے کہ تمام دنیا کو یہ پیغام پہنچا دیا جائے۔

اسلام پر تلوار کے زور سے پھیلائے جانے کا جو الزام ہے وہ بھی قرآن شریف کی ان آیات سے دور ہو جاتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے عالمگیر مذہب ہونے کا دعوے کیا اور تمام دنیا کی اقوام کو اپنی دعوت میں شریک کرنے کی آواز دی اور پھر عمل سے خود ہی اپنے دعوے کا گواہ ثابت ہوا

وہ آیات یہ ہیں:۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ سورہ نحل (ترجمہ) لوگوں کو اسلام کی دعوت دو حکمت و دانائی اور نیک نصیحت کے ساتھ۔ اور ان سے حجت بازی کرو مگر ایسے طریقہ سے جو بہت ہی اچھا ہو۔

قرآن نے دعوت کا حکم دیتے وقت وجہ اور سبب دعوت کو بھی بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ سورہ شوریٰ کی تیرھویں آیت میں پہلے یہ فرمایا۔

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْ بَعْدِھِمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ

جن لوگوں نے پیغمبروں کے بعد ورثہ میں کتاب پائی ہے وہ اس کتاب کے مطلب و مقصد میں بہت شک و شبہ کرتے ہیں۔

یہ وجہ بیان کر کے قرآن نے اپنا فیصلہ اور حکم ان الفاظ میں سنایا چنانچہ سورہ شوریٰ کی چودھویں آیت میں ہے۔

فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ (ترجمہ) پس اس واسطے تم انکو دعوت اسلام دو اور خود ثابت قدم رہو جیسا کہ تم کو حکم دیا گیا ہے۔ اور ان کی اہل کتاب کی خواہشوں کی اطاعت نہ کرو اور کہدو ایمان لایا میں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں منصفانہ بات کہوں کہ ہمارا تمہارا ایک ہی پروردگار ہے۔ ہمارے واسطے ہمارے اعمال تمہارے واسطے تمہارے اعمال۔ ہم میں تم میں کچھ جھگڑا نہیں ہے اللہ ہم کو تم کو اکٹھا کرے گا۔ اور اسی کے پاس جانا ہے۔

اس آیت میں دعوت اسلام کی شان اور غیر مسلمین سے طرز برتاؤ کی نرمی اور صلح کل

طریقہ بتایا گیا ہے۔ جس سے اسلام کے جبر اور تیغ کے مشہور زور کی تردید ہوتی ہے جس کا الزام اسلام پر لگایا جاتا ہے۔

یہ آیت اس وہم کو بھی دور کرتی ہے کہ مسلمان ہو جانے سے انسان خبر نہیں کن کن مجبوریوں اور پابندیوں کا شکار ہو جاتا ہوگا۔ قرآن نے کہدیا کچھ نہیں مسلمان ہونا یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانے۔

سورہ آل عمران کی اُنیسویں آیت میں اسلام کی قبولیت کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام لانا کیا چیز ہے اور اس سے کیا نفع ہے فرمایا:۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ۔ (ترجمہ) ان سے پوچھو جن کے پاس کتاب ہے اور بے اَن پڑھ یعنے عرب والے ہیں کہ کیا تم مسلمان ہو گئے پس اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو بے شک ہدایت پالی۔ اور اگر انکار کیا تو تمہارا کام فقط دعوت کا پہنچا دینا تھا۔

یعنے اسلام قبول کرنے سے مسلمان ہونے والوں کا ہی نفع ہے کہ وہ ہدایت پا جاتے ہیں۔ اور اگر وہ انکار کریں اور مسلمان نہ ہوں تو داعی کا کچھ نقصان ذاتی نہیں ہے کیونکہ اسکا کام تو فقط دعوت کا پہنچا دینا ہے۔

پھر سورہ آل عمران کی ایک آیت میں ارشاد ہوا:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (ترجمہ) اور چاہئے کہ تم میں کچھ لوگ ہوں جو بھلائی کی طرف بُلائیں اور اچھی باتوں کے کرنے کا حکم دیں۔ اور بُری باتوں کے کرنے سے منع کریں۔ اور وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

اس آیت میں دعوت اسلام ایک مخصوص جماعت پر واجب کی گئی ہے اور حکم

دیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں داعیان اسلام کی ایک نامزد جماعت ہمیشہ قائم رہنی چاہئے جسکا کام ہی یہ ہو کہ وہ اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم دے اور بری باتوں سے روکے۔ اور دعوت خیر یعنے دعوت اسلام کا فرض انجام دیتی رہے۔

کسی مذہب میں خواہ عیسائیوں کا ہو یا آریوں کا ایسا صاف حکم دعوت کے وجوب کا آسمانی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ جیساکہ قرآن میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حکما دعوت اسلام کے لئے مامور ہیں اسلام کو جیسی خوں خوار شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور اسکو تمام مذاہب کا حریف اور غنیم بیان کرکے دلوں کو اس سے نفرت دلائی جاتی ہے اسکا حال سب کو معلوم ہے۔ مگر قرآن کی اس آیت کو پڑھنے کے بعد جو ذیل میں درج کی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی برابر کوئی نرم مزاج اور دوسروں سے ملنساری کے ساتھ پیش آنے والا مذہب دنیا میں نہیں ہے۔ اور کسی مذہب نے اپنے ماننے والوں کو اسلام کی طرح ایسی شائستہ تعلیم دوسروں سے برتاؤ کرنے کی نہ دی ہوگی۔ سورہ حج میں ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ (ترجمہ) ہر قوم کی ہم نے رسومات مذہبی بنائی ہیں جن پر وہ چلتے ہیں۔ تم ان رسومات کی بابت ان سے جھگڑا نہ کرو۔ اور اپنے رب کی انکو دعوت دو کیونکہ تم ہی سیدھی ہدایت پر ہو۔

اس آیت نے بتادیا کہ کسی مذہب کی مراسم مذہبی کی مخالفت نہ کرنی چاہئے بلکہ صرف خدائے واحد کی دعوت ان تک پہنچائی جائے کیونکہ اسلام کا راستہ سیدھی اور پکی ہدایت کا ہے۔ اب اس آیت کو دیکھو اور دشمنوں کے جھوٹے بہتانوں اور بہتانوں کو دیکھو جو اسلام پر لگائے جاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام ایک سفاک مذہب ہے جو اسکو نہیں مانتا اسکو اسلام فنا و تباہ کر دینے کا حکم دیتا ہے۔ مگر قرآن کی سورہ توبہ کی چھٹی آیت اس الزام کی تردید ان الفاظ سے کرتی ہے:۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ (ترجمہ) اور اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص تم سے پناہ مانگے تو اسکو پناہ دو۔ تاکہ وہ خدا کا کلام سن لے۔ اور پھر اسکو اس کے حفاظت گاہ تک پہنچا دو۔

یہاں یہ حکم کہیں نہیں ہے کہ اسلام کے منکر کو مار ڈالو۔ تباہ کر دو۔ بلکہ یہ ارشاد ہے کہ اسکو پناہ دو۔ اور خدا کا کلام سنانے کے بعد اسکو ایسی جگہ پہنچا دو جہاں اسکو امن ملے آیت کے آخری حصہ سے تو یہ بھی ظاہر ہوا کہ اگر وہ کلام الٰہی سنکر قبول نہ کرے تب بھی اسکو امن گاہ تک پہنچا دینا تمہارا فرض ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ قرآن ہر جگہ تبلیغ اور دعوت کا حکم دیتا ہے یہ نہیں کہتا کہ تم جبراً اسکو قبول کراؤ۔ کیونکہ اس نے صاف کہدیا:۔

لَاۤ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ (ترجمہ) دین میں جبر نہیں ہے ہدایت تو ظاہر ہو گئی۔

اسلام کی قوت برداشت پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ کسی مخالفت کی سخت بات کی تاب نہیں لاتا فوراً وحشیوں کی طرح بھڑک اٹھتا ہے۔ قرآن نے سورہ مزمل میں اس الزام کی تردید ان الفاظ میں فرمائی ہے:۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا (ترجمہ) اور صبر کرو انکی بدگوئی پر۔ اور انکو چھوڑ دو۔ اچھا چھوڑنا۔

ترک تعلق کا بھی حکم دیا تو جمیل کے لفظ سے۔ یعنی برا کہنے والوں کی باتوں سے بگڑ کر

مت۔ اور انتقام کی آرزو نہ کرو۔ بلکہ صبر و ضبط سے کام لو۔ البتہ ان سے تعلق قطع کرو۔ مگر وہ بھی ایسا جو اچھا ہو۔ ناگوار و بدنما طریقہ سے ترک تعلق نہ کرو۔ قرآن تو ایسا رحم دل ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کو ایسی رحم دلی سکھاتا ہے کہ مخالفین اسلام کے حق میں دعا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ سورہ جاثیہ کی تیرھویں آیت میں ہے:۔

قُلْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ (ترجمہ) کہدو مسلمانوں سے بخشش کی دعا کریں اُن لوگوں کے واسطے جو خدا تعالیٰ کے عذاب کا یقین نہیں رکھتے۔

سورہ عنکبوت کی آیت ۴۵ میں بھی ایسی ہی نرمی و شائستہ طبعی کا حکم دیا گیا ہے فرمایا

وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِالَّذِيْ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (ترجمہ) اہل کتاب سے حجت بازی نہ کرو مگر اس طرح جو بہت ہی اچھے طریقہ کی ہو۔ البتہ اہل کتاب میں جو لوگ ظالم ہوں تو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور کہہ دو کہ ایمان لائے ہم اس پر جو ہم پر نازل ہوا اور اسپر جو تمہارے لئے نازل ہوا اور ہمارا تمہارا خدا تو ایک ہے اور ہم اسی کے مسلمان ہیں۔

ایسی ہی درگزر کا حکم سورہ مائدہ کی سولھویں آیت میں اس طرح آیا ہے:۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (ترجمہ) تم کو ہمیشہ سوائے چند لوگوں کے ان کی خیانتوں کا حال معلوم ہوتا رہتا ہے پس تم انکو معاف کرو اور درگزر کرو کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

قرآن کے سوا کسی آسمانی کتاب نے کسی پیغمبر کے لئے یہ شہادت نہیں دی کہ وہ

تمام دنیا کے لئے ہے۔ سوائے قرآن کے جس نے حضرت محمد رسول اللہ کو تمام دنیا کا ہادی بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ اسلام کی دعوت کے سوا کسی مذہب کی دعوت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ تمام اقوام دنیا کے سامنے پیش کی جائے۔ چنانچہ سورہ سبا کی ستائیسویں آیت میں ہے:۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (ترجمہ) نہیں رسول بنایا تم کو مگر تمام جہان کے آدمیوں کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔

اسی قسم کی اور بھی بہت سی آیات قرآن میں ہیں جن سے آنحضرت صلعم کا رسول اکمل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اسلام کی نرمی و ملائمت اور شائستہ مزاجی کے صاف و صریح احکام پائے جاتے ہیں۔ یہاں صرف چند بطور نمونہ کے لکھی گئی ہیں۔ سب کا نقل کرنا باعث طوالت تھا۔

مسلمان بنانے کی اصلی غرض

اسلام کی دعوت کا اصلی مقصد ایک تو یہ ہے کہ سب آدمیوں میں مساوات اور برابری کا حق قائم ہو اور وہ آپس میں بھائی بھائی ہو جائیں۔ کیونکہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے بادشاہ اور گدا کا یکساں رتبہ بنایا ہے۔ اور کل مومن اخوۃ کہکر اسکو مستحکم کر دیا ہے (سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) اونچی نیچی ذاتوں کی اس میں کچھہ پابندی نہیں ہے۔ امیر غریب ان پڑھ پڑھا لکھا عورت مرد بچہ بوڑھا۔ گورا کالا عقلمند بے وقوف۔ تندرست بیمار۔ طاقتور کمزور سب اسلام کی نظر میں برابر ہیں۔ اور اسلام نے ہر ایک کو برابر کا درجہ اور حق دیا ہے۔ اسلام کے سوا دنیا میں کوئی مذہب اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے اسلام کی طرح سب انسانوں کو مساوات و برابری کی شان دی ہو۔

امریکہ اور فرانس جہاں جمہوری یعنے عام لوگوں کی بادشاہت ہے اور ہر شخص آزاد و خود مختار ہے۔ دیکھنے اور سننے میں بہت مساوات کے ملک معلوم ہوتے ہیں۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ اصلی خوشی انہی ملکوں میں ہوگی کیونکہ وہاں کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ رعیت خود اپنی پسند سے چند سال کے لئے اپنے میں سے ایک لائق آدمی کو چن کر بادشاہ بنا لیتی ہے۔ اور وہ بادشاہ اپنے آپ کو بادشاہ وخود مختار نہیں سمجھتا بلکہ رعیت کی آزادی اور مرضی کے موافق حکومت کرتا ہے۔

مگر جب ان ملکوں کی اندرونی حالت کو غور سے دیکھا جائے تو وہاں ذرا بھی برابری اور انسانوں کا بھائی چارہ نہیں ملتا جو روپے والے ہیں وہ مفلسوں کے ساتھ شادی بیاہ نہیں کرتے۔ اور انکے ساتھ کھانا کھانے کو عیب سمجھتے ہیں انکے محلہ میں رہنا گوارا نہیں کرتے۔ یہانتک کہ خدا کے سامنے بھی ان غریبوں کے ساتھ نہیں جاتے یعنے انکے گرجا و عبادت خانے غریبوں سے الگ بنائے جاتے ہیں۔ جن میں کوئی مفلس نہیں آسکتا۔ اور نہ یہ امیر لوگ غریبوں کے گرجا میں آتے ہیں۔ اور قبرستان بھی ان امیروں کے الگ بنائے جاتے ہیں وہ گوارا نہیں کرتے کہ مرنیکے بعد بھی غریبوں کے ساتھ دفن ہوں۔ نہ کوئی غریب انکے قبرستان میں دفن ہو سکتا ہے۔ نہ یہ غریبوں کے قبرستان میں دفن ہونے پر راضی ہوتے ہیں۔

نام تو مساوات و برابری کا ہے اور حالت یہ ہے کہ کالے رنگ کے آدمی کو یہ لوگ اپنے ملک میں بھی نہیں گھسنے دیتے اور اس سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ اور جو لوگ خاص انہی کے ملکوں میں پیدا ہوئے ہیں اور ان کا رنگ پوری طرح گورا نہیں ہے تو انکے ساتھ بھی گورے آدمیوں کی طرح برتاؤ نہیں ہوتا نہ ملک

کے قانون میں ان کی وہ عزت ہے نہ حق ہے جو گوروں کو نصیب ہے +

آپس کی ہمدردی کا بھی یہ حال ہے کہ مفلسوں اور غریبوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ نہ کھانے کو روٹی۔ نہ رہنے کو مکان۔ نہ مصیبت میں آرام کا کوئی ٹھکانا +

کمزور اور کم عقل آدمیوں کی انکے ہاں کچھ بھی پرسش نہیں ہے۔ اور یہ بچارے دھکے کھاتے پھرتے ہیں +

انکے مقابلہ میں اسلام کا مذہب سکھاتا ہے کہ سب انسان برابر ہیں مسلمان اگر شہنشاہ ہو تو وہ ایک ادنے غریب مسلمان کے ساتھ کھانا کھا لیتا ہے۔ چنانچہ اسلام کے پورے پابند بادشاہوں نے ایسا ہی کیا ہے کہ غریبوں کو ساتھ کھانا کھلاتے تھے اور انکو اپنے برابر سمجھتے تھے +

حضرت عمر فاروق جو سب سے پہلے اور بڑے مسلمان شہنشاہ تھے اپنے غریب نوکروں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ اور سفر میں سواری کا نوکر کو برابر کا حق دیتے تھے۔ ایک دفعہ وہ سفر میں گئے تو اونٹ ایک تھا۔ اور آدمی دو تھے ایک حضرت عمر اور ایک اُن کا نوکر حضرت عمر نے سارے راستہ یہ عمل کیا کہ ایک منزل وہ خود سوار ہوتے تھے اور نوکر پیدل چلتا تھا۔ اور دوسری منزل میں نوکر سوار ہوتا تھا اور وہ پیدل چلتے تھے +

مسلمانوں کی مسجدیں سب امیر غریب عالم جاہل چھوٹے بڑے کے لئے یکساں کھلی رہتی ہیں۔ بادشاہ بھی وہیں نماز پڑھتا ہے۔ اور گدا بھی بلکہ اگر دو کوڑی کی حیثیت کا آدمی ایک شہنشاہ کے برابر کندھے سے کندھا ملا کر نماز میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو شہنشاہ کو اس میں کچھ بھی تامل اور عذر نہیں ہوتا کیونکہ خدا کے دربار میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہے سب برابر ہیں۔ اور اسلام نے تو دین میں اور دنیا میں سب

مسلمانوں کو برابری کا درجہ دیا ہے۔

مسلمانوں کے قبرستان بھی عام ہوتے ہیں ان میں شہنشاہ اور دولتمند بھی دفن ہوتے ہیں۔ اور انہی کے قریب ادنےٰ درجہ کے مسلمانوں کو بھی بلا حجت جگہ مل جاتی ہے۔

یہ سب اسلام کی تعلیم کا اثر ہے۔ کیونکہ اس نے بڑے زور سے حکم دیا ہے کہ سب آدمی اگر خدا کو ایک مانیں تو ایک سی عزت اور یکساں درجہ رکھتے ہیں اگر کوئی مسلمان اس کے خلاف عمل کرتا ہے تو یہ اس کی ذاتی خرابی اور شرارت ہے۔ اور اسلام کی تعلیم کی سراسر مخالفت ہے۔ ورنہ اسلام کا اس میں کچھ قصور نہیں ہے۔ اور اس سے اسلام کی تعلیم پر کچھ حرف نہیں آسکتا مسلمانوں میں ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں جو اسلام کی مساوات اور بھائی چارہ پر عمل نہ کرتے ہوں ورنہ اکثر اسلام کے حکم پر چلتے ہیں۔

اسلام نے آپس کی ہمدردی کا جو اثر مسلمانوں میں پیدا کیا ہے وہ کسی قوم اور دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ہے اگر ایک مسلمان ہندوستان میں ہو اور دوسرا چین میں اور چین کے مسلمان کو کچھ تکلیف پہنچے اور اس کی خبر ہندوستان کے مسلمان کو ہو تو ہندوستانی مسلمان ایسا بے چین ہو جائے گا گویا کہ خود اسی پر یہ تکلیف گزری ہے۔ ایسا ہی ہر جگہ کے مسلمانوں کا حال ہے کہ وہ اسلام کی تاثیر کے سبب دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے محبت اور دلی ہمدردی رکھتے ہیں۔ اور وقت آن پڑے تو جان و مال دوسرے بھائی پر قربان کر دیتے ہیں خواہ ان سے واقفیت ہو یا نہ ہو۔ اس کی رات دن ہر جگہ مثالیں دیکھنے اور سننے میں آتی ہیں۔

میں جب عرب شام کے ملک میں گیا تو اکثر یہ دیکھنے میں آیا کہ کسی ہوٹل میں

کھانا کھانے جاتا تو وہاں اور مسلمانوں کو کھانے میں مشغول دیکھتا۔ انہی کے برابر میں بھی کھانا منگا کر کھاتا۔ میرے کھانا کھانے کی حالت میں پہلے سے آئے ہوئے مسلمان کھانے سے فارغ ہو کر چلے جاتے۔ اور جب میں فارغ ہو کر ہوٹل والے کو کھانے کی قیمت دینی چاہتا تو وہ کہتا کہ تمہاری قیمت وہ مسلمان دے گئے جو تمہارے قریب پہلے سے بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ میں تعجب سے پوچھتا کہ انہوں نے قیمت کیوں دی۔ میری تو ان سے جان پہچان اور صاحب سلامت بھی نہ تھی تو وہ کہتے کہ تم تعجب کیوں کرتے ہو۔ کیا تم نے اسلام کی تعلیم حاصل نہیں کی۔ جس نے حکم دیا ہے کہ اپنے مسافر بھائی کی خاطر کرو۔ اور اسے کھانا کھلاؤ۔ اور پڑوسی کی خبر گیری کرو۔ تم مسلمان مسافر تھے۔ اور مسلمان کھانے والوں کے پڑوس میں بیٹھ کر تم نے کھانا کھایا تھا۔ لہٰذا ان مسلمانوں پر تمہارے کھانے کی قیمت دینی واجب ہو گئی۔

یہ واقعہ ایک جگہ نہیں بہت سے مقامات پر پیش آیا۔ اور میں نے مسلمانوں کی برادری میں وہی سچا خلوص اور پوری محبت دیکھی جو اسلام نے سکھائی ہے۔

حاذق الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب دہلوی نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ یورپ کے ایک شہر میں کسی یورپین کے مہمان تھے۔ اور میز پر اتنا کھانا تھا کہ پانچ آدمی اور آجاتے تو وہ بھی کھا لیتے۔ اتنے میں ایک غریب یورپین آگیا اور اس نے کہا میں بھوکا ہوں۔ مگر صاحب خانہ نے اسکو گھر سے نکال دیا۔ اور کچھ بھی کھانے کو نہ دیا۔

حکیم صاحب کہتے ہیں ایک تو یہ مثال دیکھی اور دوسری یہ کہ جب میں ایک مسلمان شہر میں گیا تو بازار میں سیر کرتا پھرتا تھا۔ رستہ میں مجکو ایک باغ کا دروازہ نظر آیا۔ میں سمجھا یہ عام باغ ہے اسواسطے اس کے اندر چلا گیا مگر وہ کسی امیر کا ذاتی

باغ تھا۔ اور اس کے اندر عورتیں ٹھہری ہوئی تھیں۔ جونہی اندر داخل ہوا ایک
نوکر عورت نے چیخ کر کہا۔ تم کون ہو۔ تم کون ہو۔ میں نے گھبرا کر جواب دیا۔ میں مہمان ہوں
عورت نے یہ لفظ سنتے ہی کہا۔ آؤ ہمارے سر پر اور آنکھوں پر۔ یہ کہکر وہ دوڑتی
ہوئی اپنی بیگم کے پاس گئی۔ اور بیگم نے پردہ کے اندر سے پیغام بھیجا کہ آپ سامنے
والے کمرہ میں ٹھہر جائیں۔ ہمارے مرد اس وقت موجود نہیں ہیں اس واسطے ہم آپکی
زیادہ خاطر تو نہیں کر سکتے۔ مگر ہماری بڑی عزت ہوگی اگر آپ اس کمرہ میں ٹھہریں
اور کچھ کھا کر یہاں سے جائیں۔

ان دو مثالوں سے اسلام کی تعلیم اور غیر اسلام مذاہب کی تعلیم کا فرق
آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

ہندوستان میں طاعون اور وبائی بخار کے زمانہ میں عام طور سے دیکھا گیا کہ
جیسی ہمدردی مسلمانوں کو مسلمانوں سے تھی۔ اور جیسے بے خوف ہو کر وہ اپنے
مسلمان بھائیوں کی مدد کرتے تھے۔ ایسا کسی قوم سے ظاہر نہیں ہوا۔ ہزاروں
لاکھوں مثالیں مسلمانوں کی ہمدردی کی پیش آئی تھیں۔ میں ان میں سے دو مثالیں
لکھنی چاہتا ہوں۔

ایک پلیگ کے ایام کی ہے۔ دوسری انفلوئنزا کے زمانہ کی۔

طاعون کی مثال

پنجاب کے ایک شہر میں کوئی ہندو خاندان رہتا تھا۔ سب گھر والے طاعون میں
مبتلا ہو کر مر گئے۔ صرف ایک عورت باقی رہ گئی جو کم عمر تھی یعنے سولہ برس کا سن
اسکا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ شوہر بھی مر گیا ساس سسرے بھی مر گئے اور کوئی
وارث اور سر دھرا گھر میں نہ رہا تو تنہائی میں یہاں رہنا مناسب نہیں وہ یہ خیال
کر رہی تھی کہ خود اسکو بھی بخار چڑھ آیا اور گلٹی طاعون کی نکل آئی۔ اب تو اسکو موت

کا یقین ہو گیا مگر کسی ہندو نے اسکی خبر نہ لی۔ بلکہ سب شہر اور محلہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تو وہ عورت اسی بخار کی حالت میں گھر سے نکلی اور قریب کے ایک گاؤں میں گئی جہاں اس کی ماں رہتی تھی۔

اس کی ماں کو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ بیٹی کے سسرال والے طاعون میں ہلاک ہو گئے ہیں۔ اور بیٹی بھی اسی مرض میں مبتلا ہے۔ اس لئے جب اس کی بیٹی دروازہ پر آئی تو ماں نے کواڑ بند کر لئے۔ اور کہا تو واپس جا یہاں نہ آ۔ ورنہ ہم سب بھی مر جائیں گے۔

یہ عورت سگی ماں کے اس برتاؤ سے حیران رہ گئی اور عاجزی سے کہا میں کہاں جاؤں بخار سے میرا بڑا حال ہے۔ مگر سنگدل ماں کو ذرا بھی رحم نہ آیا۔ اور اس نے کواڑ نہ کھولے۔

آخر وہ بے کس عورت مایوس ہو کر اسی گاؤں کی کرڑی پر (جہاں کوڑا اور غلاظت جمع کی جاتی ہے) آئی اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ وہاں کوئی مسلمان نوجوان جا رہا تھا اس نے جو یہ حالت دیکھی تو اپنی ماں کے پاس جا کر اسکا حال بیان کیا۔ وہ عورت دوڑی ہوئی کرڑی پہ آئی اور اس مریضہ کو ہوشیار کر کے اسکا حال پوچھا۔ اور جب اس کو مذکورہ لاوارثی و بے چارگی کو معلوم کیا تو اسکو اٹھا کر اپنے گھر لے گئی۔ اور اس کی بیماری سے کچھ بھی خوف نہ کیا۔ خدا کی قدرت سے جب اس مسلمان گھر نے مریضہ کا علاج کیا تو وہ اچھی ہو گئی۔ اور اچھے ہونے کے بعد اس نے کہا:۔

جس مذہب کے لوگوں میں انسان کی ایسی ہمدردی اور محبت ہے میں اسکو قبول کرنا چاہتی ہوں۔

چنانچہ وہ عورت مسلمان ہو گئی۔ اور اپنی تیمار دار عورت کے نوجوان لڑکے سے نکاح بھی کر لیا۔

جب نکاح ہوگیا تو لڑکی کے والدین کو خبر ہوئی اور انہوں نے مسلمان خاندان پر دعویٰ کر دیا۔ مقدمہ کی پیشی ہوئی تو یہ مریضہ عورت خود عدالت میں گئی۔ اور اظہار میں اپنی ساری کیفیت بیان کر کے کہا۔ میں مسلمانوں کو اور انکے دین کو دل سے پسند کرتی ہوں۔ اور مرتے دم تک ان والدین کو دیکھنا نہیں چاہتی جن میں ذرا بھی رحم اور ہمدردی نہیں ہے۔

عدالت کے انگریز افسر نے دعویٰ خارج کر دیا۔ اور حسب ذیل الفاظ فیصلہ میں لکھے۔

ہمارے خیال میں مدعی کو ایک بالغہ و خود مختار عورت کے اس مقام سے واپس لینے کا کچھ بھی حق نہیں ہے جہاں وہ خوشی سے رہنا چاہتی ہے۔

اس عورت نے جو قصہ بیان کیا ہے وہ ایسا دردناک ہے کہ ہم مدعی کو قابل سزا کے سمجھتے اگر قانون اس کی اجازت دیتا۔

عدالت کا کوئی مذہب نہیں ہے مگر وہ مجبور ہے اس واقعہ کی روداد کو دیکھکر یہ لکھنے میں کہ اسلام نے نوع انسان کی ہمدردی اور خدمت بنی آدم کا جو بے خوف اثر مسلمانوں میں پیدا کیا ہے اور جس کی عملی مثال اس مقدمہ میں موجود ہے وہ اس قابل ہے کہ ہم ہر شخص کو رغبت دلائیں کہ وہ مسلمان ہو جائے کہ اس سے بہتر کوئی مذہب نہیں ہو سکتا جو کسی سے نہیں ڈرتا۔ اور غیروں کے کام آتا ہے۔

اس واقعہ اور مقدمہ اور یورپین جج کے فیصلہ کا چرچا سنہ ۱۹ء میں سارے پنجاب کے اخباروں میں ہو چکا ہے۔

انفلوئنزا کی مثال

سنہ ۱۹۱۸ء کے آخر میں وبائی نزلہ کے بخار نے قیامت ڈھا رکھی تھی۔ لاکھوں آدمی اس خوفناک بیماری میں مر گئے۔ اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک ہندو طالب علم دہلی میں پڑھتا تھا اور کرنال میں اسکا گھر تھا۔ اس نے کرایہ کا ایک مکان لے رکھا تھا۔ جہاں اور بھی چند ہندو طالب علم رہتے تھے۔ بیماری کا حملہ ایکا ایکی ہوا اور سب طلبہ بیمار ہو گئے۔ اور دو موتیں بھی ہو گئیں موتوں کے ہوتے ہی سب لوگ مکان سے بھاگ گئے۔ اور کرنال والے طالب علم کو اکیلا چھوڑ دیا۔ وہ بچارا دو رات اور ایک دن اکیلا پڑا رہا جہاں کسی نے اسکو پانی بھی نہ پلایا۔ حالانکہ محلہ ہندوؤں کا تھا۔ آخر اس محلہ کے کسی مسلمان نے یہ خبر سنی تو وہ اس کے پاس آیا۔ اور ساری رات اس کی خدمت کرتا رہا۔ اسکو دوا پلائی۔ کھانا لایا تو کہا کہ میں مسلمان ہوں طالب علم نے کہا میں بھی تمہارا مذہب قبول کرتا ہوں۔ لاؤ مجھے یہ کھانا کھلاؤ۔

چوتھے دن جب اس کی حالت غیر ہوئی تو وہ مسلمان محلہ کے چند ہندوؤں کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ فلاں ہندو مرتا ہے تم اس کے پاس چلو مگر ایک ہندو بھی نہ آیا آخر وہ مسلمان بیمار کے سرہانے آکر بیٹھ گیا۔ مریض نے کہا گواہ رہو میں تمہارا دین قبول کرتا ہوں اگر میں مر جاؤں تو اپنے مذہب کی موافق قبر میں دفن کرنا رات کے دس بجے کرنال سے کوئی رشتہ دار اس بیمار کا آیا۔ تو اس مریض نے اس سے بھی کہا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب تم میری لاش کو ہاتھ نہ لگانا وہ شخص یہ سنکر خفا ہو گیا۔ اور بیمار کو چھوڑ کر پھر کرنال چلا گیا آدھی رات کو یہ لڑکا مر گیا مرتے وقت اس نے کہا۔

میری خدمت اور تیمارداری ایسی ہوئی ہے کہ گھر میں بھی نہ ہو سکتی میں خوش ہوں کہ اسلام پر میرا خاتمہ ہوا یہ بہت اچھا مذہب ہے اور اسکی

محبت نے سب مجھے اپنا کر لیا ✽

یہ کہکر وہ مرگیا۔ اس وقت مسلمانوں کو اطلاع ہوئی اور وہ جمع ہو کر آگئے۔ اور رات ہی کو اسکا جنازہ قبرستان لے گئے۔ موتوں کی گرم بازاری تھی گورکن دستیاب نہ ہوتے تھے اس لیے بڑے بڑے درجہ کے مسلمانوں نے اپنے ہاتھ سے اس کی قبر کھودی اور اپنے غریب بھائی مسافر کو دفن کیا ✽

قصہ مختصر اسلام کی یہ ہمدردی اور برابری اور آپس کی محبت اس قابل ہے کہ دوسرے آدمیوں کو اس مذہب کی دعوت دینی ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ وہ بھی انسانیت کے ان اصلی جوہروں اور کمالات کو حاصل کریں ✽

اسلام کی دعوت کرنے میں مسلمانوں کی ذاتی غرض کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ تو محض یہ چاہتے ہیں کہ ہماری طرح دنیا کے سب آدمی مساوی درجہ اور برابر کے حقوق کے ہو جائیں۔ کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کے غیر مسلم مذاہب میں یورپ امریکہ کی طرح انسانی مساوات کا نشان نہیں پایا جاتا۔ برہمن۔ چھتری۔ ویش۔ شودر کی ذاتوں کا فرق مسلمانوں میں نہیں ہے۔ مسلمانوں کے مذہب میں یہ نہیں ہے کہ خدا کے علم کو برہمن کے سوا کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ اسلام نے تعلیم دی ہے کہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔ خواہ وہ مسلمان اعلیٰ درجہ کا ہو خواہ ادنے درجہ کا ✽

ہندوستان کے غیر مسلم مذہب والوں میں یہ تفریق ہے کہ ان میں جو اعلیٰ ذات کے ہیں وہ ادنے ذات کے سایہ سے بھی بچتے ہیں۔ نہ کھانے میں شریک۔ نہ پینے میں شریک نہ رہنے سہنے میں شریک۔ یہانتک کہ عبادت کے مندر بھی اونچی ذات کے الگ اور نیچی ذات کے الگ ہیں۔ اور منوجی کے دھرم شاستر میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی غیر برہمن آدمی گائتری منتر ہندوؤں کا کلمہ مقدس سیکھ لے یا پڑھ لے تو سونا گرم

کر کے اس کے حلق میں ڈالنا چاہیے۔ گنگا جی میں کمین اور نیچ ذات کے ہندوؤں کو نہانے کی اجازت نہیں ہے۔ اعلیٰ ذات کے کنوئیں سے ادنےٰ ذات کے ہندو پانی نہیں بھر سکتے ۔

ان تمام حالتوں کو دیکھکر محض غریبوں اور کمزور انسانوں کی ہمدردی کے تقاضہ سے اسلام چاہتا ہے کہ اپنی دعوت سب لوگوں میں پیش کرے۔ اور انکو اپنے اندر لے۔ تاکہ ان سب کو برابری کے حقوق مل جائیں۔

دوسری وجہ اسلام کی دعوت کی یہ ہے کہ یہ ایک عملی مذہب ہے۔ دنیا کے سب مذاہب میں طرح طرح کی خوبیاں ہیں مگر اسلام کی سی عملی خوبی کسی میں نہیں ہے یعنے اسلام نے ایسی کوئی بات مسلمانوں کو نہیں سکھائی جس پر عمل نہ ہو سکتا ہو یا وہ قانون قدرت کے عمل کے خلاف ہو۔ بلکہ اس کا ہر حکم ایسا آسان سیدھا اور ہر ملک و قوم کی عادت کے موافق ہے کہ بلا کسی دشواری و دقت کے اس پر عمل ہو سکتا ہے ۔

ایک پہلو تو یہ ہے۔ اور دوسرا عملی پہلو یہ ہے کہ اسلام انسان کو عملی بنانے آیا ہے یعنے وہ سراسر عمل سکھاتا ہے۔ اور بے عملی سے مسلمانوں کو روکتا ہے سارا قرآن عمل کرنے کے احکام سے بھرا ہوا ہے بلکہ قرآن اسی واسطے نازل ہوا ہے کہ کسی آدمی کو دنیا میں نکما نہ رہنے دے اور سب کو کامی بنادے۔

قرآن شروع سے آخر تک آدمیوں کو کرم و عمل کی بھگتی سکھاتا ہے اور اس میں کرم اور عمل کی ہر جگہ نئے نئے طریقوں سے تاکید پائی جاتی ہے اور وہ اتنی زیادہ ہے کہ ہر شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ قرآن آدمیوں کو کرم اور عمل کا بھگت بنانے آیا ہے۔ قرآن نے سب سے پہلے علم اور دنیا کا کرم بتایا ہے یعنے قرآن کی سب سے پہلی جو سورت حضرت محمد رسول اللہ پر نازل ہوئی اس میں پہلا لفظ اقرأ ہے جس کے

معنی یہ ہیں کہ تجھ پر علم حاصل کرنا واجب ہے قرآن کی اس سب سے پہلی سورت میں علم کی اور قلم کی لینے لکھنے اور پڑھنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے علم حاصل کرنے کے عمل کو تمام کرموں اور اعمال پر مقدم رکھا ہے کیونکہ کسی کرم کی مکتی علم کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی +

اس سورت کے بعد قرآن کی جو سورت نازل ہوئی اس میں چھ عمل بتائے گئے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں +

قُمْ۔ فَأَنذِرْ۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ پارہ ۲۹۔ سورہ مدثر +

جس کے معنی یہ ہیں۔ کھڑا ہو (گناہوں کی خرابی سے) لوگوں کو ڈرا۔ اور اپنے خدا کی بڑائی بیان کر۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک کر۔ اور سب گندی چیزوں سے الگ ہو جا کوئی احسان بڑا جان کر نہ کر۔ اور اپنے خدا کی خاطر مشکلات میں صبر کر +

علم حاصل کرنے کے حکم کے بعد قرآن نے جو سب سے پہلا حکم دیا وہ یہی ہے کہ اپدیش اور دعوت کا فرض ادا کر۔ اور کھڑا ہو کر آدمیوں کو گناہوں کے خراب نتیجے سے ڈرا۔ دوسرے لفظوں میں اسکا مطلب یوں ادا ہو سکتا ہے کہ پہلے حکم کی بموجب جو علم تو نے حاصل کیا تھا اسکو اس دوسرے حکم کی موجب دنیا کے سامنے پیش کر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے دعوت واجب قرار دی ہے اور خدا کی بڑائی کا لوگوں کو یقین دلا۔ اور یہ کرم اور عمل اصلی مکتی کی نشان جب حاصل کریگا کہ تیرا اپنا لباس پاک صاف ہو اور تو خود ہی تمام ناپاک چیزوں سے بچتا رہے اور آگے بڑھ کر یہ بھی حکم دیا کہ اگرچہ تیرے اس عمل سے آدمیوں پر احسان ہوگا مگر تو خود احسان رکھنے کی نیت نہ کیجیو بغیر خواہش معاوضہ کے یہ احسان کیجیو

پر کر۔ اس کے بعد آخری حکم میں اشارہ کیا کہ اگر اس عمل کے پورا کرنے میں تجکو مشکلات اور تکلیفوں کا سامنا ہو تو اپنے خدا کی خاطر ان پر صبر کر۔ یعنے ان دشواریوں اور مشکلوں کی پرواہ نہ کر۔ تو خدا کی نوکری ادا کر رہا ہے اس لئے اسی کی خاطر ان تکلیفوں کو برداشت کر۔ اور اس کرم کی بجاآوری میں مصروف رہ*

عمل میں صبر اور ضبط کی قرآن نے جگہ جگہ تاکید کی ہے اور عبادت و گرہست خانہ داری کے جتنے اعمال بتاتے ہیں انکی حالت ایسی رکھی ہے کہ انسان خود بخود صبر اور ضبط کا عادی ہو جائے اور مشکلات کی اسکو کچھ بھی پرواہ نہ ہو۔

قرآن نے ایک چھوٹی سی سورت میں کامیاب انسان کی اس طرح تصویر کھینچی ہے۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ زمانہ کی قسم (سب) آدمی گھاٹے اور نقصان میں ہیں۔ مگر وہ لوگ (کامیاب اور فائدہ میں ہیں) جو ایمان لائے۔ اور اچھے عمل کئے۔ اور دوسروں کو (سچ اور) حق کی نصیحت کی اور دوسروں کو صبر (وضبط) کی تلقین کرتے رہے*

یہاں بھی قرآن نے دعوت کا عمل بتانے میں ظاہر کیا کہ اس عمل میں مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اور حق بات دوسروں کو کڑوی معلوم ہوتی ہے اس لئے اس نے صبر کی تلقین کو ایک مستقل عمل کی حیثیت میں جدا کر کے قائم کر دیا*

صبر اور ضبط کی قوت پیدا کرنے کی ایک صورت قرآن نے اور بتائی ہے اور اس عمل کے لئے دوسرے اعمال کو ضبط اور صبر حاصل ہونے کا علاج قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ

حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۔ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۔ وَالَّذِينَ
هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۔ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۔ وَالَّذِينَ هُمْ
لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۔ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ
مَلُومِينَ ۔ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۔ وَالَّذِينَ هُمْ
لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۔ وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ۔
وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۔ پارہ ۲۹ ۔ سورہ معارج ۔

انسان کچ دلا پیدا ہوا ہے۔ جب اسکو کسی بُرائی سے سابقہ پڑتا ہے تو گھبرا جاتا ہے۔ اور جب کوئی اچھائی ہاتھ آجاتی ہے تو بخیل و کنجوس بن جاتا ہے یعنی اس کے دل میں بھلائی سے اصلی فائدہ اُٹھانے اور برائی پر صبر و ضبط کرنے کی قوت نہیں ہوتی مگر جب وہ یہ اعمال کرتا ہے تو اس کے دل کی یہ کمزوری جاتی رہتی ہے۔ اور ان اعمال کی تفصیل قرآن نے یوں بیان کی کہ ہر انسان کا دل کچا ہے) مگر نماز پڑھنے والوں کا جو ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں۔ اور ان لوگوں کا جو اپنے مال و دولت میں (محتاج) مانگنے والے اور حاجتمند محروم کا حصہ مقرر کرتے ہیں۔ اور جو قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔ اور جو اپنے خدا کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ انکے خدا کے عذاب کی کچھ پناہ نہیں ہے۔ اور جو خواہش نفسانی کی حفاظت کرتے ہیں (اور اسکو فضول خرچ نہیں کرتے) مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر کیونکہ اس میں انپر کچھ ملامت نہیں ہے۔ البتہ جو انکے سوا کسی غیر جگہ اس خواہش کو خرچ کرتے ہیں (ان پر) حد سے گزرنے اور بڑھنے کا (الزام عائد ہوتا ہے) اور (دل پختہ ہو جاتا ہے انکا) جو اپنے پاس کی امانتوں اور اپنے کئے ہوئے عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔ اور جو اپنی گواہیوں پر (صدق دل سے) قائم رہتے ہیں

اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں +

اس آیت میں قرآن نے قوت ارادی کی مضبوطی ہمیشہ نماز پڑھنے۔ اور اپنے مال میں غریبوں کا حصہ مقرر کرنے۔ اور قیامت پر یقین رکھنے۔ اور خدا کی سزا سے ڈرنے اور خواہش نفسانی کو نا جائز باتوں میں دبانے اور امانت داری اور عہد کی پختگی اور گواہی کی استواری اور نمازوں کی حفاظت میں بتائی ہے +

یہ کل نو عمل ہیں۔ ان میں چار خدا نے اپنی ذات سے تعلق رکھنے والی باتیں فرمائی ہیں۔ اور پانچ وہ ہیں جنکا تعلق دنیا اور خانہ داری کی زندگی سے ہے +

چار عمل جو خدا کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں ان میں دو تو نماز کے متعلق ہیں۔ ایک میں نماز کی پابندی کا اشارہ ہے۔ اور دوسرے میں نماز کی حفاظت یعنے نجاست کی آلودگی سے بچانے اور دل کی حضوری سے ادا کرنے کا حکم ہے۔ اور باقی دو عمل عقیدہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک تو اس کا یقین سکھاتا ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی ہے۔ اور ایک خدا کی سزا سے ڈراتا ہے +

اور وہ پانچ عمل جنکا تعلق آدمی کی خانہ داری سے ہے سب کے سب ایسے ہیں جنکو ہر عقلمند تسلیم کرے گا کہ ان سے انسان کی قوت ارادی مضبوط ہوتی ہے اور وہ دنیا کی زندگی میں عملی اور کام کا آدمی بنجاتا ہے۔

قرآن شروع سے آخر تک آدمی کی نیچر کو ایسا سبق پڑھاتا ہے کہ اسکا ہر حصہ عملی بنجاتا ہے اور دنیا و دین کا کوئی کام خیالی دنیا تو لی نہیں رہتا ہے +

قرآن کا طرز تعلیم ایسا عجیب و غریب ہے کہ انسان میں عمل کی محبت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کی عقلی قوتوں میں آپ ہی آپ عمل کا رنگ چڑھتا جاتا ہے +

قرآن نے دماغ کو خوش کرنے والے اور بے نتیجہ اور بے عمل فلسفیانہ لطیفے کہیں بیان نہیں کئے۔ بلکہ اس نے انسان کی سرشت اور اس کی قدرتی بناوٹ اور نیچر کی

حالات کی مطابق اعمال کو اس کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور پیش کرنے کا طریقہ ایسا رکھا ہے کہ جب انسان انپر عمل کرتا ہے تو اسکو وہی ذہنی اور دماغی مسرت حاصل ہوتی ہے جو بعض اوقات خیالی فلسفہ پر بحث کرنے سے علمی دماغ حاصل کیا کرتے ہیں۔ مگر قرآن نے ظاہر کر دیا کہ وہ کوئی ایسی بات انسان کے آگے نہیں رکھتا جو صرف عارضی طور سے اس کے دماغی قویٰ کو خوش کر دے۔ اور عملی حالت میں اسکا ظہور ناممکن ہو۔ قرآن کو وہ بات بالکل ناپسند ہے جس پر انسانی قوت عمل نہ کر سکے۔ کیونکہ وہ ساری دنیا کو عمل سکھانے اور عملی بنانے کا دعویٰ دار ہے اور اسکو بے عمل یا ناقابل عمل باتوں سے اس قدر نفرت ہے کہ زندگی اور علمی حصہ کی ایک پرانی اور شاندار چیز شاعری کو اس نے ایسے الفاظ میں یاد کیا جس سے شاعری کی تعریف ثابت نہیں ہوتی۔ اور وہیں وہ وجہ بھی اس نے بتا دی کہ شاعری اس لیے ناپسند ہے کہ شاعر جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں +

قرآن شاعری کا مخالف نہیں ہے۔ قرآن ادبی اور لٹریری خوبیوں کا شدت سے طرفدار ہے۔ قرآن میں ایک مستقل سورت یعنے ایک پورا باب شاعروں کے لئے مخصوص ہے۔ مگر اس نے اس عیب کو کھول کر بیان کر دیا کہ قرآن کو وہ شاعر پسند نہیں ہے جس کے قول اور عمل میں فرق ہے۔ اور جو کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں +

چنانچہ شعرا کی نسبت قرآن کے الفاظ یہ ہیں۔ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور شاعر لوگ جن کی پیروی بے بہرہ لوگ کرتے ہیں کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ (شعرا خیال کی) ہر گہرائی میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جنکو کرتے نہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرنے لگے +

قرآن نے شاعروں کے بے عمل ہونے کا عیب بیان کرکے اسکو صفائی

سے بیان کر دیا کہ جو شاعر ایمان لائے اور اچھے عمل کئے وہ اس عیب سے پاک ہیں تاکہ نفس شاعری اس الزام سے پاک ہو جائے۔ کیونکہ قرآن شاعری کا مخالف نہیں ہے بلکہ بے عملی سے اسکو مخالفت ہے۔ اس واسطے اس نے دوبارہ عمل کرنے والے شاعروں کو بے عمل شعرا سے الگ کر کے دکھانا ضروری سمجھا،

پس جب قرآن ایسی تعلیم دیتا ہے جس سے آدمی اصلی انسان بن جائے تو مسلمانوں پر لازم ہوا کہ وہ ایسے اچھے مذہب کی دعوت غیر مسلموں میں بھی کریں۔ اور انکو عمل کی نعمت کا حصہ دار بنائیں۔ کیونکہ دنیا میں اور کسی مذہب کے اندر عمل کی ایسی خوبیاں نہیں ہیں ؛

کسی مذہب میں عبادت اتنی مشکل ہے کہ انسان اس پر عمل نہیں کر سکتا۔ کسی مذہب میں خانہ داری کی ایسی دشواریاں ہیں جو انسان کی فطرتی عادت کے خلاف ہیں۔ اور ان پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ باتیں دل کو تو بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں مگر جب ان پر عمل کرنے کا ارادہ کیا جائے تو انسان حیران ہو جاتا ہے۔ اور کسی صورت سے وہ ان پر عمل نہیں کر سکتا۔ مگر اسلام میں یہ خوبی ہے کہ اس کی ہر بات عقل اور عمل کے موافق ہے لہٰذا اسلام نے محض آدمیوں کی آسانی اور آرام کی زندگی بسر کرنے کے لئے حکم دیا ہے کہ غیر مسلم لوگوں کو میرا پیام پہنچاؤ تاکہ وہ بھی میری خوبیوں سے فائدہ اٹھائیں۔ پس اسلام کی دعوت محض دوسروں کو نفع پہنچانے کے لئے ہے ذاتی غرض مسلمانوں کی اس میں کچھ بھی نہیں ہے ؛

تیسری وجہ اسلام کی دعوت کی یہ ہے کہ اس مذہب میں روحانی لذت بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ خالص توحید کا دین ہے۔ اور جو مذہب ایک خدا کی تعلیم دیتا ہے اس کے پیرو روحانیت کے اصلی مزے کو جلد ہی اور بہت زیادہ مقدار میں حاصل کر لیتے ہیں۔ کئی خداؤں کے ماننے والے دل کو یکسو اور ایک مرکز پر جمع نہیں کر

کے سبب اس روحانی سرور سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا جو ایک خدا کے ماننے والے کو نصیب ہوتا ہے۔

لہٰذا اسلام کی دعوت محض اس واسطے ہے کہ سب آدمی روحانی لذت حاصل کریں اور انکو معبود کا ایک نکتہ ایسا مل جائے جس پر انکے خیالات جمع ہو جائیں اور جگہ جگہ بھٹکنے کی ضرورت انکو نہ رہے۔

اس میں مسلمانوں کی ذاتی غرض کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ دوسروں ہی کا فائدہ ہے۔

اسی قسم کی صدہا وجوہات ہیں مگر میں سب کو تفصیل وار بیان کروں تو مطلب اصلی فوت ہو جائیگا مجھے ان وجوہات بیان کرنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ آجکل مذاہب کی دعوت پولٹیکل اور سیاسی مصلحتوں کی بنا پر کی جاتی ہے یعنے اپنی قوم کی گنتی بڑھانے اور بڑی قوم بنکر ملکوں پر قبضہ کرنے یا اپنے فاتح لوگوں سے زیادہ حق طلب کرنے کو مذہب کی اشاعت کی جاتی ہے۔ اس لئے وہ لوگ طرح طرح کے مکروفریب اور چال بازیوں سے لوگوں کو اپنے مذہب میں شریک کرتے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اس کتاب کے پڑھنے والے اسلام کی دعوت کو اس بات سے پاک سمجھیں کیونکہ اسلام کی نیت ان باتوں سے بالکل مبرا ہے۔ اور اس کی ذاتی یا سیاسی غرض اشاعت اسلام اور دعوت اسلام سے کچھ بھی نہیں ہے بلکہ وہ تو صرف دوسروں کی بھلائی اور بہتری کے لئے اپنی دعوت کا حکم دیتا ہے۔ اور بھلائی و بہتری کی باتیں یہی ہیں جو ابھی مینے بیان کیں۔

اسلام کی دعوت اول دن سے آجتک ذاتی مطالب و اغراض سے پاک رہی ہے۔ اور اس کی نیت ہمیشہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی تھی۔ اور اب بھی اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر مینے یہ کتاب لکھی ہے۔

پہلا باب

حضرت فاطمہ رضؓ کے والد کی دعوت اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید کے بعد اب اصل کتاب شروع کی جاتی ہے۔ میں نے تمام داعیان اسلام میں صرف بنی فاطمہ کے دعوتی کاموں کو ایک جگہ مہیا کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس واسطے میں اسلام کے سب سے بڑے اور سب سے پہلے داعی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دعوت اسلام لکھنے چاہتا ہوں۔ گو آنحضرت صلعم بنی فاطمہ میں نہ تھے۔ مگر حضرت فاطمہ کے والد ضرور تھے اس واسطے ان کا ذکر میری کتاب کے مقصد سے باہر نہیں سمجھا جائے گا۔ کہ بنی فاطمہ کی اصل بنیاد انہی کی مبارک ذات ہے۔

حضرت فاطمہ کے والد کی باعتبار بانی اسلام اور رسول الکل ہونے کے ہزاروں حیثیتیں ہیں۔ کہیں وہ ایک مدبر اعظم کی شان میں پیش کئے جاتے ہیں کہیں سپہ لار اکبر کی حیثیت ان کی دکھائی جاتی ہے۔ کہیں مقنن اتم اور کہیں لیڈر اور سوشل ریفارمر کی پوزیشن میں انکی کامل اور برگزیدہ سیرت لکھی جاتی ہے۔

مگر میں نے صرف انکی زندگی سے دعوت اسلام کے حصہ کو جدا کر کے لکھنا چاہ

اور اسی کو میری کتاب کے مقصد سے تعلق ہے۔

جہاں آنحضرت صلعم کی سیرت مسلمانوں اور غیر مسلمان انسانوں کے لئے ایک نمونہ اور مثال ہے جس کی تقلید اور پیروی سے ہر آدمی کی زندگی خواہ وہ مسلمان ہو یا نہو مکمل زندگی اور کامیاب زندگی بن سکتی ہے وہاں انکی داعی اسلام ہونے کی حیثیت بھی اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اگر وہ دعوت اسلام میں اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں تو سب مثالوں سے زیادہ کام دیگی۔

آنحضرتؐ کی دعوت پر ایک انگریز کی رائے

میں چونکہ مسلمان ہوں اس واسطے کہا جاسکتا تھا کہ میںنے شاید طرف داری کی ہوگی۔ لہٰذا ایک مشہور عالم فاضل انگریز کی تحریر آنحضرتؐ کی دعوت اسلام کے بارہ میں یہاں نقل کی جاتی ہے جس سے پوری تفصیل اور صاف تصویر آنحضرتؐ کے داعی اسلام ہونے کی نظر آجائے گی۔

یہ انگریز جس کی عبارت یہاں نقل کی گئی ہے بہت نامور اور آجکل زندہ موجود ہیں۔ ان کا نام مسٹر آرنلڈ ہے۔ اور انہوں نے ایک کتاب پریچنگ آف اسلام لکھی ہے۔ اس کتاب کے ایک حصہ سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے جو آگے جاکر ناظرین کے ملاحظہ سے گزرے گا۔

آنحضرتؐ کی دعوت اسلام سے سبق

مسٹر آرنلڈ کی عبارت پر جو لوگ گہرائی سے غور کریں گے انکو تو خود معلوم ہوجائے گا کہ آنحضرتؐ کی دعوت اسلام دوسرے داعیان اسلام کو کیا کیا سبق دیتی ہے۔ مگر سرسری نظر سے پڑھنے والوں کو میں بتانا چاہتا ہوں کہ آنحضرتؐ کی دعوت اسلام سے مسلمانوں کو کیا یہ سبق لینے چاہئیں۔

ذاتی یقین

جو لوگ اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام کرنا چاہیں تو پہلے خود انکو اپنے دعوی پر خوب پکا یقین ہونا چاہئے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کی کامیابی کا یہی راز تھا کہ وہ جس عقیدہ کو دوسروں کے سامنے پیش کرتے تھے انکو اتنا یقین تھا کہ کوئی طاقت اور کوئی دلیل اس ذاتی یقین کو بدل نہ سکتی تھی۔ اور آنحضرتؐ کے دشمنوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ گو وہ (نعوذ باللہ) سچے رسول نہ تھے مگر خود انکو یہی یقین تھا کہ میں سچا نبی ہوں۔ یعنے وہ اپنے ضمیر کے سامنے سچے ضرور تھے اور جو دعوی کرتے تھے اسپر انکو پکا یقین تھا۔

ذاتی یقین ایک بڑی قوت ہے۔ جو دنیا کی ہر قوت پر غالب آسکتی ہے۔ جو لوگ کسی بات کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور خود ان کا دل ڈوکھڑ پکڑ میں رہتا ہے یعنے جو بات پیش کرتے ہیں اس کی سچائی پر ان کا اپنا دل ایمان نہیں رکھتا مگر کسی غرض یا وجہ سے سخن پروری کرتے ہیں۔ اور بناوٹی دلیلوں یا اور ترغیبات سے اسکو منوانا چاہتے ہیں وہ بہت کم کامیاب ہوتے ہیں۔

اکثر عیسائی مشنری اس وجہ سے اپنے مشن کا اثر عمدگی سے نہیں پھیلا سکتے کہ خود انکو عیسائی مذہب پر یقین نہیں ہوتا۔ اور آجکل تو پالیٹکس کا یہ ہنر سمجھا جاتا ہے کہ جس بات کا انسان کے دل اور ضمیر میں نام و نشان نہ ہو اسکو دوسروں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص مسجد یا مندر کی اپنے دل میں کچھہ قدر و قیمت نہیں رکھتا اور انکو بیکار مکان سمجھتا ہے مگر پولیٹیکل فائدہ حاصل کرنے کے لئے وہ مسجد و مندر کی دھواں دھار حمایت کرتا ہے تاکہ مسجد و مندر کے معتقد اسکو اپنا لیڈر بنالیں اور اسکو بڑا مذہبی آدمی سمجھیں۔

ایسے جھوٹے اور سراپا مکر پالٹیکس کا اثر عارضی ہوتا ہے اور اسکی قلعی چند روز میں اتر جاتی ہے۔

آنحضرت صلعم جس بات کو پیش کرتے تھے اس میں فرقہ بندی یا دنیا کی لیڈری کی ہوس نہ تھی اور لیڈری کے لئے یہ فرضی بہروپ نہیں بھرا گیا تھا بلکہ خود آنحضرت صلعم کی ذات کو یقین تھا کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اور یہی ذاتی یقین ان کی دعوت اسلام کی عظیم کامیابی کا سبب ہوا۔

استقلال دوسرا سبق آنحضرتؐ کی دعوتِ اسلام میں ان کا استقلال تھا۔ کہ لگاتار تین سال کی جدوجہد اور وعظ و نصیحت کے صرف پچاس آدمی ان پر ایمان لائے۔ مگر وہ اس سے مایوس نہ ہوئے اور برابر کام کرتے رہے اگر تکلیفوں اور مصیبتوں سے گھبرا کر کام چھوڑ دیتے جیسا کہ غیر مستقل مزاج کیا کرتے ہیں تو آج دنیا میں چالیس کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کی صورت نظر نہ آتی۔

آنحضرتؐ کے استقلال نے مفلسی کا مقابلہ کیا۔ گھر کے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ جسمانی و روحانی اذیتیں برداشت کیں۔ مگر ذرا نہ گھبرائے اور ایک لحہ کو اپنا کام نہ چھوڑا۔ یہی چیز تھی جس نے آخر انکو کامیاب کیا۔ اور انکی دعوت کے سامنے سارا عرب جھک گیا۔ اور عرب کے بعد کل دنیا انکے قدموں کے نیچے آگئی۔

خاندانی مشکلات دعوت اسلام میں آنحضرتؐ کو ذاتی مشکلات سے زیادہ خاندانی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک آدمی اس کو برداشت کر سکتا ہے کہ اس کے جسم کو تکلیف پہنچائی جائے۔ اُسے کھانے کو نہ ملے۔ اسکو مارا جائے۔ اسکو لعن طعن اور گالیوں کی اذیت ہو۔ مگر اس بات کا سہار لینا ناممکن ہوتا ہے کہ سارا کنبہ اور خاندان ایک آدمی کی بدولت بلاؤں میں پھنس جائے۔ اور پھر بھی وہ اپنے خیال پر قائم رہے۔

آنحضرتؐ کے کنبہ بنی ہاشم کو جس میں بہت سے عورتیں مرد اور بچے شامل تھے۔ اور جن میں بہت تھوڑے ایسے تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کی دعوت کو قبول

بچا تھا۔ باقی سب بت پرست تھے۔ مگر آنحضرتؐ کے دشمنوں نے آپ کے تمام خاندان بنی ہاشم کو بائکاٹ کر دیا۔ ان سے شادی بیاہ کا تعلق قطع ہوگیا۔ لینا دینا خریدنا بیچنا بند کر دیا گیا۔ اور یہ سارا کنبہ برادری سے خارج ہو کر تین برس تک شہر کے ایک کونہ میں بے یار و مددگار پڑا مصیبتیں جھیلتا رہا۔ مگر آنحضرتؐ نے اپنے بزرگوں اور اپنے بچوں اور اپنی عورتوں کی اس لگاتار تکلیف کی کچھ پروا نہ کی اور اپنے سچے دعوے کو ایک سکنڈ کے لئے نہ چھوڑا۔

یہ ہے سبق دعوت اسلام میں صبر و ضبط کا۔ کہ ذاتی تکلیف بھی اُٹھائی اور سارے خاندان کو بھی ایک دن نہیں دو دن نہیں پورے تین برس مُبتلائے آفات دیکھا مگر اپنی بات سے نہ ٹلے۔

بڑا کام چھوٹوں سے شروع ہوتا ہے

آنحضرتؐ کی دعوت اسلام میں یہ راز بہت زیادہ ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ انہوں نے اپنا کام غریبوں۔ غلاموں اور چھوٹے آدمیوں سے شروع کیا تھا۔ اور انکی دعوت کے قبول کرنے والے شروع میں یہی لوگ تھے۔

حضرت فاطمہؓ کی والدہ حضرت بی بی خدیجہؓ عورت ذات اور کمزور جنس میں تھیں جو سب سے پہلے ایمان لائیں۔ حضرت علیؓ کمسن لڑکے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ ایک معمولی حیثیت کے تاجر تھے مگر آنحضرتؐ نے ان سب کی ایسی دلداری کی کہ یہ سب آپ کے سچے فدا کار بن گئے۔ اپنے اوپر ایمان لانے والوں کے ساتھ وہ ایسی محبت کا برتاؤ کرتے تھے کہ کوئی باپ سگی اولاد سے بھی نہیں کر سکتا۔ وہ فوراً تالیف قلوب کے الفاظ و خطاب انکو دیتے تھے۔ اور سچی ہمدردی و دلسوزی سے پیش آتے تھے۔ انہوں نے حبشہ کے ایک نہایت معمولی غلام بلالؓ کو حبشہ کا پہلا ثمر کہا اور اپنا نہایت مقرب بنا لیا۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا خطاب

دیا۔ انہوں نے صہیبؓ کو یونان کا پہلا ثمر فرمایا۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو اپنا بھائی اور گوشت و خون فرمایا۔ انہوں نے اپنی بیوی کی یہ قدر فرمائی کہ انکی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کیا۔ حالانکہ بعد میں محض دعوت و تبلیغ اسلام کی خاطر انہوں نے کئی نکاح کئے تھے *

غرض یہ ہے کہ چھوٹوں اور غریبوں نے سب سے پہلے انکو قبول کیا۔ اور انہوں نے چھوٹوں کو بڑا۔ اور غریبوں کو مالدار بنا دیا پس جو شخص یہ چاہتا ہے کہ دعوت اسلام کا فرض پورا کرے تو وہ کبھی بڑے آدمیوں یا دولتمندوں کو نہ دیکھے بلکہ پہلے غریبوں اور چھوٹے آدمیوں کی طرف متوجہ ہو کہ ان میں اچھی بات کے قبول کرنے کا مادہ بہت زیادہ ہوا کرتا ہے *

ذاتی عمل داعی اسلام کے لئے ذاتی یقین کے ساتھ ہی ذاتی عمل کی بھی بڑی ضرورت ہے۔ یعنے وہ جو کچھ دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہو اسکو خود کر کے دکھائے۔ اور ایک لحہ کو ذاتی عمل سے غافل نہ ہے۔ آنحضرت ایسے داعی اسلام تھے کہ جو کہتے تھے وہی کرتے تھے۔ جو دوسروں کو بتاتے تھے وہی خود کر کے دکھاتے تھے۔ ذاتی عمل اپنے عقائد کی اشاعت کا بہت بڑا سبب ہوا کرتا ہے۔ وہ شخص کبھی ناکام نہ ہوگا جس کے قول اور عمل میں فرق نہ ہو *

مخالفوں سے خوش خلقی آنحضرتؐ کی دعوت اسلام کا ایک راز یہ تھا کہ وہ نہایت خوش خلق تھے۔ دشمنوں اور مخالفوں سے ایسی سچی محبت و نرمی سے پیش آتے تھے کہ وہ محض آپکے برتاؤ اور میل جول کے طرز کو دیکھکر مسلمان ہو جاتا تھا *

وہ کسی قوم کے رسم و رواج اور اس چیز کو برا نہ کہتے تھے جسکو وہ قوم مذہبی احترام کی نظر سے دیکھتی ہو۔ انکے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے

کبھی اپنے دشمنوں کی بُرائی نہیں چاہی اور کسی کے لئے بد دعا نہیں کی۔ اور جب فرمایا یہی فرمایا کہ خدا فلاں شخص یا فلاں قوم کو نیک ہدایت دے ۔

پس جو لوگ دعوت اسلام کا کام کرنا چاہیں انکو آنحضرت کے اس طرز عمل سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیئے ۔

اب میں پروفیسر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام کا وہ حصہ نقل کرتا ہوں جس میں آنحضرت کی دعوت اسلام کا ذکر ہے۔ اس مضمون کو خوب غور سے پڑھنا چاہیئے۔ اس میں علاوہ ان اشارات کے جنکا میں نے ذکر کیا اور بھی متعدد نکتے دعوت اسلام کے معلوم ہونگے اور ناظرین کو اسکا اندازہ ہو سکے گا کہ ایک غیر ملک و غیر مذہب کا آدمی مسلمانوں کے رسول کی نسبت کیا رائے دیتا ہے ۔

مسٹر آرنلڈ نے جو کچھ لکھا ہے اسکا بڑا حصہ یورپ کے دوسرے نامور عالموں کی تحریرات سے حاصل کیا گیا ہے جس کے حوالے حاشیہ پر دیدئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف مسٹر آرنلڈ بلکہ یورپ کے اکثر فاضل آنحضرت کی دعوت اسلام اور دعویٰ پیغمبری کی نسبت ایک یقین اور تائید کی حد تک پہنچے ہوئے تھے ۔

میں مسٹر آرنلڈ کی محنت و قابلیت کا شکریہ ادا کرنے کے بعد ان کی تحریر نقل کرتا ہوں ۔

پریچنگ آف اسلام کا اقتباس

جبکہ مدت کے اندرونی اضطراب اور بے چینی اور غار حرا میں شب و روز کے استغراق اور دعا کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر کار اپنی رسالت کا یقین ہو گیا اور وحی نے پاس و بیم کی حالت سے آپ کو بیدار کیا اور حکم دیا کہ آدمیوں

ہیں اس حق کی منادی کریں جو روز بروز آپ کے دل پر قوت کے ساتھ منکشف ہو رہا تھا تو آپ کی ابتدائی کوششیں اول اپنے ہی خاندان کے لوگوں کی طرف رجوع ہوئیں تاکہ نئے دین کے حق ہونے پر ان کو ترغیب و تحریص فرمادیں۔ خدا کی وحدانیت کا یقین اور بت پرستی سے نفرت اور انسان کا فرض کہ خالق کی مرضی پر توکل کرے یہ حقائق تھے جن کا آپ تسلیم ہونا چاہتے تھے۔ سب سے پہلے جس نے دعوت اسلام کو قبول کیا وہ رسول اللہ صلعم کی ثابت قدم اور رفیق بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں جن کو پندرہ برس ہوئے تھے کہ اپنے غریب رشتہ دار کے ساتھ جس نے مضاربت کے طریقہ پر ان کے مال کی اچھی تجارت کی تھی شادی کر چکیں تھیں اور یہ کلمے کہے تھے "اے میرے قرابتمند میں قرابت کے سبب سے جو ہم میں ہے اور تیری اس توقیر کے باعث جس سے لوگ تجھ کو دیکھتے ہیں اور تیری دیانت اور حسن سیرت اور صداقت کلام کے باعث تجھ سے الفت رکھتی ہوں" حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت افلاس سے نکالا اور اس قابل کیا کہ آپ اس درجہ اور مرتبہ سے رہیں جس کے سبب عالی نسب ہونے کے آپ مستحق تھے لیکن یہ باتیں اس فدائیت اور محبت برتنے کے مقابلہ میں جن سے حضرت خدیجہؓ اپنے شوہر کے ترددات کو بانٹ لیتی تھیں اور اس دل سوزی اور تقویت کے سامنے جن سے یاس و ناامیدی کی ساعت میں وہ آپ کی معاونت کرتی تھیں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں جبکہ ایک دفعہ ایک خواب دیکھنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مضطرب اور پریشان خدیجہؓ کے پاس تسلی کے لئے گئے تو انھوں نے آپ کی پریشان طبیعت کو اس طرح بحال کیا "خوف نہ کر کیونکہ تو خوشخبری لایا ہے۔ میں اب سے تجھ کو اپنی قوم کا رسول مانوں گی۔ خوش ہو۔ اللہ تجھ کو شرمندہ نہ کرے گا۔ کیا تو اپنے عزیزوں سے الفت نہ رکھتا تھا اپنے

ہمسایوں پر مہربان محتاجوں پر فیاض۔ کلام کا سچا۔ اور ہمیشہ حق کا حامی نہ تھا۔" اس طرح حضرت خدیجہؓ اپنی وفات تک جو تزوج کے پچیس برس بعد ۶۱۹ عیسوی میں ہوئی جب کبھی رسول اللہ صلعم دشمنوں کے ظلم سے ستائے گئے یا افکار سے پریشان ہوئے ہمیشہ ہمدردی کرنے تسلی و تقویت دینے کے لیے تیار اور مستعد رہیں۔ آنحضرت صلعم کے حالات زندگی کا لکھنے والا لکھتا ہے،" اس طرح حضرت خدیجہؓ اس سچائی پر ایمان رکھتی اور گواہی دیتی تھیں جو خدا کی طرف سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اس طرح خدا نے پسند کیا کہ اپنے رسول کے بوجھ کو کم کردے۔ کیونکہ انھوں نے کوئی بات قوم کے انکار کی جو انکے رنج کا سبب ہوئی ہو ایسی نہیں سنی جسکو حضرت خدیجہؓ سے نہ کہا ہو اور حضرت خدیجہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتیں پھر یقین دلاتیں اور ان کی مدد کرتیں" سچ یہ ہے کہ زمانہ تاہل کی حسین اور کامل تصویروں میں سے یہ ایک تصویر ہے جو تاریخ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔

ابتدائی مسلمانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّٰے زید بن حارثہ اور حضرت علی ابن ابی طالب اور آپ کے رفیق دوست حضرت ابوبکر تھے جن کی نسبت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کو اکثر فرمایا کہ "میں نے کسی سے اسلام کے لیے نہیں کہا جس نے تردد اور پریشانی ظاہر نہ کی ہو مگر ابوبکرؓ نے جس نے نہ توقف کیا اور نہ پریشان ہوا جب اسلام کی میں نے اس کو خبر دی" حضرت ابوبکرؓ دولتمند سوداگر تھے جنکے متدین خصائل اور ذہانت اور لیاقت کی وجہ سے شہر کے لوگ بہت عزت کرتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے اپنی دولت کا بڑا حصہ مسلمان غلاموں کے خریدنے میں صرف کیا جنپر انکے آقا اس وجہ سے ظلم کرتے تھے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین کو تسلیم کر لیا تھا۔ غالباً حضرت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کوشش سے پانچ بڑے شخص جو ابتدائے زمانہ ہی میں مسلمان ہوئے تھے اہل اسلام کی تعداد میں اضافہ ہوئے۔ ان بزرگ شخصوں کے نام یہ ہیں۔ سعد ابن ابی وقاص جو آئندہ زمانہ میں عجمیوں کے فاتح ہوئے۔ زبیر ابن العوام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بی بی خدیجہ دونوں کے رشتہ دار تھے۔ طلحہ جو بعد کو بڑے نامی شجاع ہوئے۔ عبدالرحمن بن عوف جو دولتمند سوداگر تھے۔ اور عثمان بن عفان جو خلیفہ ثالث ہوئے۔ حضرت عثمان کو شروع زمانہ میں بہت ایذائیں اٹھانی پڑیں۔ اُنکے چچا نے انکو پکڑا اور باندھا اور کہا "کیا تو نئے مذہب کو اپنے آبائی دین پر ترجیح دیتا ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ جب تک تو اس نئے دین کو جس کی تو پیروی کرتا ہے ترک نہ کریگا میں تجکو نہ چھوڑونگا"۔ حضرت عثمان نے جواب دیا "خدا کی قسم میں کبھی اسکو ترک نہ کرونگا" حضرت عثمان کے چچا نے جب یہ دیکھا کہ انکو اپنے مذہب کے تعلق میں کیا استحکام ہے تو انکو چھوڑ دیا۔

اور اضافوں کے ساتھ جو خاصکر غلاموں اور مفلسوں میں سے ہوئے مسلمانوں کی تعداد رسالت سے تین برس کے اندر چالیس کے قریب پہنچ گئی۔ جب ان آپس کی کوششوں میں کامیابی ہونے سے ہمت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام میں زیادہ عملی طریقوں کے برتنے کا قصد فرمایا۔ آپ نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع کیا اور اُنسے اسلام قبول کرنے کے لیے فرمایا اور ارشاد ہوا کہ "کسی عرب نے اپنی قوم کو ایسے بیش بہا فوائد پیش نہیں کیے جیسے کہ میں تمہارے لیے لایا ہوں۔ میں تم کو خوشی اس دنیا میں اور اس زندگی میں جو آنے والی ہے دیتا ہوں۔ کون تم میں سے اس کام میں میری مدد کریگا؟" سب خاموش رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لڑکپن کے جوش میں بلند آواز سے کہا "اے

اللہ کے رسول میں تیری مدد کرونگا" اسپر کل مجمع ہنستا ہوا برخاست ہوا +

اس وعظ کی ناکامی پر بغیر مایوس ہوے آنحضرت نے بار بار ان لوگوں کو آیندہ موقعوں پر جمع کیا لیکن پیغام اور ہدایت کے عوض میں سوائے طعن اور استہزا کے اُنھوں نے کچھ نہ کیا۔ فی الحقیقت یہ ان ہی لوگوں کی مخالفت کا نذر بتلا جو اس بات کا سبب ہوا کہ رسالت کے چوتھے برس میں آپ ارقمؓ کے گھر میں جا رہے جو شروع زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے تھے۔ ارقمؓ کا گھر خانہ کعبہ کے سامنے بیچ کے موقع پر ایسی جگہ تھا جہاں آمد و رفت زیادہ رہتی تھی اور یہاں حالت امن میں بغیر حرج کے پیغمبر خدا صلعم ان تمام لوگوں کو تلقین فرماتے اور قرآن سناتے تھے جو تحقیق کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوتے۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی اور دو برس کے اندر پچاس تک پہنچ گئی۔ قریش نے نئے مذہب کی اس ترقی کو بہت بدظنی اور عداوت کی نظر سے دیکھا۔ انھوں نے ہر طرح کے طریقے اختیار کیے۔ دھمکیاں دیں وعدے کیے بڑا کہا دنیا کی عزت اور اختیار کا لالچ دلایا تا کہ رسول اللہ صلعم اس کام کو ترک کر دیں جو آپ نے اختیار کیا تھا +

قریش مکہ نے ایک ہی مرتبہ نہیں بلکہ کئی بار کوشش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو اس خیال سے کہ وہ بنو ہاشم کے سردار تھے اور اُسی قبیلہ سے آنحضرت صلعم بھی تھے اس بات کی ترغیب دیں کہ آپ کو قریش کے آبائی مذہب پر سخت حملہ کرنے سے منع کریں۔ اور قریش نے دھمکی دی کہ اگر ایسا نہ کروگے تو زیادہ سخت طریقے آپ کے خلاف اختیار کیے جاویں گے۔ ابو طالب نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ اپنے اوپر اور اپنے خاندان کے سر پر آفت نہ لاویں مگر آپ نے فرمایا "اگر سورج اُتر کر میرے داہنے ہاتھ پر آجاوے اور چاند بائیں ہاتھ پر اور مجھ سے کہا جاوے کہ اس کام کو ترک کرے یا اس کے حال

کریں میں ہلاک ہو جاؤں تو بھی میں اسکو نہ چھوڑوں گا۔" ابو طالب یہ جواب سنکر حیران رہ گئے اور آنحضرت سے کہا: "وعظ کر جو تیری مرضی ہو میں قسم کھاتا ہوں کہ کبھی تجھکو تیرے دشمنوں کے ہاتھ میں نہ چھوڑونگا۔"

جب اسلام کی مخالفت کے لئے ایسے امن کے طریقے ناکام رہے تو قریش کا غیظ و غضب دوگنی تیزی کے ساتھ بھڑکا۔ وہ سمجھ گئے کہ اس نئے مذہب کی کامیابی سے اُنکے قومی مذہب اور قومی پرستش کی بربادی اور خانہ کعبہ کے متولیوں کی دولت و اقتدار کا نقصان مراد ہے۔ رسول اللہ صلعم خود ابو طالب کی حفاظت میں امن سے تھے اور بنی ہاشم اگرچہ کچھ موافقت اُس مذہب سے نہ رکھتے تھے جو انکے قبیلے کا شخص سکھاتا تھا مگر ایک ہی قبیلے سے ہونے کا مستحکم خیال جو اہل عرب کے ساتھ مخصوص تھا اس نے آپ کو ایسے حملوں سے محفوظ رکھا جو آپ کی جان لینے کے واسطے ہوتے گو مخالفین کی طعنہ زنی اور ایذا رسانی سے آپ کو برابر سابقہ تھا۔ لیکن اُن غریبوں کو جنکا کوئی محافظ نہ تھا اور غلاموں کو سب سے زیادہ تکلیفیں اُٹھانی پڑتی تھیں۔ اُنکو قید کیا جاتا تھا اور سخت اذیت دی جاتی تھی کہ اسلام کو ترک کرنے پر مجبور ہو جاویں۔ یہی موقع تھا حضرت ابو بکرؓ نے بلالؓ کو جو حبشی غلام تھے خرید کر آزاد کیا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو "حبشہ کا پہلا ثمر کہا۔" بلالؓ کو نہایت بیدردی سے روز روز اس طرح اذیت دی جاتی تھی کہ جلتی دھوپ میں لٹاکر پیٹ پر بڑا پتھر رکھدیا جاتا اور کہا جاتا کہ یا تو یہاں پڑے پڑے مرجا یا محمدؐ کا دین چھوڑکر بتوں کو پوجو۔ بلالؓ اسکا ہمیشہ جواب دیتے: "احد احد، نہیں ہے خدا مگر ایک نہیں ہے مگر ایک۔" دو شخص ان تکلیفوں کو سہتے سہتے مرگئے۔ چونکہ رسول اللہ صلعم مظلوم مسلمانوں کو دشمنوں کی ایذاؤں سے رہا

حاشیہ: بلالؓ اہل اسلامی دنیا میں پہلے مؤذن مشہور ہیں۔

نہ کر سکتے تھے اس لیے آپؐ نے انکو صلاح دی کہ حبشہ میں جا کر پناہ لیں اور رسالت کے پانچویں برس میں (۵۱۵ء) گیارہ مرد اور چار عورتوں نے سمندر پار کر کے حبشہ کو ہجرت کی۔ حبشہ کے عیسائی بادشاہ نے مہاجرین کا خیر مقدم کیا۔ ان میں ایک شخص مُصعب ابن عمیرؓ تھے جنکے حالات قابل غور ہیں۔ کیونکہ ان کو وہ خاص تکلیف اُٹھانی پڑی جو مذہب تبدیل کرنے والے کی سب سے بڑی تکلیف ہوتی ہے یعنی اُن لوگوں کی عداوت کا سامنا ہونا جو اسکو پیارے ہوں اور جنکو یہ کبھی پیارا تھا۔ مُصعبؓ نے ارقمؓ کے گھر میں اسلام کی تلقین کو سُنکر اسلام قبول کیا تھا لیکن وہ اپنے مسلمان ہونے کی خبر کو عام کرنے سے خائف تھے کیونکہ اُنکی ماں اور قبیلے کے لوگ جو اُنکے ساتھ خاص الفت رکھتے تھے اسلام کے سخت مخالف تھے چنانچہ جب ان لوگوں کو مُصعبؓ کا مسلمان ہونا دریافت ہوا تو انھوں نے انکو گرفتار کر کے قید میں ڈالدیا۔ لیکن مُصعبؓ حبشہ کو ہجرت کرنے میں کامیاب ہوئے۔

قریش کی عداوت نے مہاجرین کا تعاقب حبشہ تک نچھوڑا اور ایک سفارت بھیجی جس کا مطلب یہ تھا کہ حبشہ کا بادشاہ مہاجروں کو اپنے ملک سے نکال کر ہمارے پاس روانہ کرے۔ لیکن جب حبشہ کے بادشاہ نے خود مہاجروں کی زبان سے اُنکا حال سُنا تو اُس نے انکار کر دیا کہ مسلمانوں کو وہ اپنی حفاظت سے علٰحدہ نہ کرے گا کیونکہ مہاجرین نے بادشاہ سے یہ کہا تھا کہ ہم جہالت کے اندھیرے میں گھرے ہوئے تھے اور بتوں کو پوجتے تھے خبیث خواہشوں میں مُبتلا تھے ہم کوئی قانون زبردست کے قانون کے سوا نہ جانتے تھے جبکہ خدا نے ہماری ہی قوم میں ایک شخص کو اُٹھایا جو نسب کا اونچا تھا اور جس کی نیکیوں کی وجہ سے ہم مدت سے اُس کی عزت کرتے تھے۔ اس رسولؐ نے ہم سے کہا کہ توحید کا اقرار کرو اور صرف

اللہ ہی کی بندگی کرو اور اپنے آبائی توہمات سے پرہیز کرو اور لکڑی اور پتھر کے خداؤں سے نفرت کرو۔ اس نے حکم دیا ہم کو کہ برائی سے بھاگو۔ بات کے سچے وعدے کے پورے رہو ماں باپ سے محبت رکھو اور ہمسایہ پر مہربانی کرو۔ عورتوں کو بے عزت اور یتیموں کو لوٹنے سے اس نے ہم کو منع کیا۔ نماز روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ ہم اس کی رسالت پر ایمان لائے اور ہم نے ان احکام کو تسلیم کیا جو وہ ہمارے پاس خدا کے پاس سے لایا۔ لیکن ہمارے ملک والے ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ہم پر ظلم کیے کہ ہم اسلام چھوڑ کر بتوں کی پرستش کریں۔ پس اپنے ملک میں امن نہ پاکر ہم نے تمہارے ملک میں پناہ ڈھونڈی ہے۔ تمہارے انصاف پر بھروسا کر کے ہم امید کرتے ہیں کہ تم ہمکو ہمارے دشمنوں کے ظلم سے رہا کرو گے۔" بادشاہ نے مہاجروں کی درخواست کو سنا اور قریش کی سفارت نامراد واپس ہوئی۔ اسی اثنا میں مکہ میں ایک دفعہ اور کوشش کی گئی کہ دولت اور اختیار کی طمع دلا کر رسول اللہ صلعم کو ترغیب دیں کہ آپ اسلام کی تعلیم و تلقین سے کنارہ کریں لیکن یہ کوشش بھی عبث تھی۔

جبکہ مکہ میں سفارت کے نتیجہ کو دریافت کرنے کا جو حبشہ بھیجی گئی تھی بہت انتظار تھا تو اس وقت ایک ایسے شخص نے اسلام قبول کیا جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمنوں میں سے تھے۔ اور جنہوں نے سخت تعصب اور اصرار کے ساتھ رسول اللہ صلعم کی ہمیشہ مخالفت کی تھی۔ یہ وہ شخص تھے جنکو مسلمان ہر وجہ سے اپنا نہایت سخت اور قہر آگین دشمن یقین کر سکتے تھے۔ لیکن جب وہ ایمان لائے تو اسلامی تاریخ میں اسلام کی سب سے زیادہ زینت دینے والوں میں سے ہوئے۔ یہ شخص عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ مسلمان ہونے سے پہلے ایک روز پیغمبر خدا صلعم پر غضبناک ہو کر ہاتھ میں تلوار لیے آپ کے قتل کے ارادے

سے نکلے۔ راستہ میں ایک عزیز ملا۔ اس نے پوچھا کہاں جاتے ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ
نے جواب دیا "محمدؐ کو ڈھونڈتا ہوں تاکہ اُس کو قتل کروں وہ اپنے شہر کے
لوگوں پر مصیبت اور فساد لایا ہے اور ہمارے خداؤں کو اُس نے دشنام دی
ہیں اور ہمارے باپ دادا کی یادگار کو بے عزت کیا ہے" اُس عزیز نے کہا "اپنے
ہی خاندان کے لوگوں کو کیوں سزا نہیں دیتا جنھوں نے تیری لاعلمی میں اپنے
آبائی مذہب کو ترک کر دیا ہے" عمرؓ نے پوچھا "میرے کنبے میں ایسے کون لوگ
ہیں" رشتہ دار نے جواب دیا "تیرا بہنوئی سعید اور تیری بہن فاطمہؓ" عمر ابن الخطاب
یہ سنتے ہی بہن کے گھر دوڑے گئے۔ فاطمہؓ گھر میں بیٹھی اپنے شوہر سعید اور خباب
ابن الارت کے ساتھ جو صحابہ میں سے تھے اور دونوں کو اسلام کی تلقین کرتے
تھے قرآن تلاوت کر رہی تھیں۔ عمرؓ مکان میں گھس گئے اور پوچھا "یہ کیا آواز تھی
جو میں سنتا تھا" اُنھوں نے جواب دیا "کچھ نہیں" عمرؓ نے کہا "نہیں تم کچھ پڑھ
رہے تھے اور میں نے سنا ہے تم محمدؐ کے دین میں شامل ہو گئے ہو" یہ کہہ کر عمرؓ
سعید پر دوڑے اور اُن کو مارا۔ فاطمہؓ بیچ میں آ گئیں تاکہ شوہر کو بچا دیں اور
بھائی سے کہا ہاں ہم مسلمان ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں
مار ڈالو اگر تمہاری یہی مرضی ہے" اس کشمکش میں عمرؓ کی بہن زخمی ہوئیں اور جب
عمرؓ ابن الخطاب نے فاطمہ کے چہرے پر خون دیکھا تو نرم ہوئے اور وہ کاغذ مانگا
جس کو وہ پڑھتے تھے۔ کچھ تامل کے بعد فاطمہ نے کاغذ دیدیا۔ اس میں قرآن کی
بیسویں سورہ (سورۂ طٰہٰ) لکھی تھی۔ جب عمرؓ نے اس کو پڑھا تو آواز سے کہا "کیسا
حسین کلام ہے اور کیا گرامی خطاب ہے" جوں جوں پڑھتے گئے ایمان
سے دل مغلوب ہوا یہاں تک کہ بولے "مجھ کو محمدؐ کی خدمت میں لے چلو تاکہ اسلام
کا اقرار کر دوں"۔

قریب قریب اسی زمانہ میں ایک اور بڑے شخص نے اسلام قبول کیا۔ یعنی حمزہؓ ابن عبد المطلبؓ نے جو رسول اللہ صلعم کے چچا اور دونوں آپس میں دودھ بھائی بھی تھے۔ حمزہؓ رضی اللہ عنہ نے جب ایک واقعہ کا حال سُنا جس میں پیغمبر خدا صلعم کو کفار مکہ نے ایذا پہنچائی تھی اور آپ نے صبر فرمایا تھا تو اُن کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ رسول اللہ صلعم کی نصرت اور معاونت کا فوراً خیال پیدا ہوا اور دشمن سے پکے دوست بن گئے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ ہی کی مثال ایسی نہ تھی کہ جنکو مسلمانوں کی تکلیفیں دیکھ کر ان کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوئی ہو بلکہ اور بہت سی مثالیں اسی قسم کی تھیں اور بلاشبہ بہت لوگ نئے مذہب کے خفیہ طور پر طرفدار تھے جنھوں نے اپنا مسلمان ہونا اُسوقت تک ظاہر نہ کیا جب تک کہ اسلام کو علانیہ کامیابی نہ ہوئی ؀

حضرت عمرؓ کا ایمان لانا اسلام کی تاریخ میں ایسا واقعہ ہے جو اُس کی صورت کو بالکل بدل دیتا ہے۔ مسلمان اب اس قابل ہوگئے کہ زیادہ جرأت اختیار کریں رسول اللہ صلعم نے ارقم کا گھر چھوڑ دیا اور اہل اسلام نے کعبہ کے سامنے علانیہ مل کر نماز پڑھنی شروع کر دی ؀

لیکن اس طرح کی حفاظت تھوڑے عرصہ تک رہی۔ قریش کی سفارت حبشہ سے ناکام واپس آئی۔ کیونکہ وہاں کے بادشاہ نے قطعی انکار کر دیا کہ مہاجروں کو اپنی حفاظت سے علیٰحدہ نہ کرے گا۔ یہ حالت ایسی تھی کہ رؤسائے مکہ کو اس سے خوف پیدا ہونا واجبی تھا اس لیے کہ اب انکا ایسے لوگوں سے مقابلہ نہ رہا جو مظلوم اور قوم سے خارج ضعف و آلام کی زندگی کی کشمکش میں رہتے ہوں بلکہ اب مسلمان ایک قوی فریق بن گئے تھے جو شہر کے بارسوخ لوگوں کے شامل ہونے سے اپنی قوت کو بڑھاتے تھے اور مکہ کی عملداری کے استحکام کو ایک زبردست

غیر ملک کے بادشاہ کی دوستی سے خطرہ میں ڈال رہے تھے۔

قریش نے یہ حالت دیکھ کر مستقل کوشش کی کہ اپنی عملداری سے اس خطرناک عنصر کو نکال کر نیست و نابود کر دیں۔ انھوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف جو قرابت کی وجہ سے رسول اللہ صلعم کی حفاظت کرتے تھے ایک عہدنامہ جاری کیا جس میں قریش نے اتفاق کیا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کی عورتوں کو نکاح میں نہ لیں گے اور نہ اپنی عورتوں کو انکے نکاح میں دینگے۔ نہ ان کے ساتھ بیع کریں گے نہ شرا اور یہ کہ ان سے ہر طرح کے معاملات بند رہینگے۔

اس ظلم کے تشدد نے اور ان خطروں نے جو اس تشدد میں شامل ہوئے مجبور کیا کہ مسلمان پھر حبشہ کو ہجرت کریں اور اس دفعہ تراسی مردوں اور اٹھارہ عورتوں نے حبشہ کو ہجرت کی۔

تین برس تک بنی ہاشم شہر کے ایک حصہ میں محصور رہے۔ اور اس عرصہ میں برابر قریش کے عہدنامہ کی سختی کے ساتھ پابندی رہی۔ کسی کی ہمت نہ ہوتی کہ موسم حج کے مہینوں کے سوا کہیں باہر نکلتا کیونکہ ان مہینوں میں عرب میں ہر جگہ لڑائیاں بند ہو جاتی تھیں اور یہ چند روزہ امن اس لیئے ہوتا تھا کہ خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے جو قومی مذہب کا مرکز تھا زائر آسکیں۔

رسول اللہ صلعم کو موسم حج میں مفید موقع ملتا تھا کہ مختلف قبائل عرب کو جو کعبہ معظمہ کی زیارت کے لیے جوق جوق آتے اور قریب کے میلوں میں جمع ہوتے تھے تلقین اسلام فرماویں۔ لیکن کچھ کامیابی نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ ابولہب رسول اللہ صلعم کے پیچھے پیچھے پکارتا ہوا چلتا تھا کہ یہ جھوٹا ہے اور چاہتا ہے کہ تم کو تمہارے آبائی دین سے نکال کر اپنے جھوٹے عقائد کی طرف جن کو وہ لایا ہے لاوے۔ اس لیے اس سے علٰحدہ ہو جاؤ اور اس کی بات نہ سنو۔ لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

سے طعن کر کے کہتے "تو تیرے قبیلے اور خاندان کے لوگ تجھ کو سب سے بہتر جانتے ہیں پھر وہ کیوں تیرا یقین اور ہمدردی نہیں کرتے"۔

آخر کار رسول اللہ صلعم اور آپ کے اقارب نے جو سختیاں اور تکلیفیں اٹھائیں اُن پر قبیلہ قریش کے ایک حصہ کو ہمدردی پیدا ہوئی اور انھوں نے جو عہدنامہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف جاری کیا تھا اُس کو اٹھا دیا۔

اسی سال میں جبکہ عہدنامہ منسوخ ہوا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نے جو پچیس ۲۵ برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیر اور ہمدرد رہی تھیں آپ کو اندوہ اور الم میں مبتلا کیا اور اس واقعہ کے بعد ہی ابوطالب کی موت نے آپ کو ایسے معاون سے محروم کر دیا جو ہمیشہ آپ کے قوی محافظ رہے تھے۔ رسول اللہ صلعم کو پھر کفار کے طعن اور تنفر کا سامنا ہوا۔

اہل مکہ کی عداوت اور انکار کے بعد جن کو دس برس تک بغیر زیادہ کامیابی کے اسلام کی خبر سنائی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصد فرمایا کہ دیکھیں اور لوگ بھی ایسے ہیں جو آپ کی بات کو سنیں اور جن کے دل میں تخم دین کے لئے زیادہ قابل اور بارآور زمین ملے۔ اس امید میں آپ طائف تشریف لے گئے جو مکہ سے ساٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔ عمائد شہر کی ایک بڑی مجلس کے سامنے توحید اور تبلیغ اسلام کا جو پیغمبر خدا ہونے کی وجہ سے آپ کو پہنچی تھی ذکر فرمایا۔ اور طائف کے لوگوں سے کہا کہ مکہ کے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کریں۔ آپ کی تعلیم اور رسالت کے اعلیٰ حقوق (جن کو طائف کے اصنام پرست باشندے سمجھ بھی نہ سکے) اور پھر آپ کی بیکسی کی حالت ایسی غیر متناسب معلوم ہوئی کہ اہل طائف نے مضحکہ کیا اور تحقیر کی اور پتھر مار کر شہر سے نکال دیا۔

طائف سے واپس آ کر کامیابی کی تمام صورتوں میں سب سے زیادہ مایوسی ہو گئی

اور آپ کے روحانی حزن وملال نے اس کلام میں اپنے تئیں ظاہر کیا جو نوح علیہ السلام کی زبانی بیان ہوا۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ (سورہ نوح ۵-۶)

یعنی نوح نے کہا اے خدا میں دن رات اپنی قوم کو بلاتا رہا پھر میرے بلانے سے بجز اس کے کہ وہ بھاگتے رہیں اور کچھ نہ ہوا اور جب میں نے ان کو بلایا تاکہ تو انکو معاف کرے انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور اپنے کپڑے سمیٹ لیے اور ضد کی اور نہایت سرکشی کی۔

لیکن اس اندوہ وملال کی حالت میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تشفی ایسی صورت سے ہوئی جس کا پہلے خیال تک نہ تھا۔ موسم حج میں آپ کی نظر چھ یا سات آدمیوں کے ایک گروہ پر پڑی جن کو آپ نے پہچانا کہ مدینہ سے آتے ہیں جس کو اُس زمانہ میں یثرب کہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آدمیوں سے مخاطب ہوکر پوچھا "تم کس قبیلے سے ہو؟" انھوں نے جواب دیا "قبیلہ خزرج سے ہیں"۔ آپ نے فرمایا "کیا یہود کے ساتھیوں میں سے ہو" خزرجیوں نے جواب دیا "ہاں" آپ نے فرمایا "کیا تم تھوڑی دیر بیٹھ نہ جاؤ گے تاکہ میں تم سے بات کروں" خزرجی بولے "ضرور" اور یہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ گئے اور آپ نے ان کو خدائے برحق کی خبر دی اور اسلام کی تلقین فرمائی اور قرآن ان کے سامنے پڑھا پس ایسا ہوا کہ اللہ نے اس میں اسلام کے لیے عجیب کام لیا کہ انکے ملک میں یہود پائے گئے جو توریت رکھتے تھے اور عقل رکھتے تھے جبکہ وہ خود (خزرجی) مشرک اور صنم پرست تھے یہود نے ان کے ہاتھ سے اکثر ظلم

اٹھائے تھے اور جبکہ اُن کے آپس میں لڑائی ہوتی تو یہود ہمیشہ کہتے تھے کہ "جلد تم میں ایک رسول پیدا ہوگا اور اس کا وقت قریب ہے اور اُس کی ہم پیروی کرینگے اور اُس کے ساتھ ہو کر تم کو قتل کرینگے عاد اور ارم کا سا قتل"۔ اب جبکہ رسول اللہ صلعم نے ان لوگوں سے باتیں کیں اور خدائے برحق کی ان کو تلقین کی تو اُنھوں نے آپس میں کہا "یقین جانو کہ یہ ہی رسول ہے جس کی نسبت یہود نے ہمکو ڈرایا تھا آؤ جلدی کرو اور اس کے ساتھ شریک ہونے میں اول رہو"۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تلقین فرمائی اس پر یہ خزرجی ایمان لائے اور اسلام قبول کیا اور آپ سے عرض کیا کہ "ہمارے ملک والے ایک سخت اور مہلک لڑائی میں مصروف ہیں لیکن اب خدائے برحق تیرے طفیل اور تعلیم سے ان کو متفق کر دے گا۔ پس ہم اسلام پر ان کی دعوت کریں گے اور اس دین سے انکو آگاہ کریں گے جو ہم کو تجھ سے ملا ہے"۔

یہ واقعہ جس کا اوپر ذکر ہوا روایت سے اس طرح بیان ہوا ہے اور پیغمبر خدا صلعم کی رسالت میں ایسا واقعہ ہے جس پر بہت سے واقعات کا حصر ہوتا ہے۔ اب آپ ایک ایسی قوم سے مل لیے ہیں کہ حالات سابقہ تو ایسے تھے کہ ان کی طبیعتیں آپ کی تعلیم قبول کرنے پر آمادہ تھیں اور اُن کی موجودہ حالت ایسی تھی جیسا آگے چل کر ظاہر ہوا کہ وہ آپ کے کام میں ممد ہوئی۔

یثرب کا شہر بدستور یہود کے قبضے میں تھا۔ یہ یہودی کسی قومی تباہی کے سبب سے جو غالباً بادشاہ ہیدرین کے جور و ظلم سے برپا ہوئی اپنے ملک سے نکل گئے تھے سنہ ۳۰۰ء عیسوی کے قریب خانہ بدوش عرب کا ایک گروہ جس میں خزرج اور اوس کے دو قبیلے تھے یثرب میں آیا اور صلاح کے بعد یہود کی عملداری سے ان کو حصہ دیا گیا۔ خزرج اور اوس کے قبیلوں میں جب آدمی بڑھنے لگے تو یثرب کے یہودی

فرمانرواؤں سے وہ ملکی اختیارات بھی چھیننے لگے۔ یہاں تک کہ پانچویں صدی عیسوی کے ختم کے قریب یثرب کی عملداری خزرج اور اوس کے قبضہ میں آگئی۔

بعض عربوں نے یہودیوں کا مذہب اختیار کر لیا تھا اور بہت سے یہودی جو پہلے یثرب کے مالک تھے وہ عرب فاتحین کی ملازمت میں اب تک رہتے تھے پس رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں یثرب میں یہودی رعایا کثرت سے رہتی تھی۔ اس طرح یثرب کے لوگ ایک مسیح موعود کا خیال رکھتے تھے اور اس وجہ سے بت پرست اہل مکہ کے مقابلہ میں وہ پیغمبر خدا کی رسالت کو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں سمجھنے کی زیادہ قابلیت رکھتے تھے اہل مکہ کے لیے رسالت کا خیال بالکل اجنبی تھا اور قریش کے لیے تو وہ بہت ہی بے لطف تھا کیونکہ قبائل عرب پر قریش کی افسری اور اُن کا دنیوی اقتدار صرف اس وجہ سے تھا کہ کعبہ کے مقدس احاطہ میں جو قومی مجموعہ اصنام کا رہتا تھا اُس کے وہ موروثی متولی چلے آتے تھے۔

یثرب کا شہر مدت کے مفسدہ سے جو خزرج اور اوس میں زمانہ دراز سے چلا آتا تھا اور جس کے سبب سے ہمیشہ خانہ جنگی رہتی تھی تباہ حالت میں تھا۔ شہر کے لوگ غیر مطمئن اور شبہ کی حالت میں رہتے تھے اور کوئی چیز جو ان دونوں مخالف قبیلوں کو کسی مشترکہ مقصد کے لیے متحد کر دیتی وہ شہر کے حق میں نعمت تصور ہوتی۔ شمالی ملک اطلی میں زمانہ وسطی کی جمہوری عملداریاں ایک اجنبی آدمی کو اپنے شہروں میں اعلیٰ ترین منصب کے لیے منتخب کر لیتی تھیں تاکہ مخالف فریقین کی قوت میں ہم سنگی قائم رہے اور اگر ممکن ہو تو یہ انتظام خانہ جنگی کو روکے جو تجارت اور امن خلائق کی بربادی کا باعث ہوتی تھی۔ اسی طرح اہل یثرب نے اپنے شہر میں ایک غیر شخص کے آنے کو بدگمانی کی نظر سے نہ دیکھا خواہ منصب حکومت کو جو خالی پڑا تھا وہ زبردستی

لیتا یا اُن کی اجازت سے حاصل کرتا۔ آپس کے رشک نے جو شہر میں تھا ایسے رشک کو مٹا دیا جو باہر والوں کے آنے سے ہوتا۔

اوپر کے واقعات بہت کچھ ظاہر کرتے ہیں کہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے آٹھ برس بعد دس ہزار مسلمانوں کے سردار بنکر اُس شہر میں داخل ہوئے جس میں دس برس تک بہت کم نتیجے پیدا ہوئے جہاں آپ نے تبلیغ اسلام میں کوشش فرمائی تھی۔

لیکن یہ بات لکھی ابھی قبل از وقت ہوگی۔ رسول اللہ صلعم نے قصد فرمایا تھا کہ خزرج کے ساتھ خود یثرب کو تشریف لیجاویں لیکن خزرج نے آپ کو اس ارادے سے اُس وقت تک باز رکھا کہ اُن میں اور اوس میں مصالحت نہ ہو جائے خزرج نے رسول اللہ صلعم سے عرض کیا "تجھ سے استدعا کرتے ہیں کہ ہم کو اپنے لوگوں میں واپس جانے دے اگر خدا نے ہم میں امن پیدا کر دیا تو ہم تیرے پاس پھر آویں گے اور حج کے موسم کو آئندہ برس میں مقررہ وقت پر ہونے دے" اس طرح خزرجی اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور اپنی قوم کی اسلام پر دعوت کی۔ اور بہت لوگ ایمان لائے یہاں تک کہ کوئی کنبہ مشکل سے ایسا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہ ہوتا ہو۔

جب حج کا زمانہ پھر آیا تو ایک جماعت جس میں دس آدمی خزرج اور دو آدمی اوس کے تھے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عہد کے موافق بیعت کی غرض سے جائے مقررہ پر حاضر ہوئے۔ اور آپ پر بیعت کی۔ اس اول بیعت کا مضمون جسکا نام بیعت عَقَبَۃُ الاُولیٰ مقام عقبہ کی وجہ سے ہوا جو ملنے کی جگہ تھی یہ تھا کہ "ہم کسی کی بندگی سوائے ایک خدا کے نہ کرینگے۔ ہم چوری نہ کرینگے اور زنا نہ کرینگے اور نہ اپنے بچوں کو قتل کرینگے اور بُرا کہنے اور غیبت سے پرہیز کریں گے ہم اللہ کے رسول کی

ہر بات کو جو راست ہوگی تسلیم کرینگے۔ اور اسی کے تابع رہیں گے خوشی اور رنج میں"
یہ بارہ آدمی دعاۃ اسلام بنکر یثرب کو واپس چلے گئے۔ یثربیوں کی حالت اسلام قبول کرنے کے لیے اس قدر آمادہ اور پھر ان دعاۃ اسلام نے اپنے کام میں ایسی سرگرمی دکھلائی کہ اسلام بہت جلد ایک گھر سے دوسرے گھر اور ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں شائع ہو گیا۔

یثرب کو واپسی کے وقت یثربیوں کے ساتھ مصعب ابن عمیرؓ بھی ہو گئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ایک تحریر کے بموجب جو یثرب سے آئی رسول اللہ صلعم نے ان کو یثرب روانہ کیا۔ یہ نوجوان شخص شروع زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے تھے اور تھوڑا عرصہ ہوا تھا کہ حبشہ سے واپس آئے تھے۔ اس وجہ سے ان کو بہت تجربہ حاصل تھا اور ظلم کے مکتب میں ابتدائی تربیت پا چکے تھے۔ جس نے ان کے جوش مذہب میں متانت ہی نہ پیدا کر دی تھی بلکہ یہ بھی سکھا دیا کہ ظلم کا کس طرح سامنا کیا جاتا ہے اور اُن لوگوں سے کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے جو اسلام کی تعلیم کو بغیر سُنے اسلام کو مطعون کرتے ہیں پس رسول اللہ صلعم نے نہایت بھروسہ فرما کر نومسلموں کی تعلیم و تربیت کے مشکل کام کو اور جوش اور ریاضت اسلام کے تخم کی حفاظت کو جو ڈال دیا گیا تھا اور اُس کی پرورش کو کہ وہ پروان چڑھے مصعب ابن عمیرؓ کے سپرد فرمایا۔ یثرب پہنچکر مصعبؓ اسعد ابن زرارہ کے گھر میں ٹھہرے اور مسلمانوں کو نماز اور تلاوت قرآن کے لیے کبھی تو اسعد اور کبھی بنی ظفر کے گھر میں جمع کیا کرتے۔ بنی ظفر کا گھر شہر کے ایسے محلے میں تھا جس میں ظفر کا خاندان اور عبد الاشہل کا خاندان مل کر رہتا تھا۔

اس زمانہ میں عبد الاشہل کے خاندان کے سردار سعد ابن معاذؓ اور اسید ابن حضیرؓ تھے ایک دن یہ ہوا کہ مصعب اسعد کے ساتھ بنی ظفر کے گھر میں بیٹھے چند نومسلموں

کی تعلیم میں مصروف تھے کہ سعد ابن معاذؓ نے ان کے ٹھہرنے کی جگہ کا نشان لیکر اسید ابن حضیرؓ سے کہا: "اس داعی اسلام اور اس کے ساتھی کو اپنے محلے سے نکال دے۔" میں تجھکو اس بات کی تکلیف نہ دیتا اگر صلہ رحم جو مجھ میں اور بنی زرارہ میں ہے اس شخص کو نقصان پہنچانے کا مانع نہ ہوتا (سعد ابن معاذ سعد ابن زرارہ کا خالہ زاد تھا) یہ سنکر اسید نے نیزہ اُٹھایا اسعد اور مصعب کے پاس پہنچا اور چلاکر کہا: "تم کیا کرتے ہو ضعیف رائے والوں کو گمراہ کرتے ہو۔ اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو ابھی یہاں سے چلے جاؤ" مصعب نے آہستہ سے جواب دیا: "بیٹھ جا اور ہماری بات سن اگر تو نے ہم سے ایسی بات سنی جو تجھ کو ناخوش کرے تو ہم چلے جائیں گے۔" اسید نیزہ زمین میں گاڑھ کے بیٹھ گیا اور مصعب نے اسلام کے ضروری عقائد بیان کیے اور قرآن شریف کی چند آیہ کریمہ کو پڑھا تھوڑی ہی دیر میں اسید بیتاب ہوکر بولا: "کیا کروں جو اس دین میں شامل ہوں"؟ مصعب نے جواب دیا: "پانی سے اپنے تئیں پاک کر اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کر" اسید نے فوراً اس ہدایت پر عمل کیا اور کلمہ پڑھا اور کہا: "میرے بعد ایک اور شخص ہے جس کو تمہیں ایمان پر لانا ہوگا (سعد ابن معاذ سے مراد تھی) اگر وہ ایمان لایا تو بنی اشہل کا کل قبیلہ اس کی مثال کی پیروی کرے گا۔ میں اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔"

اسید ابن حضیرؓ یہ باتیں کرکے چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد سعد ابن معاذ اسعد پر غصہ کھاتا آیا اور کہا: "اگر تو میرا خالہ زاد نہ ہوتا تو تیری جرأت پر میں تجھ کو نادم کرتا کس بات سے تیری ہمت ہوئی کہ اپنے دین کے عقائد کو جو ہمارے مذہب کے خلاف ہیں ہم میں لایا"؟ مصعب نے سعد سے درخواست کی کہ اسلام کو بغیر اس کی تعلیم کے سُنے بُرا نہ کہے۔ اس پر سعد نے اسلام کی باتوں کو سننا منظور کیا اور

مصعب کے کلام نے جلد سعد پر اثر کیا اور ایمان اُس کے دل میں پیدا کیا اور اسلام قبول کر کے سعد ابن معاذؓ مسلمان ہو گئے سعد جوش اسلام میں بھرے ہوئے اپنے قبیلے کے لوگوں میں پہنچے اور اُن سے کہا "اے بنی اشہل بتاؤ میں تمھارا کون ہوں" انھوں نے کہا "تو ہمارا سردار ہے اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب ہے" سعدؓ نے کہا "میں قسم کھاتا ہوں کہ میں کبھی تم میں سے کسی سے بات نہ کروں گا جب تک کہ تم اللہ اور اللہ کے رسول محمدؐ پر ایمان نہ لاؤ گے" اُس دن سے عبد الاشہل کی کل اولاد نے اسلام قبول کیا[1]۔

ایسے جوش اور حمیت کے ساتھ تعلیم اسلام کو ترقی دی جاتی تھی کہ ایک سال کے اندر مدینہ کے عربوں میں کوئی گھرانہ ایسا نہ رہا جس میں چند آدمیوں نے مسلمان ہو کر مسلمانوں کی تعداد نہ بڑھائی ہو سوائے قبیلہ اوس کے ایک حصہ کے جو اوقیس شاعر کی وجہ سے اسلام سے علیحدہ رہا۔

دوسرے برس جب حج کا زمانہ آیا تو مسلمانوں کا ایک گروہ جس میں تہتر شخص تھے ہم وطن مشرکین کے ساتھ یثرب سے مکہ میں آیا۔ یہ مسلمان مکہ کو اس لیے بھیجے گئے تھے کہ ایک تو رسول اللہ صلعم سے یثرب چلنے کے لیے عرض کریں کہ دشمنوں کے ضرر سے آپ پناہ لیں اور دوسرے اس لیے کہ آپ کو اللہ کا رسول اور اپنا سردار مان کر آپ سے بیعت کریں۔ وہ تمام لوگ بھی جو پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اور آنحضرت صلعم سے گزشتہ دو حجوں میں ملے تھے اس موقع پر مکہ کو واپس آئے اور مصعب بھی جو ان کے معلم دین تھے ہمراہ تھے۔ مصعب ابن عمیرؓ مکہ میں پہنچتے ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُس کامیابی کا حال عرض کیا جو دعوت اسلام میں اُن کو حاصل ہوئی تھی۔ یہ روایت ہے کہ جب

[1] کاسن وہ پیر سوال۔ جلد سوم صفحہ ۲۳۔ ہ

مصعب کی ماں نے بیٹے کے آنے کی خبر سُنی تو یہ کہلا بھیجا کہ "اے نافرمان فرزند کیا تو ایسے شہر میں داخل ہوگا جس میں تیری ماں رہتی ہو اور اُس سے تو پہلے ملنے نہ آئے۔" مصعب نے جواب دیا "نہیں میں کسی کے گھر میں رسول خدا سے پہلے ملنے نہ جاؤں گا۔" جب مصعب رسول خدا صلعم سے ملازمت حاصل کر چکے تو اپنی ماں کے پاس گئے جس نے کہا: "میں سمجھتی ہوں کہ تو ابھی تک ہمارے دین سے بھاگا ہوا ہے۔" مصعب نے جواب دیا "میں خدا کے رسول اور برحق ملتِ اسلام کا پیرو ہوں۔" ماں نے کہا "کیا تو اُن مصیبتوں سے خوش ہے جو حبشہ کی زمین میں تجھکو اُٹھانی پڑیں اور اب یثرب میں بھی پڑتی ہیں۔" مصعبؓ سمجھ گئے کہ ماں مجھکو پھر قید کرنے کی فکر میں ہے۔ اُنھوں نے بلند آواز سے کہا "کیا تو جبراً کسی کو اُس کے مذہب سے علیحدہ کرے گی۔ اگر تیرا منشا یہ ہے کہ پھر مجھکو قید کرے تو پہلا شخص جو مجھ پر ہاتھ چھوڑے گا اُس کو یقینی قتل کرونگا۔" مصعب کی ماں نے یہ سُنکر کہا "بس تو میرے سامنے سے چلا جا۔" اور یہ کہکر رونے لگی۔ مصعبؓ اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے "اے میری ماں میں تجھکو محبت کی مشورت دیتا ہوں کہ گواہی دے کوئی خدا نہیں بجز اللہ کے اور محمدؐ اُس کا بندہ اور رسول ہے۔" لیکن مصعب رضی اللہ عنہ کی ماں نے جواب دیا "چمکتے تاروں کی قسم میں تیرے مذہب میں شامل ہوکر اپنے تئیں احمق نہ بناؤں گی۔ میں تجھ سے اور تیری باتوں سے ہاتھ دھوتی ہوں اور اپنے دین سے وابستہ ہوں۔"

اس خیال سے کہ قریش کی بدظنی اور عداوت کو تحریک نہ ہو عقبہ میں پوشیدہ ملاقات کی تجویز ہوئی جہاں پہلے بھی وہ مسلمان جمع ہوئے تھے جنھوں نے اول بیعت عقبہ سے پہلے برس میں اسلام قبول کیا تھا۔ رسول اللہ صلعم حضرت عباس

کے ساتھ جو آپ کے چچا تھے عقبہ میں تشریف لائے حضرت عباسؓ اگرچہ ابھی تک بت پرست تھے مگر وہ اس راز میں شریک کر لیے گئے تھے۔ انھوں نے اس پوشیدہ جلسے میں آغاز سخن اس طریقہ سے کیا کہ پہلے اپنے برادر زادہ کی نسبت کہا کہ وہ اپنے قبیلے میں سب سے زیادہ شریف خاندان کے فرزند ہیں۔ اس قبیلے نے ہمیشہ آپ کو دشمنوں سے محفوظ و مصئون رکھا گو آپ کی تعلیم سے انکار کیا۔ چونکہ آپ یثرب کے لوگوں میں پناہ لینی چاہتے ہیں تو یثربیوں کو چاہیے کہ حفاظت کی ذمہ داری کو وہ اچھی طرح سوچ لیں کیونکہ جب ایک دفعہ انھوں نے اس کام کو اپنے ذمہ لے لیا تو پھر اپنے عہد سے انکو نہ ہٹنا ہوگا۔ تب براء ابن معرور نے جو قبیلہ خزرج میں سے تھے اقرار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے ارادے میں مضبوط ہیں۔ پھر اُنھوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ جو کچھ آپ ہم سے چاہتے ہیں وہ مفصل بیان فرما دیں +

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آیات کلام مجید کی پڑھ کر ان سے گفتگو شروع کی اور اُن کو نصیحت فرمائی کہ وہ ہمیشہ اس دین کی تصدیق کریں جس میں وہ اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم میری اور میرے ساتھیوں کی حفاظت دشمنوں سے اسی طرح کرو جیسے تم اپنے اہل و عیال کی کرتے ہو۔ تب براء ابن معرور نے رسول اللہ صلعم کا ہاتھ پکڑ کر کہا قسم ہے اُس کی جس نے تجھکو رسول کر کے ہمارے پاس بھیجا اور تیرے ذریعہ سے نہایت برحق ہم پر ظاہر کیا کہ ہم تیری حفاظت اس طرح کرینگے جیسے اپنے جسموں کی اور ہم تجھکو اپنا سردار مان کر تجھ سے بیعت کرتے ہیں۔ ہم میدان کے مرد اور ہتیاروں کے آدمی ہیں جو ہمنے لائق باپوں سے بیٹوں کی طرح ورثہ میں پایا ہے

اس طرح سب نے باری باری رسول اللہ صلعم کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کی +

جس وقت قریش کو ان پوشیدہ کاموں کی خبر لگی تو مسلمانوں پر اور زیادہ ظلم ٹوٹنے شروع ہوئے یہانتک کہ آنحضرت نے اُن کو مکہ سے ہجرت کا حکم دیا۔ "یثرب کو چلے جاؤ کیونکہ اللہ نے تم کو اُس شہر میں بھائی دیئے ہیں اور گھر دیا ہے جس میں تم کو پناہ ملے"۔ پس مسلمان چپکے چپکے دو دو اور تین تین کر کے یثرب کو ہجرت کرنے لگے جہاں انکا سچے دل سے خیر مقدم ہوا اور یثربیوں نے مہاجرین کی مدارات کی اور اس مدارات میں ایک نے دوسرے پر فضیلت حاصل کرنی چاہی اور تمام ضروری اشیا مہاجرین کے لیے مہیا کیں دو برس کے عرصے میں تقریباً کل مسلمانوں نے سوائے ان کے جنکو گرفتار کر لیا تھا اور قید میں ڈال دیا تھا یا جو حالت اسیری سے بھاگ نہ سکتے تھے مکہ سے یثرب کو ہجرت کی۔ اور انکی تعداد ایک سو پچاس تھی۔ ان مسلمانوں میں ایک شخص صہیب رضی تھے جن کو رسول اللہ صلعم نے "یونان کا پہلا ثمر" کہا تھا۔ یہ شخص یونانی غلام تھے اور آزاد ہونے کے بعد تجارت کر کے بہت دولت جمع کر لی تھی۔ غرض اُن کا حال یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ جب صہیب رضی مکہ سے ہجرت کرنے کو تیار ہوئے تو اہل مکہ نے اُن سے کہا "تو یہاں اُس وقت آیا تھا جبکہ حاجتمند اور مفلس تھا لیکن ہمارے ساتھ تیری دولت بڑھی یہانتک کہ تو موجودہ ثروت کو پہنچا اور اب تو ہم سے جدا ہوتا ہے فقط اپنے ہی ساتھ نہیں بلکہ اپنے مال کے ساتھ بھی۔ قسم ہے رب کی ایسا نہ ہوگا"۔ اسپر صہیب رضی نے کہا "اگر میں اپنے مال کو چھوڑ جاؤں تو بھی تم مجھکو جانے دوگے"؟ اہل مکہ نے اس بات کو منظور کر لیا اور صہیب رضی نے اپنا سب مال چھوڑ دیا۔ جب یہ حال رسول اللہ صلعم سے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا "سچ ہے صہیب رضی نے نفع سے معاملہ کیا"+

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روانگی میں توقف فرمایا (بلاشبہ اس خیال سے کہ مسلمانوں کی طرف سے لوگوں کا دھیان ہٹا دیں) یہانتک کہ ایک مشورت نے جو آپ کی جان لینے کے واسطے ہوئی آگاہ کیا کہ زیادہ توقف باعث ہلاکت ہوگا اور آپ نے ایک تدبیر سے یثرب کو ہجرت فرمائی۔

یثرب یا مدینہ میں آکر جس کو اس زمانہ سے مدینۃ النبی کا لقب ملا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلا فکر اس کا ہوا کہ ایک مسجد تعمیر کرائی جاوے تاکہ نماز پڑھنے اور اہل اسلام کے جمع ہونے کے لیے ایک جگہ ہو جاوے کیونکہ اس وقت تک انصار میں سے ایک شخص کا رہنے کا گھر تھا جو ان کاموں کے لیے استعمال ہوتا تھا پہلے نمازی بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے اور یہ انتظام غالباً اس امید سے ہوا تھا کہ یہود دائرہ اسلام میں شامل کر لیے جاویں گے اور رسول اللہ صلعم نے بہت سے طریقوں سے مثلاً توریت مقدس کے حوالوں سے اور ادائے رسوم مذہب میں آزادی اور اختیارات ملکی میں مساوی حقوق دیکر یہود کو اپنی طرف لانا چاہا۔ لیکن انھوں نے ان سب مہربانیوں کا نفرت اور عداوت سے جواب دیا۔ جبکہ یہود سے مواصلت کی تمام امیدیں لاحاصل ثابت ہوئیں اور یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ کی رسالت پر وہ ایمان نہ لاویں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ نماز میں کعبہ معظمہ کی طرف منہ رکھیں (سورہ الم البقرہ ر ۱۴۴)۔

نماز میں سمت قبلہ کی تبدیلی کے معنی جو بادی النظر میں معلوم ہوں اُن سے زیادہ عمیق تھے۔ یہ بات فی الحقیقت اسلام کی قومی زندگی کی ابتدا ہوئی۔ اس حکم نے مکہ میں کعبہ معظمہ کو اہل اسلام کے لیے اسلامی مرکز بنا دیا جیسا کہ مدت دراز سے وہ قبائل عرب کی زیارتگاہ چلا آتا تھا ایسا ہی قابل وقعت اور اہل عرب کی

قدیم رسم حج کو فرائض اسلام میں شامل کرنے کا تھا جس سے ہر مسلمان پر عمر بھر میں کم سے کم ایک دفعہ حج فرض ہوا۔

قرآن شریف میں بہت سی آیات ایسی ہیں جو اسی قومی خیال کے آغاز کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور اہل عرب کو اس استحقاق کے سمجھنے پر تاکید کرتی ہیں جو ان کو اس طرح بخشا گیا کہ اُن ہی کی زبان میں وحی نازل ہوئی اور اُن ہی کے ملک کے ایک آدمی کی زبان سے اُس کو ادا کیا گیا۔

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ سورۃ الزخرف ۲- یعنی ہم نے اس کتاب کو عربی زبان میں اُتارا تاکہ تم سمجھو۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (سورہ شوریٰ ۵) یعنی اور اسی طرح ہم نے تیرے دل میں عربی کلام ڈالا تاکہ تو مکے والوں کو اور اُس کے آس پاس کے لوگوں کو ڈرا دے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ (حم السجدہ ۴۴) یعنی اور اگر ہم اس کتاب کو عربی زبان کے سوا دوسری زبان میں اُتارتے تو وہ کہتے کہ اُس کے احکام اچھی طرح کیوں نہیں سمجھائے گئے یہ تو عربی زبان نہیں ہے اور ہم عربی ہیں۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝ (سورۃ الزمر ۲۸-۲۹) یعنی اور ہم نے لوگوں کے لیے اس کلام میں ہر طرح کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ نصیحت پائیں اور یہ کلام عربی زبان کا بغیر ایچ پیچ کے ہے تاکہ وہ خدا سے ڈریں۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ... بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ۝ (سورہ الشعرا ۱۹۲-۱۹۷)

یعنی بیشک قرآن دو جہان کے پروردگار کا بھیجا ہوا ہے۔ صاف صاف عربی زبان میں ۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (سورۂ مریم ۹۷) یعنی ہم نے قرآن کو تیری زبان میں ہونے سے آسان کر دیا ہے تاکہ تو اس سے خدا سے ڈرنے والوں کو خوش خبری دے۔ اور ہٹ دھرموں کو ڈراوے ۔

لیکن اسلام کا پیغام صرف ملک عرب ہی کے لیے نہ تھا بلکہ کل دنیا کو اس سے حصہ لینا تھا چونکہ خدا واحد تھا اس لیے مذہب بھی واحد تھا جس میں شرکت کے لیے سب آدمی بلائے جاویں اسلام کا یہ استحقاق کہ وہ کل دنیا کے لیے ہے اور سب آدمیوں اور قوموں پر حاوی ہے اس کی عملی مثال اُن مکتوبات میں ملتی ہے جو رسول اللہ صلعم نے ۶ھ ہجری (۶۲۸ عیسوی) میں اُس زمانے کے بڑے بڑے بادشاہوں کے نام بھیجے۔ اسی سال میں شہنشاہ ہرقل، شاہ فارس، حاکم یمن، حاکم مصر اور بادشاہ حبشہ کے پاس ایک ایک نامہ اسلام قبول کرنے کی ہدایت سے بھیجا گیا ہرقل قیصر روم کے نامہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ تھا۔ خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان۔ محمد جو اللہ کا بندہ ہے اور رسول ہرقل قیصر روم کے نام۔ اُس پر سلامتی ہو جو سیدھے رستہ پر چلا۔ اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ ہاں میں تجھ کو اسلام پر بلاتا ہوں۔ اسلام قبول کر اور اللہ تجھکو دوگنا صلہ دے گا۔ اگر تو اسلام لینے سے پھرے گا تو تجھ پر تیری قوم کے گناہ ہوں گے۔ اے اہل کتاب اُس کلام کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لائق ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ سوائے اللہ کے کسی کی بندگی نہ کرو اور کسی شئے کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کرو اور اوروں کو معبود نہ پکارو۔ پس اے اہل کتاب اگر تم انکار کرتے ہو تو خبردار ہو

ہم مسلمان ہیں اور ہمارا دین اسلام ہے۔" یہ نامہ اُن لوگوں کو جن کے پاس بھیجا گیا خواہ کیسا ہی بے معنی معلوم ہوا ہو لیکن زمانہ نے آگے چل کر ثابت کر دیا کہ وہ ایسے جوش سے نہیں لکھا گیا تھا جو خالی خولی ہوتا۔ یہ مکتوبات جو بادشاہوں کے نام بھیجے گئے اسلام کے اس استحقاق کو کہ وہ کل دنیا کی قبول کے لیے ہے اور جس کا ذکر بار بار قرآن میں ہوا ہے کسی قدر زیادہ توضیح اور اعلان سے بیان کرتے ہیں۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ○ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ (سورہ ص آیت ۸۷-۸۸) یعنی یہ تو صرف ایک نصیحت ہے تمام دنیا کے لوگوں کے لیے اور تم ایک زمانہ کے بعد اس کی سچائی جانو گے۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ○ لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ○ سورہ یٰس ۶۹-۷۰) یعنی یہ تو صرف ایک نصیحت اور صاف صاف کلام ہے تاکہ پیغمبر اُن لوگوں کو ڈراوے جو سمجھ رکھتے ہیں اور کافروں پر حجت پوری ہو۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سورۃ السبا ۲۷) یعنی اور ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ تو تمام دنیا کے لوگوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہو۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ○ (سورۃ الصف ۹) یعنی وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک برا جانیں۔

سب سے زیادہ مایوسی کی حالت میں جبکہ اہل مکہ پیغمبر خدا صلعم کی بات کے

ماننے سے انکار کرتے تھے (سورۃ النحل-۲۳-۱۰۴ وغیرہ وغیرہ) جبکہ ان لوگوں کو جنہیں مسلمان کیا تھا ایسی اذیت دی جاتی تھی کہ وہ اسلام سے پھر جاتے تھے (سورۃ النحل-۱۰۸) اور مجبور ہوتے تھے کہ ملک چھوڑ کر بھاگیں تاکہ اپنے ظالموں کے ظلم سے بچیں (سورۃ النحل-۴۳-۱۱۱) تو اُس وقت یہ وعدہ کیا گیا وَیَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ شَہِیْدًا۔ ایک دن ہم اُٹھاویں گے ہر اُمت سے ایک گواہ (سورۃ النحل-۸۹)

اسلام کا یہ استحقاق کہ کافہ خلایق کے قبول کے لیے ہے جس کو رسول اللہ صلعم نے وحی کے ذریعہ سے اوپر کی آیات میں ذکر کیا منصب رسالت سے بھی اس طرح ظاہر ہوا کہ آپ نے بلالؓ کو حبشہ کا پہلا ثمر اور صہیبؓ کو یونان کا پہلا ثمر فرمایا۔ فارس کا پہلا شخص جو مسلمان ہوا وہ مدینہ میں ایک عیسائی غلام تھا اور ہجرت کے پہلے برس میں اُس نے اسلام قبول کیا تھا۔ علاوہ اس کے ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک چین کو تبلیغ رسالت میں شامل فرمایا۔[1] غرض بہت پہلے اس سے کہ ملک گیری کا خواب تک نظر آیا ہو رسول اللہ صلعم نے صاف ظاہر کر دیا کہ اسلام قوم عرب ہی میں محدود نہ رہیگا۔

---

[1] یہ تعجب کی بات معلوم ہوتی ہے کہ باوجود قرآن شریف کی اُن آیتوں کے جو اوپر نقل ہوئیں بعض لوگوں نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ بانی اسلام کا ابتدا ہی سے یہ منشا تھا کہ اسلام کافہ خلایق کا مذہب ہو۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں "یہ خیال کہ اسلام کی میراث ساری دنیا ہے بعد کا خیال ہے اس خیال کو باوجود کثرت احادیث کے خود پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اگر بالکل نہیں تو غیر واضح طور پر سمجھا۔ آنحضرت صلعم کی دنیا عرب تھا ملک تھا اور اسی ملک کے لیے یہ جدید قانون (یعنی اسلام) نافذ ہوا تھا۔ اوّل سے اخیر تک اہل عرب ہی کی اسلام پر دعوت کی جاتی تھی اور کسی کی نہیں۔ ایسے مذہب کا تخم جو تمام دنیا کے لیے ہو ڈال دیا گیا تھا لیکن اس کا جڑ پکڑنا حالات پر منحصر ہوا نہ کسی کے ارادے پر" (کتاب خلافت مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۴۳-۴۴) سنہ ۱۸۹۳ء صفحہ ۳۱

ذیل کا بیان دعاۃ اسلام کے بھیجنے کا جو اسلام کی اشاعت کے لیے سب قوموں میں بھیجے گئے اسلام کے اسی قبول عام کے استحقاق کی طرف اشارہ کرتا ہو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ "تم سب صبح کو میرے پاس آؤ" اور آنحضرت جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو کچھ دیر تک جا نماز پر تسبیح اور دعا میں مصروف رہتے تھے پھر آپ اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے چند صحابیوں کو ایک طرف بھیجا اور چند کو ایک طرف اور اُن سے کہا کہ تم بندگان خدا کے حق میں خدا کا فرض ادا کرنے میں سچے رہو۔ کیونکہ جس شخص کو لوگوں کا کام سپرد کیا جاتا ہے اور پھر وہ اُس فرض کو سچائی سے ادا نہیں کرتا تو خدا اُس پر بہشت کو حرام کر دیتا ہے۔ جاؤ اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کے رسولوں نے جیسا کیا ویسا مت کرو۔ کیونکہ وہ پاس رہنے والوں تک پہنچے اور دور رہنے والوں کو اُنھوں نے چھوڑ دیا۔ پھر وہ جن لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے اُن کی زبان بولنے لگے جب اس کا ذکر آنحضرت سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا خدا کے حقوق جو بندوں کے ذمہ بندوں سے متعلق ہیں اُن میں یہ حق سب سے بڑا ہے۔

اسلام کے عام ہونے کا ثبوت اور اُس کے اس استحقاق کا ثبوت کہ وہ کافۂ خلائق کی قبول کے لیے ہے یہ ہے کہ اسلام ابتدا سے کل بنی نوع انسان کے لیے خدا کی طرف سے مقرر ہوا تھا اور اب از سر نو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جو خاتم النبیین ہیں (سورۃ الاحزاب۔ ۴۰) اس طرح ظاہر کیا گیا جیسے اُنکے

سلہ ابن سعد فقرہ ۔ ۱۰۔ یہ قصہ شاید غیر معتبر ہو لیکن کم از کم اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے تبلیغی اوصاف ابتدا ہی میں سمجھ لیے گئے تھے۔ زید ابن ثابت کو آپ نے فرمایا تھا کہ سریانی اور عبرانی زبان سیکھیں۔ اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ جن صحابہ کو جن لوگوں کے پاس بھیجنے کے لیے تجویز کیا تھا اُنھوں نے اُن لوگوں کی زبان سیکھ لی تھی۔

پہلی نسلوں میں انکے پیغمبروں سے ظاہر ہوا تھا ۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ٥ (سورۃ الیونس۔ ۲۰) یعنی اور سب آدمی ایک ہی گروہ تھے پھر اُن میں اختلاف ہوا اور اگر پہلے سے تیرے پروردگار کا حکم نہ ہو چکا ہوتا تو جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اُس کا فیصلہ اُن میں کر دیا جاتا ۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ۔ (سورۃ الاحقاف۔ ۸) یعنی کہدے کہ میں پیغمبروں میں کچھ نیا نہیں ہوں ۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (سورہ البقرۃ۔ ۲۰۹) یعنی اور سب آدمی ایک ہی گروہ تھے پھر اللہ نے نبیوں کو بھیجا جو خوش خبری دیتے اور ڈراتے تھے اور اُن کے ساتھ سچی کتاب اتاری تاکہ جس میں اُنھوں نے اختلاف کیا اُس کا فیصلہ اُن میں کر دے اور کسی نے بجز اُنکے جن کو کتاب دی گئی تھی آپس کی ضد سے بعد اس کے کہ اُن کے پاس صاف صاف حکم پہنچ گئے تھے اختلاف نہیں کیا۔ پھر اللہ نے اپنی مہربانی سے ایمان والوں کو وہ ٹھیک راہ بتا دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے ۔

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (سورۃ النحل۔ ۱۲۴) یعنی پھر ہم نے تجھ کو وحی کی کہ پیروی کر ابراہیم کے دین کی جو ایک سیدھی راہ کا ہو رہا تھا اور وہ نہیں تھا شریک کرنے والوں میں سے ۔

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا

(سورۃ الانعام ۲۰) یعنی کہدے اے پیغمبر کہ بیشک مجھکو ہدایت کی ہے میرے پروردگار نے سیدھے رستہ کی جو مضبوط دین ہے دین ابراہیم کا جو ایک ہی خدا کا ہو رہا تھا۔

قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (سورہ الم البقرہ ۱۲۹) یعنی یہود اور نصاریٰ سے کہدے کہ تم ٹھیک نہیں کہتے ہو بلکہ ہم پیروی کرتے ہیں ابراہیم کے دین کی جو ایک ہی خدا کا ہو رہا تھا اور وہ نہیں تھا شریک کرنے والوں میں سے۔

قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

(سورہ الم آل عمران ۸۹) یعنی کہدے اے پیغمبر کہ سچ کہا اللہ نے پھر پیروی کرو ابراہیمؑ کے دین کی جو ایک ہی خدا کا ہو رہا تھا اور وہ نہیں تھا شریک کرنے والوں میں سے۔

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ۝ (سورۃ النساء ۱۲۴) یعنی اور کون اچھے دین کا ہے اُس شخص سے جس نے جھکا دیا اپنا منہ اللہ کے لیے اور وہ اچھے کام کرنے والا ہے اور پیروی کی ابراہیم کے دین کی جو ایک ہی خدا کا ہو رہا تھا اور اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنایا تھا۔

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ (سورۃ حج ۷۷) یعنی خدا نے تم کو چنا اور تم پر دین کی کچھ دقت نہیں ڈالی پیروی کرو اپنے باپ ابراہیمؑ کے دین کی خدا نے تمہارا نام رکھا ہے مسلمان۔

اب اُن حالات کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے جبکہ رسول اللہ صلعم مدینہ طیبہ میں تشریف رکھتے تھے ہجرت کے بعد جو درجہ آپ کو حاصل ہوا اُس کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عربوں کی خاص تمدنی حالت کو جو اُس وقت میں کم سے کم جزیرہ نمائے عرب کے اس حصہ پر تھی یاد کیا جاوے۔ کوئی باقاعدہ صیغہ نظم و نسق ملکی جس کے بغیر کسی طرح کے طرز حکومت کا آج کل خیال تک نہیں پیدا ہو سکتا موجود نہ تھا۔ ہر قوم اور قبیلہ ایک دوسرے سے جدا اور بذات خود مختار تھا اور یہ مطلق العنانی نہ قبیلے ہی میں نہ تھی بلکہ قبیلے کے ہر متنفس میں بھی موجود تھی۔ قبیلے کا ہر ایک شخص اپنے سردار کے اختیارات اور افسری کو تسلیم کرتا تھا مگر فقط اس حد تک کہ سردار ایک عام رائے کا ظاہر کرنے والا ہے جس میں یہ بھی شریک ہو۔ مگر وہ آزاد تھا کہ اہل قبیلے کی رائے سے بھی جو رائے سب نے مل کر دی ہو اتفاق کرنے سے انکار کرے۔ علاوہ ان باتوں کے کوئی طریقہ عہدہ سرداری کے انتقال کا باقاعدہ نہ تھا۔ سرداری کے لیے عموماً وہ شخص پسند کر لیا جاتا تھا جو قبیلہ میں سب سے زیادہ دولتمند اور با اختیار خاندان کا سب سے زیادہ معمر شخص ہوتا۔ اور جو اپنی ذات میں یہ وصف رکھتا کہ سب لوگ اس کی عزت کرنے پر مجبور ہوں۔ اگر کوئی قبیلہ بڑھ جاتا تو کئی حصوں میں وہ تقسیم ہوتا تھا جن میں سے ہر حصہ اوروں سے علیحدہ اور با اختیار زندگی بسر کرتا۔ ان حالات سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کس طرح مدینہ میں اہل اسلام کی بڑی اور بڑھنے والی جماعت کے سردار ہو گئے جس نے آپ کو اپنا سردار اور رہادی مانکر اور کسی کی حکومت کو تسلیم نہ کیا اور یہ سب باتیں اس طرح پیش آئیں کہ جو لوگ با اختیار تھے اور اُن کے اختیارات عام طور پر تسلیم بھی ہوتے تھے ان کو کسی طرح کی مضرت کا اندیشہ یا اس بات کا خدشہ پیدا کہ قدیم یونان کے کسی شہر میں یا کسی اور باقاعدہ حکومت رکھنے والی قوم میں پیدا ہو جاتا

کہ اُس کے اختیارات چھن جائیں گے پیدا نہ ہوا۔ رسول اللہ صلعم دنیوی اختیارات اپنے لوگوں پر اسی طرح رکھتے تھے جیسے کوئی خود مختار سردار رکھتا۔ فرق دونوں صورتوں میں فقط یہ تھا کہ خاندان اور نسلی تعلقات کی جگہ مسلمانوں میں دینی رشتہ قائم تھا۔

مؤرخ فون کریمر لکھتا ہے کہ " آنحضرت کی یہ خواہش تھی کہ ایک نئے مذہب کی بنا ڈالیں اور اُس میں وہ کامیاب ہوئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک ملکی انتظام بھی اُنھوں نے پیدا کر دیا جو بالکل جدید اور خاص صورت رکھتا تھا پہلے اُن کی صرف یہ خواہش تھی کہ اپنے ملک والوں کو ایک خدا یعنی اللہ کے ایمان پر لائیں لیکن اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے وطن کی قدیم طرز حکومت کو بدل دیا۔ اور ایسی عملداری کی جگہ جس میں قبیلوں کے امیر اور سردار حکومت کا کام کریں اور باختیار خاندان پبلک کے کاموں میں حصہ لیں انھوں نے ایک خالص خود مختار بادشاہی کو قائم کر دیا اور خود اُس کے بادشاہ بطور زمین پر خدا کے نائب کے ہو گئے۔"

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی تقریباً کل ملک عرب نے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ عرب کا ملک جس نے کبھی پہلے ایک بادشاہ کی فرمانبرداری نہ کی تھی اب اُس نے دفعتاً متمدنی اتحاد ظاہر کیا اور ایک حاکم مطلق کی مرضی پر بیعت کی۔ متعدد چھوٹے اور بڑے اور سینکڑوں مختلف اقسام کے قبیلوں کو جو رات دن آپس میں لڑتے رہتے تھے آنحضرت صلعم کے کلام نے ایک قوم بنا دیا۔ ایک ہی مذہب کے خیال نے جو ایک ہی افسر کے تحت میں ہو عرب کے قبیلوں کو ایک ایسے انتظام میں منسلک کر دیا جس نے عجیب اوصاف تعجب خیز تعجلت کے ساتھ اپنے میں پیدا کر لیے صرف ایک سازبردست اصول تھا جو یہ

نتیجہ پیدا کر سکتا تھا اور وہ ملک عرب میں قومی زندگی کا اصول تھا۔ قبائل کا سلسلہ اس طرح پہلی دفعہ اگر بالکل مٹ نہ سکا (کیونکہ یہ ناممکن تھا) تو اتنا ضرور ہوا کہ مذہبی اتحاد کے تحت میں آگیا۔ اس عظیم الشان کام میں کامیابی ہوئی اور جب آنحضرت کا انتقال ہوا تو ملک عرب کے بہت بڑے حصے پر خدا کا وہ امن چھایا ہوا تھا جس کو عرب کی قوموں نے جن کو لوٹنے اور انتقام لینے سے عشق تھا کبھی جانا تک نہ تھا یہ اسلام ہی تھا جس نے ایسا ملاپ پیدا کرا دیا" (انتہی قولہ)

مدینہ پہنچتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر ہوئی کہ کس طرح اس اعلیٰ تمدنی خیال کو عملی صورت بخشیں آپ نے مکہ کے مہاجروں اور مدینہ کے انصار میں رشتہ اخوت قائم کیا اور اس رشتہ سے تمام قبیلوں کے اختلافات معدوم ہو گئے اور ایک مشترک مذہبی زندگی نسلی رشتوں کی جگہ قائم ہو گئی۔ موت کی صورت میں بھی رشتہ داری کے حقوق علیحدہ کر دیئے جاتے تھے اور اسلامی بھائی میت کے کل مال کا وارث ہو جاتا تھا لیکن جنگ بدر کے بعد جبکہ ایسے مصنوعی رشتہ کی ضرورت مسلمانوں کے اتفاق کے لیے نہ رہی تو یہ قاعدہ منسوخ کر دیا گیا۔ یہ قاعدہ صرف اس وقت تک ضروری تھا کہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور اسلام کی متحدہ زندگی انوکھی بات خیال کی جاتی تھی اس کے علاوہ رسول اللہ صلعم کو مدینہ میں آئے ہوئے کم عرصہ ہوا تھا کہ اہل اسلام کی تعداد میں جلد افزونی ہوتی گئی یہانتک کہ یہ برادرانہ سوشل انتظام ناقابل العمل ہو گیا۔

یہ پہلے ہی خیال ہو سکتا تھا کہ ایسی جماعت کی ترقی کا انجام جو مہاجرین سے بنی ہو اور مخالفوں کے شہر میں رہتی ہو یہ ہو گا کہ آخیر میں لڑائیاں برپا ہو جائینگی چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ تمام کتب سیر جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

ك اسے قرآن کریم (۳) صفحہ ۳۰۹-۳۱۰۔

واقعات زندگی بیان ہیں ان کا بڑا حصہ دو باتوں میں صرف ہوا ہے ایک تو غزوں اور خونریز لڑائیوں کے ذکر میں جو قریش مکہ اور اہل اسلام کے درمیان جاری رہیں اور جن کا سلسلہ سنہ ۳ھ میں جبکہ رسول اللہ صلعم فتحیاب ہو کر مکہ میں داخل ہوئے ختم ہوا۔ اور دوسرے اُن مخالفت کے تعلقات کو بیان کرنے میں جو آپ کی وفات کے زمانہ تک آپ میں اور بہت سے قبائل عرب میں رہے ۔

ان لڑائیوں کا حال لکھنا اس کتاب کی حد سے باہر ہوگا لیکن یہ بات تحقیق کرنی ضروری ہے کہ تبلیغ اسلام کی ابتدائی تاریخ سے یہ لڑائیاں کیا تعلق اور واسطہ رکھتی تھیں یورپ کے مصنفوں نے اس بات کو اکثر لکھا ہے کہ ہجرت کے وقت سے جبکہ رسول اللہ صلعم مدینہ میں پہنچے تو واقعات زندگی کے متغیر ہو جانے سے آپ بالکل جداگانہ صورت میں ظاہر ہوئے۔ اب آپ اسلام کے واعظ اور ناصح آدمیوں میں خدا کے بھیجے ہوئے رسول جن کو آپ اپنے دین کے حق پر ترغیب دیتے جو وحی سے آپ پر نازل ہوا تھا نہ رہے بلکہ نعوذ باللہ ایسے غیر محتاط اور متعصب شخص ثابت ہوئے جو قوت کے طریقوں اور مدبرانہ تدبیروں کو جہاں تک میسر آئیں اپنے واسطے اور اپنی رائے کی ترجیح کے لیے استعمال کرنے لگے۔ (نعوذ باللہ) ۔

لیکن یہ فرض کر لینا بالکل جھوٹ ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو آپ واعظ اسلام نہ رہے یا یہ کہ جب ایک بڑا لشکر آپ کی سرکردگی میں تھا تو آپ نے منکرین کی دعوت اسلام سے کنارہ کیا اُن سے چند مکتوبات اپنی کتاب میں درج کیے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے قبائل عرب کے سرداروں کے نام اور اور لوگوں کے نام علاوہ اُن

سلاطین کے جو ملک عرب سے باہر سلطنتیں رکھتے تھے دعوت اسلام پہنچوائے
اس کتاب میں آگے چل کر وہ واقعات معلوم ہو نگے جن میں آنحضرت نے دعاۃ
اسلام کو ان ہی کے قبیلے کے ایسے لوگوں کے پاس جنھوں نے اسلام قبول نہیں
کیا تھا تلقین اسلام کے لیے روانہ کیا اور بعض صورتوں میں ان دعاۃ کی ناکامی
ہی ان کی سچی داعیانہ کوششوں پر اور اس بات پر کہ کسی طرح جبر استعمال نہیں
کیا گیا دلالت کرے گی +

پس مدینہ کے زمانہ قیام میں رسول اللہ صلعم کی حالت کو سمجھنے کے لیے مفصلہ
ذیل سوالات کے درست جواب ملنے چاہئیں (سوالات یہ ہیں) رسول اللہ صلعم
خود کس حد تک لڑائیوں کے برپا ہو جانے کے ذمہ دار تھے؟ آپ خود پہلے
حملہ کرتے تھے یا آپ پر پہلے حملہ کیا جاتا تھا؟ جب لڑائیاں شروع ہو گئیں تو فتح
کی صورت میں مسلمان مذہب قبول کرنے کے لیے مفتوحین پر جبر استعمال
کرتے تھے یا نہیں یا جیسا بہت لوگوں کو یقین ہے کہ لوگوں کو جبر سے مسلمان کرنا
ہی وہ مقصد تھا جس کے لیے مسلمانوں نے ہتھیار اٹھائے تھے؟ +

یہ کل قضیہ ان حالات سے شروع ہوتا ہے جس کا نتیجہ جنگ بدر ہوا جو اسلامی
تاریخ میں پہلی باقاعدہ لڑائی تھی +

اب ان حالات کے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے +

ایک شخص ترک وطن کئے ہوئے تھا جس نے چند جان نثار رفقا کے ساتھ
ایک اجنبی شہر میں دشمنوں سے پناہ لی تھی - برسوں تک کوشش کی کہ وطن یعنی
مکے کے لوگ اس دین کو قبول کریں جس پر یقین تھا کہ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے

سلہ مدینہ کے زمانہ قیام میں جو لڑائیاں ہوئیں ان سے یہ مراد ہوگی کہ وہ اپنی حفاظت کے لیے تھیں اس
مضمون پر جرمن مصنف کی کتاب "... اسلام" پڑھنی چاہیئے (دی گلڈ رجوبلی سنہ ۱۸۹۶ء صفحہ ۴ ۱۲۶) ...

کوئی شخصی دعویٰ نہ تھا بجز دین برحق کے جس کو وہ سکھاتا تھا اور خدا کے کہنے سے کہتا تھا۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا (سورۃ الکہف۔۱۱) یعنی اے پیغمبر کہدے کہ میں بھی تم جیسا ایک آدمی ہوں مجھکو یہ وحی دی گئی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے پھر جو کوئی خدا سے ملنے کی توقع رکھتا ہے تو اُس کو چاہیئے کہ نیک عمل کرے۔

اول خاموش حقارت اور پھر علانیہ عداوت سے لوگوں نے برتاؤ کیا ہر طرح کے تہتک اور گستاخیوں کو برداشت کیا لیکن اس سخت برتاؤ کا تشدد بڑھتا گیا یہانتک کہ ایذا رسانوں نے جان لینے کا قصد کیا۔ اول صحابہ اور اور مسلمان تھے جن پر ظلم کا زور پہلے صرف ہوا۔ دو دفعہ مسلمان مجبور ہوئے کہ حفاظت کے لیے سمندر پار چلے جاویں۔ وہاں بھی دشمنوں کی عداوت نے پیچھا کیا بہت سے مسلمانوں کو سخت سے سخت اذیت پہنچائی جاتی تھی یہانتک کہ بعض مرجاتے اور وہ اُس دین کے شہیدوں میں شمار ہوتے جس کو انھوں نے کسی حالت میں ترک نہ کیا۔ جب ظالموں کے ظلم برداشت کے قابل نہ رہے اور ایک شہر ایسا ملا جس نے پناہ دینے کا وعدہ کیا تو مسلمانوں نے مدینہ کو ہجرت کی۔ اور ان کے بعد رسول اللہ صلعم ایک تدبیر سے جان سلامت لیکر مدینہ تشریف لے گئے۔

مدینہ میں بھی مسلمانوں کی حالت خطرہ سے خالی نہ تھی۔ اہل مکہ کی خصومت سے یہاں بھی پناہ نہ ملی جنھوں نے مدینہ کے نومسلموں کے تعاقب میں مذبذب نہ کیا اور ان میں سے ایک شخص کو گرفتار کرکے بہت تکلیفیں

دیں؎۔ خود شہر میں یہ نہ تھا کہ مسلمان بالکل دوستوں میں رہتے ہوں۔ یہودی جو مدینہ میں کثرت سے رہتے تھے رسول اللہ صلعم سے خفیہ عداوت رکھتے تھے اور شہر والوں میں بھی بہت لوگ ایسے تھے جو اس وقت تو بے پرواہ تھے لیکن اگر غیروں کے آنے سے ان کے شہر پر قریش کے حملہ کا اور اس کی بربادی اور تباہی کا خوف پیدا ہوتا تو قدرتی طور پر وہ مہاجروں کے دشمن ہو جاتے۔ اس لیے مہاجرین کے لیے یہ ضروری تھا کہ قریش کے حملہ سے وہ ہمیشہ خبردار رہیں مہاجرین اپنے عزیزوں کو جن کو مکہ میں مجبور ہو کر چھوڑنا پڑا تھا بھول نہ سکتے تھے جیسا کہ اس آیت میں ہے:۔

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا۔ (سورۃ النساء ۱۰۰) یعنی مگر جو مرد اور عورتیں اور بچے اس قدر بے بس ہیں کہ کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ کوئی رستہ پاتے ہیں جنکو ظالم ایذا رسانوں کے رحم پر چھوڑ دیا تھا:۔

رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا۔ (سورۃ النساء ۷۷) یعنی اے ہمارے پروردگار ہمکو اس شہر سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی بھیج۔ اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار بھیج:۔

پس اکثر کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ بہت سے چھوٹے فوجی گروہ جن میں بہت کم جمعیت ہوتی تھی قریش کی نقل و حرکت کی خبر لگانے کے لیے نکلتے تھے۔ ان میں سے کوئی مہم سوائے ایک کے ایسی نہ تھی جس میں کشت و خون ہوا ہو اور فریقین ایک دوسرے کی مذمت اور اپنی تعریف کرکے جو عرب کی قدیم رسم

؎ سنہ ہجری میں ایک قریشی سردار نے جسکا نام کرز ابن جابر تھا چند اونٹوں اور گلہ پر جو مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر چرتے تھے ڈاکہ مارا:۔

تھی علیحدہ نہ ہو گئے ہوں۔ لیکن ایک موقع پر ۳ سنہ ہجری میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ ابن حجش کو اٹھ آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لادیں۔ آپ کا تحریری حکم یہ تھا کہ "جب تم اس نامہ کو پڑھو تو بطن نخلہ کی طرف کوچ کرو جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے اور وہاں پہنچ کر قریش کے منتظر رہو اور اُن کی خبر ہمکو دو" ابن حجش نے رسول اللہ صلعم کے حکم سمجھنے میں اپنی سپاہیانہ طبیعت کی دلیری سے بھی کام لیا اور جب مدینہ کو واپس آئے تو دو قیدی اور ایک کارواں کی غنیمت بھی ساتھ تھی۔ یہ فعل ایسا تھا جس میں ابن حجش نے پیغمبر خدا صلعم کے حکم ہی کے خلاف نہ کیا تھا بلکہ اُس عہد کو بھی توڑا تھا جس کی پابندی حج کے مہینوں میں رسم عرب کے مطابق سب لوگ کرتے تھے۔ جب ابن حجش رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ خفگی سے ملے اور کہا "میں نے تجھکو ماہ حرام میں لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا" آپ نے قیدیوں کو رہا کیا اور مکہ کے ایک آدمی کے لیے جو لڑائی میں مارا گیا تھا اپنے پاس سے خوں بہا دیا۔

اوپر کے واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ عرب کے مسلمانوں کی تیزی اور جنگجوئی کو روکنے میں جن کو لوٹ مار سے پیدائشی عشق تھا رسول اللہ صلعم کو کیسی دشواری ہوتی تھی۔ عربوں کی قدیم اور جدید معاشرت کا مقابلہ جو آگے بیان ہوگا اس کام کی دشواری کا کافی ثبوت ہے اور قرآن میں جو احکام (سورۃ النساء ۹۰، سورۃ النحل ۹۳-۹۶ وغیرہ وغیرہ) اس کے متعلق ہیں وہ بھی اس کام کی دشواری کے شاہد ہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دقت اس میں پیدا ہوتی تھی کہ عرب کے مسلمانوں کو لوٹ مار سے روکیں اس وقت کو لوگ نہیں سمجھ سکے اور یہ ہی وجہ ہوئی کہ انھوں نے آپ پر کارواں ابوسفیان کو بقصد لوٹ لینے اور قریش

مکہ کو جنگ بدر پر مجبوراً آمادہ کرنے کا الزام لگایا مسلمان مورخوں نے گو خلاف شہادت دی ہے لیکن قرآن سے جس کو یورپ اور ایشیا کے عالم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں سچی کتاب سمجھتے ہیں ظاہر ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں اور آپ کے صحابہ میں اختلاف تھا کہ قریش کے حملہ کے بارے میں کیا کرنا چاہیئے۔

(۵) كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ○

(۶) يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ○

(۷) وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ○

(سورۃ الانفال-۵-۶-۷) یعنی جیسا کہ تجھکو تیرے پروردگار نے تیرے گھر سے سچائی پر نکالا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا۔ اور وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ سچی بات ظاہر ہو گئی تھی۔ گویا موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اُس کو دیکھ رہے ہیں۔ اور جبکہ خدا نے دو قافلوں میں سے ایک قافلہ کا تم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے لیے ہے اور تم چاہتے تھے کہ وہ قافلہ تمہارے لیے ہو جس میں کچھ شوکت نہیں ہے اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے حکم سے سچی بات کو قایم کرے اور کافروں کی جڑ بنیاد کاٹ ڈالے۔

ان دونوں گروہوں میں جن کا اوپر ذکر ہے ایک گروہ تو ایک کارواں تھا جہاں اسباب سے بھرا ہوا تیس یا چالیس آدمیوں کی جمعیت سے ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے آتا تھا اور دوسرا گروہ ایک لشکر ہزار آدمیوں کا تھا جس کو

سلہ اے۔ سپرنگر جلد یکم صفحہ ۱۵ (محمدؐ کی سیرت کا سرچشمہ قرآن ہی) گرگنر محمدؐ پر کار راکنز بلد دبرلن ۱۸۶۳ء صفحہ ۱۱

قریش مکہ نے ان ظاہری مقصد سے فراہم کیا تھا کہ کاروان ابوسفیان کی محافظت کرے گا جس کی نسبت ان کو خبر پہنچی تھی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس پر حملہ کرنے کا قصد رکھتے ہیں۔ مورخوں نے عموماً اس افواہی خبر کو سچ مانا ہے لیکن قطع نظر اس سے کہ افواہیں جن کو فریق مخالف دوسرے فریق کے منصوبوں کی نسبت مشہور کرتا ہے سب سے ادنی قسم کے بیانات ہیں جو شہادت میں داخل ہو سکتے ہیں جس وقت ہم ان آیات کے معنی پر غور کرتے ہیں تو اس فرضی بات کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے۔

۱۔ پانچویں آیت کے الفاظ سے یقینی معلوم ہوتا ہے کہ جب اختلاف شروع ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہی میں تھے۔ اور اس وقت تک کارواں کو راہ میں روکنے کے لیے کوچ نہیں کیا تھا جیسا کہ بہت سے مورخوں نے تسلیم کیا ہے۔ اور یہ کہ بعض صحابہ راضی نہ تھے کہ حملہ قریش کے روکنے کے لیے جو کوچ کرنا تجویز ہوا تھا اس میں آنحضرت کا ساتھ دیتے۔

۲۔ رسول اللہ صلعم کے حکم سے صحابہ کو مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ سمجھتے تھے "گویا وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور اپنے مارے جانے کو دیکھتے ہیں" (سورۃ الانفال آیت ۶) وہ چند لوگ جو ابوسفیان کے قافلہ کے ساتھ تھے ان کی وجہ سے کبھی ایسا خوف پیدا نہ ہو سکتا تھا پس ضرور ہے کہ آنحضرت نے لشکر قریش کے مقابلہ کا جو حملہ کرنے والا تھا حکم دیا ہوگا۔

۳۔ اگر رسول اللہ صلعم کارواں پر حملہ کرنے کا قصد رکھتے تو ضرور مدینہ سے شمال کی سمت میں کوچ کرتے تاکہ کارواں کو شام کے رستے میں روکیں نہ کہ جنوب کی سمت میں بدر کی طرف جاتے جو مکہ اور مدینہ کے رستے پر واقع تھا اور بالکل اسی سمت میں تھا جس میں آپ کو حملہ قریش کی مدافعت کے لیے جو آپ کے محافظوں

کے شہر پر ہونے والا تھا کوچ کرنا ضروری ہوا۔

۴۔ اگر قریش کی غرض فقط یہی ہوتی کہ کاروان ابوسفیان کی مدد کریں تو جب اُنھوں نے رستے میں سُنا تھا کہ کاروان مکہ میں سلامت پہنچ گیا تو اس وقت قریش کو واپس چلا جانا چاہیے تھا۔ مگر بجائے اس کے قریش نے مدینہ کی طرف بڑھ کر اپنا اصلی مقصد ظاہر کر دیا۔

مذکورہ بالا دلائل اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ مکہ میں جو خبر آنحضرت صلعم کی نسبت مشہور ہوئی تھی کہ کاروان ابوسفیان پر حملہ کرنے کے لیے آپ تیاری کرتے ہیں وہ بالکل بے بُنیاد تھی۔ رسول اللہ صلعم کے بعض صحابہ نے شاید ایسا خوف پیدا ہو جانے کا موقع دیا ہو لیکن آنحضرت کو اس بات سے کہ آپ نے قریش کے ناگزیر حملے سے مسلمانوں کا جلد مقابلہ کرا دیا بالکل بری کرنا چاہیے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ مکہ سے لشکر کشی کا سبب یہی خبر ہوئی تھی تو بھی لشکر قریش میں اس کثرت سے آدمیوں کا ہونا صاف ظاہر کرتا تھا کہ کاروان کی حفاظت اصلی مقصود نہ تھا بلکہ مدینہ پر حملہ کرنے کی نیت تھی۔ پس پیغمبر خدا صلعم پر اس بات کا الزام نہیں لگایا جا سکتا کہ قریش کے مقابلہ میں آپ نے اپنے شہر کی محافظت کے لیے جس نے آپ کو اور مہاجرین کو پناہ دی تھی کوچ کیا اور اس محاصرہ کی سخت بلاؤں سے بچانا چاہا جن میں وہ اپنے موقع اور حالت کی وجہ سے مبتلا ہو کر سخت نقصان اُٹھاتا۔[1]

اگر یہ اور اعتراض کیا جاوے کہ معاملات جنگ میں دخل دینا ہی شان رسالت

---

[1] دیکھو ڈبلیو سن "مدینہ کا شہر کھلیانوں اور گاؤں اور مکانات کا جن کے گرد فصیلیں ہوتی تھیں مجموعہ تھا جن میں سے بعض قریب اور بعض دور دور واقع تھے) اور یہ سب موقعے کھجوروں کے درختوں اور باغوں اور کھیتوں میں اس طرح واقع تھے کہ کچھ یہاں ہیں اور کچھ وہاں" انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ جلد چہارم صفحہ ۴)۔

کے خلاف تھا تو یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلعم کی تلقین میں یہ قول شامل تھا۔ "میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں ہے"۔

یہ اس کتاب کی حد سے زائد ہوگا کہ رسول اللہ صلعم کی تمام لڑائیوں کا ذکر اس میں کیا جاوے اور یہ دکھایا جاوے کہ کسی صورت میں جبراً مذہب تبدیل کرانا ان لڑائیوں میں سے کسی لڑائی کا مقصد نہ تھا یہ مضمون بہت تفصیل و بسط سے اس تصنیف میں بیان ہے جس سے میں نے مذکورہ بالا دلائل کو اخذ کیا ہے اگر کوئی صاحب اس مضمون کو زیادہ تفصیل سے پڑھنا چاہیں تو میں ان کو اسی تصنیف کا حوالہ دیتا ہوں[۱]۔

یہاں یہ ظاہر کر دینا کافی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ایسی اسلامی جماعت کے سردار ہو گئے جو مسلح تھی تو آپ میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہوئی اور جیسا کہ بعض لوگوں نے یقین کیا ہے آپ ایسے متعصب شخص نہیں ہو گئے کہ ہاتھ میں تلوار لے کر جو ملتا اس سے اپنا دین قبول کرواتے بلکہ اس کے برخلاف ہجرت کے بعد بھی دعوت اسلام میں کہ بت پرست اہل عرب اسلام قبول کریں بالکل اسی طرح کی کوششیں جاری رہیں جیسے مکی ضعف کے زمانہ میں صرف ہوتی تھیں اور اس کتاب میں اس قسم کی تحریک اشاعت کی مثالیں کثرت سے جمع کی گئی ہیں۔

لڑائیوں کے زمانہ میں جبکہ قریش کی عداوت نے رسول اللہ صلعم اور آپ کے صحا

---

[۱] سید احمد خاں، تفسیر القرآن جلد چہارم (تصانیف احمدیہ حصہ اول جلد ششم) علی گڑھ ۱۸۸۵ء

[۲] معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کو میور نے بھی جہاں بنو قریظہ (۵ سنہ ہجری) کے قتل کا حال لکھا ہے تسلیم کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ "بجز ظاہرا وجوہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کیا وہ صاف صاف ملکی وجوہ تھیں۔ کیونکہ انہوں نے اسلام کو بجبر قبول کروانا یا لوگوں کو اسلام قبول نہ کرنے پر سزا دینا اپنا کام نہ ٹھیرایا تھا" میور (۲) جلد سوم صفحہ ۲۸۲۔

کو مقابلہ پر مجبور کیا تو دعوت اسلام کا بہت کم موقع ملا۔ البتہ مدینہ کے باشندوں اور مکہ کے چند لوگوں میں جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اشاعت کی کوششیں جاری رہیں۔ مکہ کے ایک شخص عمیر ابن وہب جو جنگ بدر کے بعد پیغمبر خدا صلعم کو قتل کرنے کے قصد سے مدینہ میں آئے ہے تھے مسلمان کر لیے گئے اور وہ شخص جو اس وقت تک مسلمانوں کے حق میں سخت ظالم رہے تھے اسلام قبول کر کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابہ میں سے ہوئے ہجرت کے چوتھے برس میں (۶۲۵ء) یہ کوشش کی گئی کہ بنو عامر ابن صعصعہ کو اسلام کی تلقین کی جاوے۔ چنانچہ جب بنی صعصعہ کے سردار نے مسلمانوں کو بلایا تو چالیس مسلمان نجد کو روانہ کیے گئے مگر سب کو دھوکہ دیکر قتل کیا گیا۔ صرف دو شخص جانیں سلامت لیکر بھاگ سکے۔

لڑائیوں میں مسلمانوں کی فتوحات نے روز بروز مختلف قبائل کے لوگوں کو خاص کر ان کو جو مدینہ کے قریب رہتے تھے اس طرف رجوع کیا کہ مسلمان ہو کر اہل اسلام کی تعداد کو ترقی دیں۔ سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ "آنحضرت جس حسن اخلاق سے قبائل عرب کے وفود سے برتاؤ کرتے اور جس توجہ سے اُن کی شکایتوں کو سنتے اور جس فہم و فراست سے اُن کے باہمی نزاع کو فیصل کرتے اور جس تدبیر سے انتظام ملکی اُن کو تفویض فرماتے جو اس بات کا صلہ تھا کہ جا بجا اسلام کا اقرار کریں ان سب باتوں سے آپ کا نام ہر شخص کو عزیز ہو گیا اور آپ کی شہرت کہ بڑا فیاض بادشاہ ہے کل جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گئی (انتہیٰ قولہ)"

ایسے واقعے شاذ نہ تھے کہ کسی قبیلے کا آدمی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

۵ میور (۳) جلد چہارم صفحہ ۱۰۷ - ۱۰۸ -

پاس مدینہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا اور پھر داعی اسلام بنکر وطن کو واپس چلا گیا۔ تاکہ اپنے قبیلہ والوں کو بھی اسلام پر لائے۔ ذیل کا واقعہ ۵ھ ہجری میں اسی طرح ایک عرب کے اسلام قبول کرنے کا ہے۔ اِس واقعہ کو ایک شخص نے چشم دید اِس طرح بیان کیا ہے:-

"ایک روز جب ہم سب مسجد میں بیٹھے تھے تو ایک بدّو اونٹ پر سوار آیا۔ مسجد کے صحن میں اُس نے اونٹ کو بٹھایا اور باندھ دیا۔ تب وہ ہمارے قریب آیا اور پوچھا "کیا محمدؐ تم میں ہیں؟" ہم نے جواب دیا "وہ ہیں جو کہنیوں کو تکیہ پر ٹیکے ہوئے ہیں" بدّو نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا "کیا تم عبدالمطّلب کے بیٹے ہو؟" رسول اللہ صلعم نے جواب دیا "ہاں" بدّو نے کہا "مجھے یقین ہے کہ چند سوالات پوچھنے سے تم ناراض نہ ہو گے" رسول اللہ صلعم نے فرمایا "جو تیری مرضی ہو پوچھ" بدّو نے پوچھا میں تمکو خدا کی قسم اور اُن کے خداؤں کی جو تم سے پہلے تھے قسم دلاتا ہوں کہ مجھکو بتاؤ کیا اللہ نے تم کو سب آدمیوں کے لیے بھیجا ہے" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "ہاں قسم ہے اللہ کی" بدّو نے پھر پوچھا میں تم کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کیا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے کہ دولتمندوں سے دسواں حصّہ لو تاکہ مسکینوں میں تقسیم کرو؟ رسول اللہ صلعم نے جواب دیا "ہاں قسم ہو اللہ کی" تب بدّو نے کہا "میں اِس وحی پر جو تمہارے پاس آئی یقین کرتا ہوں اور میں ضمام ابن ثعلبہ ہوں اور اپنے قبیلے کا فرستادہ ہوں" اسکے بعد ضمام اپنے قبیلے کو واپس گیا اور قبیلے کے سب

لوگوں کو مسلمان کیا[۱]"

ایسے ہی داعیِ اسلام عمر ابنِ مرہ تھے جو بنو جہینہ کے قبیلے سے تھے اور یہ قبیلہ بحیرۂ احمر کے ساحل اور مدینہ کے درمیان رہتا تھا۔ عمر ابنِ مرّہ کے اسلام لانے کا زمانہ ہجرت سے پہلے تھا اور اپنے مسلمان ہونے کا حال اُنہوں نے اس طرح بیان کیا ہے "ہمارے ہاں ایک بُت تھا اور ہم اُسکو پوجتے تھے اور میں اُس کا مجاور تھا۔ جب میں نے رسولِ خدا کی خبر سُنی تو اُس بُت کو میں نے توڑ ڈالا۔ اور مدینہ میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا اور کلمۂ شہادت پڑھا اور حلال اور حرام کے جو احکام آنحضرت پر نازل ہوئے تھے اُن پر ایمان لایا اور اُس وقت میں یہ اشعار پڑھتا تھا۔

شهدت بان الله حق و اننی لا لهة لاحجار اول تارك
و شمرت عن ساقی الازار مهاجرا الیك اجوب الوعث بعد الدكادك
لاصحب خیر الناس نفسا و والدا رسول ملیك الناس فوق الحبائك

(ترجمہ۔ میں نے گواہی دی اس بات کی کہ اللہ برحق ہے اور میں پتھر کے خداؤں کو پہلا ترک کرنے والا ہوں۔ اور میں نے اپنے وطن سے جُدا ہونے پر کمر باندھی تاکہ میں ریتیلے اور چٹیل میدانوں کو طے کر کے آپ کے پاس پہنچوں اور اُس شخص سے جا ملوں جو اپنی ذات اور بزرگوں کے لحاظ سے سب لوگوں سے افضل ہے اور وہ اُس خدا کا رسول ہے جو تمام انسانوں کا بادشاہ آسمانوں پر ہے)

رسول اللہ صلعم نے عمر ابنِ مرّہ کو مسلمان ہونے کے بعد اُن کے قبیلے میں دعوتِ اسلام کے لیے روانہ فرمایا اور آخر کار وہ اپنی کوششوں میں اس قدر کامیاب ہوئے کہ صرف ایک شخص ایسا تھا جس نے عمر ابن مرّہ کی تلقین کو نہ سُنا[۲]۔

---

[۱] سیر نگر۔ جلد سوم۔ صفحہ ۲۰۲ - ۲۰۳ - [۲] ابن سعد فقرہ (۱۱۸)۔

صلح حدیبیہ (سنہ ۶ ہجری) کے بعد جب اہلِ مکہ سے دوستانہ تعلقات ممکن ہوئے تو مکہ کے بہت لوگ جن کو موقع نہ ملا تھا کہ شروع زمانۂ رسالت میں پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتلقین سے بہرہ مند ہوتے اب مدینہ میں اِس غرض سے آئے کہ اسلام قبول کریں اور اُن میں سے بعض لوگ بہت رسوخ والے تھے +

اہلِ مکہ سے متواتر لڑائیاں رہنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو قبیلے مکہ سے جنوب کی طرف رہتے تھے وہ اب تک اسلام سے بالکل ناواقف اور اُس کے اثر سے محروم تھے۔ لیکن صلح حدیبیہ کے بعد جنوبی عرب سے مراسلت ممکن ہوگئی اور قبیلۂ بنو دوس کے چند لوگ پہاڑوں سے اُتر کر جو یمن کی شمالی سرحد قائم کرتے ہیں پیغمبرِ خدا صلعم کی خدمت میں حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔ آپ سے پہلے بنی دوس میں چند لوگ ایسے تھے جنہوں نے ایک ایسے مذہب کی جھلک دیکھی تھی جو بُت پرستی کے مذہب سے جس میں وہ مبتلا تھے کسی قدر اعلےٰ تھا اور انھوں نے استدلال کیا تھا کہ دنیا ضرور کوئی خالق رکھتی ہے۔ گو اُن کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ خالق کون ہے۔ اور جب آنحضرت صلعم اُس خالق کے رسول ہوئے تو اُن میں سے ایک شخص جن کا نام طفیل تھا آپکی خدمت میں یہ تحقیق کرنے کے لیے آئے کہ اِس دنیا کا خالق کون ہے۔ رسول اللہ صلعم کے سامنے اُنھوں نے اپنی تصنیف سے چند نظمیں پڑھیں اور آپ نے قرآن کی تین اخیر سورتیں طفیل کو سُنائیں اور ان کو مسلمان کرلیا۔ رسول اللہ صلعم نے یہ کام اُن کے سپرد فرمایا کہ اپنے لوگوں میں جادیں اور اسلام کا وعظ کریں۔ شروع میں طفیل کو کچھ کامیابی نہ ہوئی اور سوائے باپ اور بیوی اور چند دوستوں کے جو تحقیق حق میں اُنکے ساتھی تھے کم لوگ مسلمان ہوئے اشاعت کی ناکامی پر مایوس ہوکر طفیلؓ پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا بنی دوس سخت گردن کے لوگ ہیں اُنکے حق میں

بد دعا کیجیے" لیکن رسول اللہ صلعم نے دعا کی "یا رب! بنو دوس کو سیدھے راستے پر ہدایت کر" آپ نے طفیلؓ کو واپس بھیجا کہ تبلیغ اسلام میں از سرِ نو کوشش شروع کریں۔ اس دفعہ طفیل کے ایک دوست نے بھی ان کی مدد کی اور یہ دونوں گھر گھر وعظ کرتے پھرے۔ اور سنہ ۶ ہجری میں قبیلہ دوس کے بڑے حصہ کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہوئے۔ دو برس کے بعد کل قبیلے نے بُت پرستی کے عقائد کو بالکل ترک کر دیا اور سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ طفیل رضؓ نے اُس لکڑی کے ٹکڑے میں آگ لگا دی جس کی پرستش اس وجہ سے ہوتی تھی کہ وہ قبیلے کا بُت تھا۔[۱]

سنہ ۹ ہجری میں پندرہ اور قبیلوں نے رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت قبول کی اور سنہ ۸ ہجری میں فتح مکہ کے بعد اسلام کا عروج یقینی ہو گیا۔ اور وہ عرب جو یہ کہکر علیحدہ رہے تھے کہ محمدؐ اور اُس کے قبیلے کے لوگوں کو لڑکر فیصلہ کر لینے دو اگر اُسکو فتح ہوئی تو بیشک وہ سچا رسول ہوگا۔ اب اسلام قبول کرنے کے لیے دوڑے آئے۔ فتح مکہ کے بعد جو لوگ مسلمان ہوئے اُن میں بعض شخص وہ تھے جو شروع زمانہ رسالت میں رسول اللہ صلعم کے سخت دشمن اور ایذا پہنچانے والے تھے مگر آپ نے اپنے تحمل اور عفو سے کام لیکر اخوتِ اسلام میں ان کو شامل فرمایا۔ اسی سال میں عروہ ابن مسعود جو اہلِ طائف کے سرداروں میں سے تھے شہید ہوئے۔ اہلِ اسلام نے طائف کو فتح کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہے تھے۔ عروہ ابنِ مسعودؓ اُس زمانہ میں یمن گئے ہوئے تھے اور طائف کا محاصرہ اُٹھنے کے تھوڑے عرصہ بعد وہ اس سفر سے مدینہ میں واپس آئے۔ دو برس پہلے حدیبیہ میں وہ پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرفِ ملازمت حاصل کر چکے تھے۔ اور آپ کی عظمت اُن کے دل میں بیٹھ چکی تھی۔ اب مدینہ میں وہ اس غرض سے آئے تھے کہ اسلام قبول کریں۔ مسلمان ہونے کے بعد

---

[۱] ہیز نگر جلد سوم صفحہ ۲۵۵ و ۲۵۶ — البخاری نے جزء اول سے نقل کیا۔ (۳ م) صفحہ ۳۱۵

اسلام کا جوش اُن کے دل میں ایسا موجزن ہوا کہ طائف جانے کا قصد کر لیا تاکہ اہل وطن کو اسلام کی ہدایت کریں اور باوجود رسول اللہ صلعم کی کوشش کے اُن کو ایسے خطرناک کام سے باز رکھیں۔ عروہ ابن مسعود اپنے وطن طائف کو واپس چلے گئے اور وہاں پہنچکر علانیہ ظاہر کیا کہ بُت پرستی میں نے ترک کر دی ہے اور لوگوں سے کہا کہ تم بھی میری مثال کی پیروی کرو۔ پس جب وقت اسلام کا وعظ کرتے تھے تو ایک تیر اُن کے لگا جس نے کاری زخم پہنچایا اور خدا کا شکر کر کے کہ اُس نے شہادت کا رُتبہ بخشا عروہ ابن مسعود شہید ہو گئے۔ غالباً ایک برس کے بعد رسول اللہ صلعم کے ایک اور صحابی نے تبلیغ اسلام کے لیے یمن میں کوشش کی اور اُس میں اچھی کامیابی ہوئی۔ اِس واقعہ کا ذکر اِس طرح ہوا ہے۔ رسول اللہ نے الحرث اور مسرح اور نعیم ابن عبد کلال حمیری کو لکھا "تم پر سلامتی ہو جب تک کہ تم خدا اور خدا کے رسول پر ایمان رکھتے ہو۔ خدا ایک خدا ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اُس نے موسےٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور عیسےٰ کو اپنے کلمہ سے پیدا کیا۔ یہودی کہتے ہیں کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ خدا تین میں سے ایک ہے۔ اور عیسےٰ خدا کا بیٹا ہے"۔ رسول اللہ صلعم نے عیاش ابن ربیعۃ المخزومی کے ہاتھ یہ نامہ روانہ کیا اور فرمایا "جب تم اُن کے شہر میں پہنچو تو رات کو نہ جانا بلکہ صبح تک انتظار کرنا تب وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھنا اور اللہ سے دعا مانگنا کہ تم کو کامیابی بخشے اور تمہارا خیر مقدم ہو اور تم ضرر سے امان میں رہو۔ تب میرا خط اپنے داہنے ہاتھ میں لینا اور اپنے داہنے ہاتھ سے اُن کے داہنے ہاتھ میں دینا اور وہ اُس کو لیں گے اور اُن کے سامنے سورۃ البینۃ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ○ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ○ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ○ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ○ وَمَا

أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ أُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ أُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝ جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے (دین حق یعنی اسلام کو) نہیں مانتے وہ (اپنے دین غلط سے) بے اسکے تو ٹلنے والے تھے نہیں کہ انکو کوئی کھلی ہوئی دلیل پہنچے (اور وہ دلیل یہی تھی کہ) خدا کی طرف سے کوئی پیغمبر (آئے اور کلام الٰہی کے) مقدس اوراق (انکو پڑھکر سنائے (اور) انہیں کی (اور) معقول باتیں لکھی ہوں اور (یہ جو) اہل کتاب (متفرق ہوئے بعض اسلام لائے اور اکثر اپنی ضد پر اڑے رہے تو (اس) دلیل (یعنے رسول) کے آئے پیچھے ہی متفرق ہوئے حالانکہ (جو لوگ مخالف رہے) ان کو (اس رسول کے ذریعہ سے) یہی حکم دیا گیا کہ خالص اللہ کی بندگی کی نیت سے یکسو ہوکر اسکی عبادت کریں اور نماز پڑھیں۔ اور زکوٰۃ دیں۔ اور یہی (وہ) ٹھیک دین ہے (جو پیغمبر نے ان کو تعلیم کیا مگر ناحق کی ضد کا کیا علاج) بے شک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ (دین حق سے) انکار کرتے تھے (وہ آخر کار) دوزخ کی آگ میں ہوں گے (اور) اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہی لوگ بدترین خلائق ہیں بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کئے۔ یہی لوگ بہترین خلائق ہیں۔ (کہ) ان کا بدلہ ان کے پروردگار کے ہاں رہنے کے باغ (بہشت) ہیں جن کے تلے نہریں (پڑی) بہ رہی ہوں گی۔ (اور) وہ ان میں سدا کو ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش اور یہ اس سے خوش۔ یہ (اجر) اس کے لیئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے۔

اور جب ختم کر چکو تو کہنا "محمد اس پر یقین کرتا ہے اور میں اس پر ایمان لانیوالوں میں پہلا ہوں" اور جو اعتراض وہ تمہارے خلاف کرینگے تم اُس کا جواب دیسکو گے اور جو حکمتی کتاب وہ تمہارے سامنے پڑھیں گے اُسکی ٹھیک جاتی رہیگی اور جب وہ غیر زبان میں بولیں تو کہنا "ترجمہ کریں" اور اُن سے کہو کہ "خدا میرے لیے کافی ہے میں نے بھیجی ہوئی کتاب پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھکو حکم ہے کہ تم میں انصاف کروں

خدا ہمارا رب ہے اور تمہارا رب۔ ہمارے کام ہمارے ہیں اور تمہارے کام تمہارے کوئی جھگڑا ہم میں اور تم میں نہیں۔ خدا ہم سب کو ملا دے گا اور ہم سب کو اُسی کے پاس جانا ہے" اگر اس کہنے پر وہ اسلام قبول کریں تو اُن سے تین لکڑیوں کی نسبت پوچھو جن کے سامنے وہ جمع ہو کر بندگی کرتے ہیں۔ اِن لکڑیوں میں سے ایک لکڑی اثل یعنی جھاؤ کی ہے جس پر سفید اور زرد داغ ہیں اور ایک بید کی طرح مڑی ہوئی ہے اور دوسری آبنوس کے مانند سیاہ ہے۔ اِن لکڑیوں کو باہر لانا اور اُن کے بازار میں جلا دینا" عیاش نے بیان کیا "پس میں روانہ ہوا۔ تاکہ رسول اللہ صلعم نے جو حکم دیا تھا اُس کی تعمیل کروں۔ جب میں پہنچا تو دیکھا کہ سب لوگوں نے کسی میلے کے لیے آراستگی کی ہے میں اُن کے دیکھنے کو آگے بڑھا اور آخر کار تین بڑے پردوں کے قریب آیا جو تین دروازوں پر لٹکے ہوئے تھے۔ میں نے پردہ اُٹھایا اور بیچ کے دروازہ سے داخل ہوا اور دیکھا کہ مکان کے صحن میں لوگ جمع ہیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھیجا ہوا ہوں۔ اور میں نے وہی کیا جو رسول اللہ صلعم نے مجھ کو بتایا تھا۔ اور ان لوگوں نے میری بات کا خیال کیا اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ رسول نے کہا تھا"[۵۱]

سنہ ۹ ہجری میں واثلہ ابن الاسقع نے جو نئے مسلمان ہوئے تھے یہ کوشش کی کہ اپنے قبیلے کو اسلام کی ترغیب دیں جس کو اُنہوں نے رسول اللہ صلعم سے ملنے کے بعد قبول کیا تھا۔ مگر اس کوشش میں کامیابی کم ہوئی۔ واثلہ رضہ کے باپ نے یہ کہکر ان کو علیحدہ کر دیا "خدا کی قسم میں تجھ سے کبھی بات نہ کرونگا" اور کوئی شخص سوائے اُن کی بہن کے ایسا نہ ملا جو واثلہ رضہ کی ہدایت پر یقین کرتا۔ اُن کی بہن نے اُن کے لیے سامان مہیا کر دیا کہ وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں واپس چلے جاویں[۵۲]۔ یہ ہجرت کا نواں

---

[۵۱] ابن سعد نوٹ ۵۶ [۵۲] ابن سعد۔ نوٹ ۹۱

سال سنۃ الوفود کہا گیا ہے کیونکہ عرب کے بہت سے قبیلوں اور شہروں نے اپنے آدمی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیے تاکہ آپ کی اطاعت قبول کریں۔ اہلِ عرب میں سوشل اتحاد کے نئے اصول یعنی اسلامی اخوت کے اجرا نے قبیلوں کی بندشوں کے زور کو جس نے سوسائٹی کی عمارت کو نسلی رشتوں کی بنیاد پر قائم کیا تھا ضعیف کرنا شروع کر دیا۔ کسی شخص کا مسلمان ہونا اور اسلامی سوسائٹی میں داخل ہونا اہلِ عرب کے اصولِ معاشرت کے ایک ضروری قاعدہ کو توڑنا تھا اور چونکہ ایسی مثالیں کثرت سے پیش آئیں اس لیے یہ مثالیں قبیلوں کے انتظام کی تحلیل کا قوی سبب ہوگئیں اور قبائل کا سلسلہ و رشتہ اہلِ اسلام کی قومی زندگی کے سامنے جس نے مسلمانوں کو مضبوطی کے ساتھ متفق اور متحد کر دیا تھا کمزور رہ گیا۔ اس لیے عرب کے قبیلوں کو شوق ہوا کہ رسول اللہ صلعم کی اطاعت قبول کریں صرف اس خیال سے نہیں کہ آپ ملکِ عرب میں سب سے بڑی فوجی قوت کے سردار ہیں بلکہ اس خیال سے کہ آپ ایسے اصولِ معاشرت کے معلم ہیں جس نے اور سب طرح کے سوشل انتظام کو ضعیف اور بے تاثیر کر دیا۔[۱] اس طریقہ سے اسلام نے مختلف قبائل کو جو اس وقت تک برابر لڑائیوں میں مصروف تھے متحد کرنا شروع کر دیا اور جوں جوں یہ متحدہ جماعت ترقی پاتی گئی کمزور قبیلے اس میں شریک ہوتے گئے۔ قبائلِ عرب کے مسلمان ہونے کے حال میں رسول اللہ صلعم کے اس وعدہ کا بار بار ذکر ہوا ہے کہ اسلام قبول کرنے پر دشمنوں سے ان کی حفاظت کی جاویگی جب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی خبر ایک عرب نے سنی تو چلا کر بولا "افسوس ہے مجھ پر محمد کی وفات کا۔ جب تک کہ وہ زندہ تھا میں اپنے دشمنوں سے حفاظت اور امن میں تھا" اور یہی آواز تمام عرب میں گونج گئی ہوگی

[۱] دیکھو سپرنگر جلد سوم صفحہ ۳۶۰ - ۳۶۱ -

یہ بات کہ بہت سے قبائل عرب کا اسلام کے ساتھ تعلق کیسا اوپری تھا اِس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کا انتقال ہوتے ہی اُن قبیلوں میں عام طور پر اسلام سے انحراف پیدا ہو گیا۔ اِس سے خیال ہوتا ہے کہ ان قبیلوں کا اسلام قبول کرنا بجائے اس کے کہ روحانی روشنی یا کسی جوش کا نتیجہ ہو اکثر ملکی ضرورت سے یا ظلم کے خوف سے پیش آیا ان قبیلوں نے اپنے تئیں اس منجدھار میں ڈال دیا جو ایک عظیم الشان قومی تحریک کا دریا ہو گیا تھا۔ اور فتح مکہ کے بعد جو لوگ سرد دلی اور نفع کے سوچ بچار سے مسلمان ہوئے اُن میں دین کا وہ جوش اور حمیت ہم نہیں دیکھتے جو ابتدائے زمانہ کے مسلمانوں میں تھی لیکن اُن میں بھی بہت لوگ ایسے ضرور ہوں گے جنہوں نے سچے دل اور جوش اسلام سے متاثر ہو کر اور جیسا ہم نے دیکھا ہے مستعد ہو کر کہ اگر ضرورت پڑے تو بھائیوں کی تعلیم و تلقین میں جانیں تک فدا کر دیں سچے دیندار مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کیا ہو گا۔ اگر ایسے دیندار پر جوش مسلمان نہ ہوتے تو اسلام کی وسیع تحریک کبھی سالم نہ رہتی اور یہ تو ہرگز نہ ہوتا کہ بانیِ اسلام کی وفات کے صدمہ سے نکل کر وہ کبھی بحال ہوتے کیونکہ یہ کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ عرب کے بُت پوجنے والے ملک میں اسلام کس قدر صاف طور پر ایک جدید تحریک تھا اور قدیم اور جدید طرزِ معاشرت کے نمونے کیسے برعکس واقع ہوئے تھے[1]۔ اور ملکِ عرب میں تبلیغِ اسلام سے یہ مراد نہ تھی کہ چند وحشی رسوم اور ظلم کی عادتوں کو مٹا دیا جاوے، بلکہ قدیم طرزِ معاشرت کا قطعاً قلب ماہیت کر دینا مقصود تھا۔

جو باتیں اوپر بیان کی گئیں اُن میں کامل ثبوت اِس بات کا ملتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی تلقین و تعلیم میں جو ملتِ اسلام اور اُس پر عمل کرنے کی ہدایت کیلئے ظاہر ہوئے

---

[1] یہ بات کسی کتاب میں اس قدر تفصیل اور صفائی سے بیان نہیں ہوئی ہے جیسے کہ پروفیسر گولڈزیہر کی تصنیف میں اس کا ذکر ہوا ہے۔ میں نے یہ مضمون اسی تصنیف سے اخذ کیا ہے (محمدانشی سٹوڈین۔ جلد ۱۔)

تبلیغی مذہب کے خالص اوصاف موجود ہیں۔ اگسٹی کونٹ فلسفی نے دو باتوں میں فرق بیان کیا ہے۔ اول تو وہ عالی طبع شخص جو ایک تحریک کو ایجاد کرتا ہے اور اپنی ہی طبیعت کی قوت سے اس تحریک کو زندہ رکھتا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو اپنے وقت کے لوگوں کے خیالات اور اغراض کی محض زبان ہوتا ہے۔ یہ فلسفی لکھتا ہے "بعض اوقات عالی طبع شخص پہلے پیدا ہوتا ہے اور اپنی طبیعت کو خاص مقصد پر جماتا ہے اور پھر تمام جزئی قواء کو فراہم کرتا ہے جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہوں۔ سوشل تحریکوں کی صورت میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ بہت سی مخصوص اغراض کا باہمی میلان خود بخود شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ایک شخص ایسا پیدا ہوتا ہے جو اس باہمی میلان کے لیے ایک مرکز قائم کر دیتا ہے اور ان کو جمع کرکے ایک کر دیتا ہے[۵]" اس مسئلہ پر اکثر بحث ہوئی ہے اور کہا گیا ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اخیر قسم کے لوگوں میں تھے۔ اور جس طرح فلسفہ پوزیٹوزم نے کوشش کی کہ پولس رسول کو بجائے عیسے علیہ السلام کے عیسوی مذہب کا بانی قرار دے اسی طرح بعض لوگ عمر رضی اللہ عنہ کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں کہ ابتدائے تاریخ اسلام میں اسلام کو توانائی بخشنے والی روح وہی تھے۔ اور آنحضرت صرف ایک عام تحریک کی زبان تھے لیکن یہ بات صرف ایسی حالت میں صحیح ہو سکتی تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم عرب کی تمدنی حالت کو آپکی تعلیم و تلقین قبول کرنے پر آمادہ پاتے اور ان کو فقط اس آواز کا منتظر دیکھتے جو ان کے دلوں کی غیر ملفوظ آرزوؤں کو الفاظ میں بیان کر دیتی۔ لیکن یہی شوق انتظار تھا جو عربوں میں معدوم تھا۔ خاصکر وسط عرب کے لوگوں میں جہاں رسول صلعم کی ابتدائی کوششیں صرف ہوئیں۔ عرب کے لوگ کسی طرح تیار نہ تھے کہ نئے واعظ کے وعظ کو سنیں اور خاصکر اس شخص کی تعلیم کو جو پیغمبر خدا ہو کر آیا ہو جس کا کوئی مفہوم ہی ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا

۵ ایڈورڈ کیرڈ۔ دی سوشل فلاسفی آف کونٹ صفحہ ۴۲-۴۳ (گلاسکو ۱۸۸۵)

علاوہ اسکے مسلمانوں کو آپس میں درجہ مساوات حاصل ہونا اور اُن کی عام اخوت جس نے عرب اور غیر عرب۔ آزاد اور غلام کا فرق اسلامیوں کے لیے نہ رکھا ہو ایسی بات تھی جو عربی قبیلوں کے مغرورانہ خیال کے خلاف پڑتی تھی وہ اپنی ذاتی فضیلت کے حقوق کو باپ دادا کی شہرت پر قائم کرتے تھے اور اسی زعم میں وہ خونریز لڑائیاں شروع کر دیتے تھے جو ختم ہونا ہی نہ جانتی تھیں اور جو ان کی روح کو خوشی دیتی تھیں۔ فی الحقیقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم میں ضروری اصول یہی تھے کہ جو چیزیں عربوں کو سب سے زیادہ عزیز تھیں اُن پر معترض رہیں نومسلم کو وہ باتیں نیکیاں بتا کر سکھائی جاتی تھیں جن کو مسلمان ہونے سے پہلے وہ نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

بُت پرست عربوں کے نزدیک دوستی اور دشمنی ایک طرح کا قرضہ تھا جس کو وہ مع سود کے ادا کرنا چاہتے تھے اور بُرائی کا بُرائی سے عوض کرنے پر فخر کرتے تھے اور اُس شخص کو بہت ذلیل سمجھا جاتا تھا جو ایسا نہ کرے۔ گویا کمالِ انسانیت اُسی شخص میں ہے جو دیر سویر ہمیشہ دوست پر مہربانی اور دشمن کے ساتھ بُرائی کی فکر میں رہے ایسے آدمیوں کی نسبت قرآن میں ارشاد ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَۃَ (سورۃ المؤمنین ۹۸) یعنی بُری بات کو دور کردے ایسی بات سے جو اچھی ہے۔

وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سورۃ النور۔ ۲۲) یعنی اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُہَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (سورہ آل عمران ۱۲۶۔ ۱۲۹) الخ

اور تم اپنے پروردگار کی طرف اور ایسے بہشت کی طرف دوڑ و جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی برابر ہے اور نیک آدمیوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو کہ خوشی اور تکلیف میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے +

وہ عرب جن کو رسول اللہ صلعم نے شروع زمانہ رسالت میں اسلام کی خبر دی اُن کا حال یہ تھا کہ نماز کے حکم کا بھی مضحکہ کرتے تھے اور سب سے زیادہ دشوار کام جو آپ کو کرنا پڑا وہ یہ تھا کہ عربوں کی طبیعت میں خدا کی تعظیم اور خدا پرستی کا جوش پیدا کر دیں اور اس حالت کی تعلیم اسلام اس طرح کرتا تھا جیسے یہودی اور عیسوی مذہب کرتے ہیں لیکن عرب کے بُت پرست اِس حالت سے بالکل ناآشنا تھے۔ غرض خود بینی کی عادت اور جوشِ مذہب کا نہ ہونا جس میں قومی تکبر بھی شامل تھا ایسی حالت تھی جس نے اُن کی طبیعتوں کو ایسے نبی کی تعلیم سننے کے لایق بہت کم بنایا تھا جو کہتا تھا۔ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (سورۃ الحجرات ۱۳) یعنی بیشک جو تم میں سب سے زیادہ نیک ہے وہ خدا کے نزدیک سب سے بڑا ہے۔ اہلِ عرب اُن قیدوں سے زیادہ برداشت نہ کر سکے جو اسلام نے اُنکی زندگی کے روزانہ مشاغل پر لگائیں۔ شراب اور عورتیں اور راگ وہ چیزیں تھیں جو اہلِ عرب کے دل کو سب سے بڑھکر مرغوب اور عزیز تھیں اور رسول اللہ صلعم نے ان چیزوں میں سے ہر چیز کی نسبت جو احکام جاری فرمائے اُن میں نہایت سختی برتی +

پس شروع ہی سے اسلام تبلیغی مذہب ہونے کی سند رکھتا ہے اُسکا کام یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرے تاکہ وہ مسلمان ہوکر ایمان والوں کی اخوت میں شامل ہوں اور جیسا کہ اسلام کا ابتدا میں حال تھا وہی آج کے دن تک جاری ہے +

حضرت فاطمہؑ کے شوہرؑ کی دعوتِ اسلام

حضرت علیؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور بنتِ رسول اللہ صلعم حضرت بی بی فاطمہؑ کے شوہر بچپن سے دعوت اسلام کا کام کر رہے تھے۔

مسٹر آرنلڈ کے مضمون میں ذکر ہو چکا ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خاندان اور قبیلے کو جمع کر کے دعوتِ اسلام کرتے تھے اور کنبہ والے اِس دعوت کا مذاق اُڑاتے تھے تو حضرت علیؑ ہی کی ذات تھی جو باوجود کم سنی کے پرجوش طریقے سے آنحضرتؐ کی دعوت کے جواب میں عرض کرتے تھے "میں قبول کرتا ہوں آپ کی دعوت کو"

یہ واقعات مسلسل پیش آتے رہے، بظاہر کفار حضرت علیؑ کی نو عمری دیکھ کر مضحکہ کرتے تھے۔ لیکن ایک خورد سال ہستی کی یہ دلیری اور صادق الاعتقادی اُن میں سے اکثر لوگوں کے دلوں پر اثر کرتی تھی، اور وہ خیال کرتے تھے کہ اگرچہ علی محمدؐ کے بھائی ہیں اور علیؑ کے باپ ابو طالب محمدؐ کے سرپرست ہیں، تاہم ایک نوعمر شخص کے دل میں جھوٹ بات اس قدر ولولہ اور اثر پیدا نہیں کر سکتی کہ وہ مجمع عام میں اِس بیباکی اور دلیری سے محمدؐ کے دین کی تصدیق کرے، ضرور کچھ نہ کچھ اسلام ہی میں صداقت ہے جس نے علیؑ میں یہ ہمت پیدا کی ہے۔ چنانچہ قریش میں اور بنی ہاشم میں جن جن لوگوں نے اسلام قبول کیا اُن میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جن پر حضرت علیؑ کے اعلانِ حق کا اثر ہو چکا تھا۔ اور انصاف سے دیکھا جائے تو حضرت علیؑ اور حضرت ابوبکر صدیق اسلام کے بُنیادی داعیوں میں تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بوجہ مشاغلِ تجارت اور خانہ داری کی مصروفیتوں کے زیادہ وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ رہ سکتے تھے، مگر حضرت علیؑ دعوتِ اسلام کے ابتدائی ایام میں ہر وقت آنحضرتؐ

کے ساتھ سایہ کی طرح رہتے تھے اور آنحضرتؐ کے فرائض دعوتِ اسلام میں باوجود نوعمری و ناتجربہ کاری کے نہایت عاقلانہ و دلیرانہ حصّہ لیتے تھے، مبالغہ نہ سمجھا جائے تو دعوتِ اسلام کی ابتدائی منازل میں حضرت علیؓ کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد سب سے بڑا حصّہ ہے +

ہجرت کے وقت دو ہی شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کام آئے، ایک حضرت ابو بکرؓ صدیق جو رفیقِ سفر تھے، دوسرے حضرت علیؓ جنہوں نے رسول اللہ صلعم کی خوابگاہ میں اُن کی نیابت کی تھی۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی اس جراءت کا کفار پر بہت بڑا اثر پڑا تھا، کہ خطرہ کے وقت جبکہ رسول اللہ صلعم کے قتل کا مشورہ ہو رہا تھا اور مکان کا محاصرہ کیا جا چکا تھا حضرت علیؓ نے اپنی جان جوکھوں میں ڈالی اور بے خوف ہو کر رسول اللہ صلعم کے بستر پر لیٹ گئے تاکہ کفار یہ سمجھیں کہ رسول اللہ لیٹے ہیں اور اُن کی ہجرت کر جانے کا راز پوشیدہ کا ہے۔ کچھ عجب نہ تھا اگر کفارِ مکہ جھنجھلا ہٹ میں حضرت علیؓ کو شہید کر ڈالتے جبکہ اُنہوں نے مکان کے اندر جا کر رسول اللہ صلعم کو نہ پایا اور صرف حضرت علیؓ کو لیٹا دیکھا۔ مگر جوش و اخلاص کی ہیبت سے وہ تھرّا گئے اور کسی کو ہاتھ اٹھانے کی جراءت نہ ہوئی +

صرف یہی نہیں کہ کفار نے حضرت علیؓ کو زندہ چھوڑ دیا بلکہ سینکڑوں دلوں پر حضرت علیؓ کے ایثار اور جانبازی نے اسلام کی سچائی کا اثر ڈالا اور کفار نے یہ سمجھا کہ اسلام میں ضرور کچھ نہ کچھ حقانیت ہے ورنہ علیؓ اتنی بڑی جان نثاری کا کام نہ کر سکتے یہ اسلام ہی نے ان کے دل کو اتنا قوی کر دیا تھا، اور اسی کو اسلام کی حقیقی دعوت کہنا چاہیے +

جنگِ خندق کا حال سب کو معلوم ہے کہ جب یزید کا دادا اور امیر معاویہ کا باپ ابو سفیان لشکرِ جرّار لیکر مدینہ پر چڑھ گیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بچاؤ کے لیے خندق تیار کی اور اُس کے اندر محصور ہو کر لڑائی کا سامان کیا تو عمر ابنِ عبدِ ود ایک

مشہور سردار جس کو کفار میں ایک ہزار آدمیوں کا اکیلا مدِ مقابل سمجھا جاتا تھا، گھوڑا کود اکر خندق کے اندر آگیا اور رسول اللہ صلعم کو آواز دی کہ میرے مقابلے کے لیے کسی کو بھیجو، اُس وقت رسول اللہ صلعم مہاجرین و انصار کی صف بندی کے وسط میں کھڑے ہوئے تھے، اُنھوں نے دائیں طرف نظر اُٹھا کر دیکھا مگر کوئی شخص صف سے باہر نہ نکلا جو ابنِ عبدود کے مقابلے پر جاتا۔ پھر بائیں طرف نظر اُٹھائی، مگر اُدھر کی صفوں میں سے بھی کسی مسلمان کو باہر نکلنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ یہ کیفیت دیکھکر حضرت علیؓ آگے بڑھے اور رسول اللہ صلعم سے عرض کیا مجھکو ابنِ وُد سے لڑنے کی اجازت دیجیے، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ٹھہرو تمھاری عمر ابھی اتنی نہیں ہے جو اتنے بڑے حریف کا مقابلہ کر سکو۔ حضرت علیؓ یہ ارشاد سُن کر پھر صف میں کھڑے ہو گئے۔ دوسری دفعہ ابنِ ود نے پھر آواز دی اور آنحضرتؐ نے اُسی طرح دائیں بائیں صفوں کو دیکھا۔ اب کے بھی کوئی مسلمان آگے نہ بڑھا، اور حضرت علیؓ ہی پھر نکلکر آئے، اور رسول اللہ صلعم نے اُن کو پہلے کی طرح واپس بھیجدیا۔ تیسری مرتبہ ابنِ ود نے پکار کر کہا "اے محمدؐ اگر تمھارے ہاں کوئی لڑنے والا نہ تھا تو تم نے یہ مقابلہ کا سامان کیوں کیا، اطاعت کیوں نہ قبول کر لی؟" کافر کے اِس طعنے کو سُنکر حضرت علیؓ سے نہ رہا گیا، اور وہ پھر میدان میں نکل آئے، اور رسولؐ اللہ نے دیکھا کہ سوائے حضرت علیؓ کے اب کے بھی کوئی آدمی صف سے باہر نہیں نکلا، تب آنحضرتؐ نے اپنا عمامہ حضرت علیؓ کے سر پر باندھ دیا، اور اپنی تلوار اُن کی کمر میں لٹکا دی اور فرمایا "جاؤ بسم اللہ کرو تم کو اللہ کے سپرد کیا، اور عمر ابنِ عبدِ ود کو تمھارے حوالے کیا۔" یہ بلیغ اور الٰہی پیشین گوئی سُن کر حضرت علیؓ عمر ابنِ عبدِ ود کے سامنے گئے۔ وہ بڈھا سردار گھوڑے پر سوار کھڑا تھا، حضرت علیؓ پیدل تھے، اُس نے جب علیؓ کی صورت دیکھی تو حقارت سے چلا کر بولا "لڑکے میرے سامنے سے چلا جا، تیرا باپ ابو طالب میرا دوست تھا میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر ہاتھ اُٹھاؤں اور اپنی عزت اور شہرۂ آفاق فخر کو خاک میں ملاؤں

کیا تیرے سوا اور کوئی مسلمانوں میں لڑنے کے قابل نہیں ہے، حضرت علیؑ نے فرمایا دوستی اور تعلق کے خیال کو دل سے دور کر دے کہ سب سے بڑی دوستی اللہ کے راستے کی ہے اور تو اللہ کا دشمن ہے ہمت ہے تو سامنے آ اور دیکھ کہ ایک لڑکا تجھسے کیونکر لڑتا ہے یہ سنکر عمر ابن عبدِ ود کو غصہ آگیا اور اُس نے کہا مجھے شرم آتی ہے کہ تو پیدل ہوا ور میں گھوڑے پر ہوں۔ یہ کہکر گھوڑے سے کود پڑا اور تلوار کھینچکر حضرت علیؑ کے سامنے آیا اور بولا آ مجھ پر وار کر حضرت علیؑ نے فرمایا مسلمان پہل نہیں کیا کرتے تو ہی پہلے وار کر اور اپنے دل کی حسرت نکال عمر ابن عبد ود نے یہ سنکر تلوار کا ایک ہاتھ سر پر مارا جس سے حضرت علی کی پیشانی پر چار اُنگل گہرا زخم آیا، زخمی ہوکر حضرت علیؑ نے زخمی شیر کی طرح گرج کر نعرۂ اللہ اکبر بلند کیا اور چونکہ آپ کا قد چھوٹا تھا اور حریف بہت لمبا تڑنگا تھا اس واسطے وہ اپنی جگہ سے اُچھلے اور جست کرکے ایک ایسا ہاتھ اُس کی گردن پر مارا کہ تلوار گردن کاٹتی ہوئی بازو اور سینہ کو چیرتی ہوئی بائیں پہلو کی طرف سے باہر نکل آئی اور عمر ابن ود مردہ ہوکر گر پڑا۔

اِس کشمکش میں خاک بہت اُڑ رہی تھی اور دونوں طرف کی صفوں کو لڑنیوالوں کے چہرے اور جسم گرد و غبار کے سبب نظر نہ آتے تھے اس واسطے کفار نے بھی اور مسلمانوں نے بھی یہی سمجھا کہ علیؓ مارے گئے۔ لیکن جب حضرت علیؓ نے غبار سے باہر نکلکر نعرۂ تکبیر بلند کیا تب معلوم ہوا کہ علیؓ کامیاب ہوئے۔ یہ دیکھکر کفار کے سات سردار گھوڑے کود کر خندق کے اندر آئے اور حضرت علیؓ پر حملہ کیا اس وقت حضرت عمر فاروقؓ اور ایک صحابیؓ نے آگے بڑھکر حضرت علیؓ کی مدد کرنی چاہی مگر قبل اس کے کہ یہ امداد پہنچتی علیؓ نے سات میں سے تین آدمیوں کو مار ڈالا اور چار بھاگ گئے ان بھاگنے والوں میں حضرت عمرؓ کے ایک بھائی بھی

جنہوں نے بھاگتے بھاگتے حضرت عمرؓ کو زخمی کر دیا۔

قصہ مختصر جس وقت حضرت علیؓ اس حرب وضرب سے فارغ ہو کر رسول اللہؐ کے پاس واپس حاضر ہوئے تو آپ نے اُن کو سینہ سے لگا لیا اور یہ فرمایا کہ اے علیؓ آج جو کام تو نے کیا ہے اسکی برابری قیامت تک کسی مسلمان کا کوئی کام نہ کر سکیگا۔

یہ تمام حالات تاریخ طبری میں ہیں جو بہت معتبر اور مشہور تاریخ ہے۔ رسول اللہ صلعم نے بالکل درست فرمایا کہ حضرت علیؓ کے اِس کام کی قیامت تک مسلمانوں کا کوئی کام برابری نہیں کر سکتا۔ خندق کی لڑائی اسلام کے دور اول کی لڑائی تھی۔ اگر اسمیں مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو باسباب ظاہر اسلام کا اور مسلمانوں کا نام صفحہ ہستی سے بالکل مٹ جاتا علیؓ نے اپنی جان کی کچھ پروا نہ کی اور اسلام کی خاطر اپنی زندگی کو اُس خطرہ میں ڈالدیا جس میں پڑنے کی کسی مسلمان کو ہمت نہ ہوتی تھی۔ علیؓ کی اس دلیری کا چرچا تمام عرب قوموں میں ہو گیا کہ ایک تو عمر لڑکے نے اتنی بڑی عمر کے تجربہ کار سردار کو مار ڈالا جو ایک ہزار آدمیوں کا مقابل سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ آپس میں کہتے تھے کہ کیا واقعی اسلام میں کوئی ایسی پوشیدہ طاقت ہے جو نا تجربہ کاروں کو تجربہ کاروں پر غالب کر دیتی ہے۔ اور یہی چرچے اسلام قبول کرنے کا باعث ہوتے تھے۔

اور اسی واسطے کہنا چاہیئے کہ حضرت علیؓ نے دعوت اسلام کا سب سے بڑا فرض ادا کیا ہے۔

اور بعد میں جب فوج در فوج قبیلے مسلمان ہوئے تو اُسکی وجہ یہی تھی کہ علیؓ کی اخلاقی دعوت اسلام نے آہستہ آہستہ اُن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب اور متوجہ کر دیا تھا۔

جنگ خندق سے پہلے جنگ بدر اور جنگ اُحد میں بھی حضرت علیؓ سے اسی قسم کی شجاعتیں اور دلیریاں ظاہر ہوئی تھیں جنہوں نے اُن کی دھوم کو عرب کے سارے جزیرے میں پھیلا دیا تھا۔ اور عرب کی بہادر قومیں اس شجاع اسلامی کی کشش سے خود بخود اسلام کی طرف مائل ہوتی جاتی تھیں اور یہی علیؓ کی دعوت اسلام تھی۔

حضرت علیؓ کی فصاحت و بلاغت فلسفیانہ دعا۔ خانہ کلام تمام قبائل عرب میں شہرت

رکھتا تھا۔ قرآن شریف کی عبارت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے بعد اور کسی بشری کلام کی ایسی سحر ولغزیری نہ تھی جیسی حضرت علیؓ کے کلام کی تھی کیونکہ اُسمیں علاوہ زبان کی خوبی اور فلسفیانہ زور کے روحانیت کی کیفیت اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ جو اُس کو سنتا تھا اور پڑھتا تھا بے اختیارانہ اسلام کی طرف راغب ہوجاتا تھا۔ اور یہی اسلام کی دعوت تھی جو حضرت علیؓ نے کی۔

حضرت علیؓ کا زہد و تقوے اور عبادت و مجاہدات آنحضرتؐ کی حیات ہی میں تمام ملک کے اندر مشہور ہو گئے تھے اور اُن کی عابدانہ زندگی اسلام کا ایک نمونہ سمجھی جاتی تھی اور اسی نمونے نے اسلام کے اثر کو تمام اقوام عرب میں راسخ کردیا تھا۔ اور یہ ہی حضرت علیؓ کی معنوی دعوت اسلام تھی۔

حضرت علیؓ اپنی خلافت کے زمانے میں بنی امیہ کے شورشوں کے سبب اس قدر مصروف رہے کہ اُن کو اطمینان کے ساتھ ممالک غیر میں باقاعدہ اور باضابطہ دعوت اسلام کرنے کی فرصت نہ مل سکی۔ تاہم اُن کے شیعہ اور اُن کے روحانی مرید ایران و ہندوستان تک بطور خود اسلام کی دعوت کرتے پھرتے تھے، لیکن مورخوں کو سیاسی واقعات لکھنے میں اس قدر محویت تھی کہ اُنہوں نے بہت کم ان حالات کی تفصیل لکھی ہے صرف ضمنی طور پر حضرت علیؓ کے ایام خلافت میں ممالک غیر کی اقوام کا اسلام قبول کرنا اور اُن کے مریدوں اور شیعوں وطرفداروں کا اشاعت اسلام کی کوشش میں مصروف رہنا ثابت ہوتا ہے آگے جاکر واقعات تاریخی میں ناظرین ان کیفیات کی جھلک ملاحظہ کرینگے۔

حضرت فاطمہؓ کے لڑکوں کی دعوت اسلام

حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو سیاسی اسباب کی بنا پر دعوت اسلام کے کام کا باقاعدہ اور باضابطہ موقع نہیں ملا لیکن اُنہوں نے اپنی ذاتی قربانیوں سے دعوت اسلام کی

تخم ریزی کرکے دکھا دی۔

حضرت امام حسنؑ کا یہ فعل کہ مسلمانوں کو خونریزی سے بچانے کے لیئے دست بردار ہو گئے اور امیر معاویہ کو بادشاہی دیدی قیامت تک اس بات کی سند رہیگا کہ حضرت فاطمہؓ کے اس فرزند اکبر نے اسلام کی امن پسندی اور صلح جوئی کا سکہ ہر مخالف اسلام کے دل میں چلا دیا اور دشمنان اسلام کو تسلیم کرنا پڑا کہ اسلام کی اصلی تعلیم دولت پرستی اور حکومت چاہنے کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ سکھاتی ہے کہ اہل زمین میں امن اور صلح پھیلاؤ۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے نواسے امام حسنؑ نے عمل کرکے دکھا دیا کہ اپنے اقتدار خلافت کو جو تمام اسلامی دنیا میں بطور ایک شہنشاہ کے قایم تھا یکلخت چھوڑ دیا گیا۔ کیونکہ اُسکے اپنے دشمنوں کا زور تھا اور اُس کے سبب انسانوں میں بہت بڑی خونریزی ہونے کا اندیشہ تھا۔

حضرت امام حسنؑ کا یہ فعل بے شمار دلوں پر موثر ہوا ہوگا اور اُنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نواسے کے اس فعل کو اسلامی حقانیت کی دلیل سمجھا ہوگا اور یہی حضرت امام حسنؑ کی معنوی دعوت اسلام تھی۔

حضرت امام حسینؑ کی دعوت اسلام

حضرت امام حسینؑ نے دعوت اسلام کے ایک بڑے اصولی مسئلہ کو اپنی ذاتی قربانی سے اور اپنے بچوں کی قربانی سے ثابت کرکے دکھا دیا جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا ہے صبر و ضبط دعوت اسلام کے لیئے ایک اصولی چیز ہے اور بقائے حق کے لئے استقلال و ثابت قدمی بھی دعوت اسلام کے اصول میں شامل ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت جس استقلال و ثابت قدمی سے دکھائی وہ اُنہیں کا حصہ تھا۔ اُنہوں نے ظاہر کر دیا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اہل باطل سے خوف نہیں کرتا اور جس میں اپنی ہستی اور اپنے متعلقین کی زندگی قربان اور فدا کر دینے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ حضرت امام حسینؑ رسول اللہ

کے نواسے تھے حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؓ کے فرزند تھے۔ اور اُنھوں نے حق پرستی کی دولت اپنے نامور مورثوں سے ترکہ میں پائی ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اُنھوں نے یزید کی ظالمانہ اور فاسقانہ اور خلاف اسلام حکومت کو تسلیم نہ کیا۔ اور بال بچوں سمیت کٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ جن غیر مسلم قوموں نے اِس ایثار وقربانی کو نظر امعان سے دیکھا ہو گا اُن پر اسلام کی سچائی اور حقانیت ظاہر ہو گئی ہو گی اور یہی اسلام کی دعوت ہے جو حضرت امام حسینؑ نے انجام دی۔

غم حسینؑ داعی اِسلام

مسٹر آرنلڈ نے پریچنگ آف اسلام میں صرف واقعات اشاعت اسلام لکھے ہیں مگر اُن کو تبلیغ واشاعت کے وہ طریقے معلوم نہیں ہوئے جن کے ذریعہ سے اشاعت اسلام میں کامیابی ہوئی یا جن کو داعیان اسلام نے دعوت کے کام میں استعمال کیا۔

غم حسینؑ بھی ان ہی طریقوں میں سے ایک ہے جس نے اثر اسلامی کی اشاعت میں ہزاروں لاکھوں داعیوں سے بڑھکر کام کیا۔

چونکہ آج تک کسی شخص نے اُن طریقوں اور تاثیرات پر توجہ نہیں کی جو اشاعت اسلام کا باعث ہوئے تھے۔ یا باعث ہوتے ہیں۔ اِس واسطے غم حسینؑ داعی اسلام کا لفظ سُنکر بہت لوگوں کو تعجب ہو گا۔ مگر میں واقعی مثالوں سے ثابت کردونگا کہ ایران اور خصوصاً ہندوستان میں لاکھوں غیر مسلم صرف غم حسینؑ کے طفیل مسلمان ہو گئے۔ اور کروروں آجکل ایسے موجود ہیں جو صرف غم حسینؑ کے طفیل اسلام کے زیر اقتدار رغبت ورضامندی کا ہے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی باضابطہ جماعت دعوت اسلام کے لئے غم حسینؑ کے اُن طریقوں پر غور کرے جن کو میں آگے جاکر بیان کرنا چاہتا ہوں تو مجھے یقین ہے کہ ان کروروں غیر مسلموں کی تعداد میں سے لاکھوں آدمی پختگی اور مضبوطی کے ساتھ اسلام کے دائرہ میں آجائیں گے۔

جب میرے دوست ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب لندن میں تھے تو اُن سے مسٹر آرنلڈ مصنف کتاب پریچنگ آف اسلام نے کہا تھا کہ اسلام جن طریقوں سے پھیلایا گیا اُن کی تفصیل و تشریح پورے طور سے مجھکو معلوم نہیں ہوئی۔

اسمیں شک نہیں کہ مسٹر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام میں اُن تاثیرات کا بہت کم ذکر ہے جو اشاعت اسلام میں مدد و معاون ثابت ہوئے۔ آرنلڈ صاحب نے یہ تو لکھا ہے کہ صوفیوں اور مشائخ کے ذریعہ سے اسلام کی اشاعت بہت ہوئی مگر وہ یہ نہیں لکھ سکے کہ مشائخ صوفیہ نے کیا طریقے اسلام پھیلانے میں استعمال کیے تھے۔ اِس واسطے میں کوشش کروں گا کہ اِس کتاب میں اُن تمام طریقوں کو جو مجھکو معلوم ہو سکے اور جن سے اشاعت اسلام میں مدد لی گئی تھی بیان کروں۔

غم حسین بھی اُنہیں طریقوں میں ہے جن کی تاثیرات نے اشاعت اِسلام میں مدد کی۔ ایران میں بہت سے قبیلے اور فرقے محض اسوجہ سے مُسلمان ہو گئے کہ وہ حضرت امام حسین ع سے محبت رکھتے تھے۔ کیونکہ امام حسین ع اُن کے قومی بادشاہ یزدگرد کی بیٹی شہربانو کے شوہر تھے۔ ایران میں شیعہ مذہب کے مقبول عام ہوجانے کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہاں کے باشندوں کو حضرت امام حسین ع سے ایک قدرتی اور جبلی محبت تھی اور ایران کے فاتح حضرت عمر فاروق رض کو وہ اسی طرح ناپسند کرتے تھے جس طرح سب مغلوب و مفتوح قومیں اپنے فاتح اور غالب سے بیزار ہوا کرتی ہیں۔ چونکہ حضرت عمر رض سے بیزاری اور حضرت امام حسین ع سے محبت شیعہ مذہب کے اُصول میں داخل تھی اس واسطے ایرانیوں نے شیعیت کو جلدی قبول کر لیا۔

ایران میں داعیان اسلام نے زیادہ زور غم حسین پر دیا اگرچہ اُن کی پیش نظر دعوت اسلام کا کام بہت کم ہوتا تھا اور وہ پولٹیکل رسوخ حاصل کرنے کے لیے اور کسی خاص مذہبی سلطنت کا اثر اور اقتدار بڑھانے کے لیئے کام کرتے تھے۔ تاہم اتفاقاً اُس کا نتیجہ

اسلام کے حق میں بہتر نکلتا تھا یعنی داعی لوگ ایران کے غیر مسلم قبائل کو مسلمان کرنے کے لئے نہیں بلکہ سیاسی اقتدار کے زیر اثر لانے اور کسی نئی حکومت کی بنیاد ڈالنے کے لئے کربلا کے واقعات بیان کرتے تھے۔ اور حضرت امام حسین اور اُن کے خاندان کی بے کسی و مظلومیت زور تقریر سے ظاہر کرتے تھے لیکن اُس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ ان غیر مسلم قبائل سے داعیوں کو فوجی قوت ہی حاصل نہ ہوتی تھی بلکہ وہ رفتہ رفتہ اسلام کی طرف بھی مائل ہو جاتے تھے۔

اسماعیلی شیعوں نے ایران میں اس قسم کی ترکیبوں سے بہت فائدہ اُٹھایا تھا، مسٹر براون کی کتاب ہسٹری آف پرشیا کا اگر وہ حصہ خارج کر دیا جائے جس میں اسمعیلیوں پر لعن طعن کیا گیا ہے تو واقعات کا خلاصہ صاف بتادے گا کہ اسمعیلیوں کی پولیٹکل تحریک نے اشاعت اسلام کا بہت بڑا کام کیا۔ اور وہ کام زیادہ تر غم حسینؑ کے ذریعہ سے پورا ہوا حضرت امام حسینؑ کا غم سال کے سال ہر محرم کے مہینے میں تازہ ہوتا تھا۔ اور اُنکی مصیبتوں کی داستانیں مذہبی مجالس کی صورتوں میں اس درد و سوز سے بیان کی جاتی تھیں کہ سب مسلم و غیر مسلم کلیجہ تھام کر سُنتے تھے۔ اور زار و قطار روتے تھے۔ اور یہ انسان کی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی شخص کی ذاتی شخصیت سے متاثر ہو جاتا ہے تو پھر اُسکے سب کاموں سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اور اُسکو اُس محبوب شخص کے عقائد و افعال کے قبول کرنے میں بھی کچھ دریغ نہیں ہوتا۔ چنانچہ جس وقت شیعی داعیوں نے ایران کے غیر مسلم قبائل کے سامنے ذکر حسینؑ کرنا شروع کیا اور وہ لوگ اس سے اچھی طرح متاثر ہو چکے تب رفتہ رفتہ خود ہی ایرانیوں میں قبول اسلام کی تحریک پھیلنے لگی یہاں تک کہ اُن میں سے بہت آدمی مسلمان ہو گئے۔

جیسا کہ میں آگے جا کر بیان کروں گا شیعہ جماعتوں میں خصوصًا اسمٰعیلیوں میں ایسے بہت سے فرقے پیدا ہو گئے جو حضرت علیؓ کو خدا یا خدا کا اوتار سمجھتے تھے۔ اور عجیب عجیب عقائد حضرت علیؓ اور خاندان نبوت کے متعلق اُن میں پھیل گئے تھے۔ اسکے علاوہ ایرانیت کے

قدیمی مذہب زردشتی وغیرہ سے ملکر داعیان اسلام نے ایران کے اندر اسلام کی بالکل نئی صورت بنالی تھی۔ اور وہ ایسی صورت تھی جو ایران کے مذہبی عقائد سے بہت مشابہت رکھتی تھی۔ اِس واسطے اہل ایران نے اُن کو جلدی قبول کرنا شروع کر دیا۔ اور چند ہی روز میں لاکھوں ایرانیوں کی تعداد مُسلمان ہو گئی۔ میں مانتا ہوں کہ یہ نومسلم سچ مچ کے پکے اور پورے مسلمان نہ تھے۔ تاہم آپ کو بھی یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے قدیمی عقائد زردشتی پر بھی پختگی سے پورے طور پر قایم نہ رہے تھے اور اُن کو جس طرح مُسلمان کہنا مشکوک تھا اُسی طرح سے آتش پرست مجوسی کہنا بھی جائز نہ تھا۔ بعض لوگ بعد کے آنے والے داعیوں کی کوشش سے پکے مُسلمان ہو گئے اور بعض ویسے ہی اُدھ کچرے مُسلمان رہے۔

یہی حال ہندوستان میں بھی ہوا۔ یہاں بھی اشاعت اِسلام میں غم حسین ع نے بہت مدد دی اور آج کے دن تک غم حسین ع کے زیر اثر کروروں غیر مسلم اقوام اسلام کے اثر واقتدار کا کلمہ پڑھتی ہیں۔ گو نام اور صورت اور بعض افعال واعمال کی وجہ سے وہ سب لوگ صاف صاف غیر مسلم ہیں۔ اور اُن کو مُسلمان کہنا کسی طرح جائز نہیں۔ لیکن اُن پر غم حسین ع کے ہاتھوں اتنا زبردست اثر اسلام کا مسلط ہو چکا ہے کہ وہ داعیان اسلام کی معمولی کوشش سے مُسلمان ہو سکتے ہیں۔

غم حسین ع کے رسوخ کی مثال دیکھنی ہو تو ہندوستان کے شہروں اور قصبوں اور دیہات کو محرم کے ایام میں غور کر کے دیکھا جائے کہ ہر بڑے شہر میں ہزاروں اور ہر قصبے میں سینکڑوں اور ہر گانوں میں متعدد تعزیے غم حسین ع کی یادگاریں بنائے جاتے ہیں اور سینکڑوں غیر مسلم آدمیوں میں سے اکثر آدمی لازمی طور سے غم حسین ع کے مراسم میں شریک ہوتے ہیں۔ یعنی تعزیے بناتے ہیں۔ امام حسین ع کے نام کی سبیلیں لگاتے ہیں امام حسین ع کے نام کی مٹھائیوں اور کھانوں پر نیازیں دلواتے ہیں۔ اور بچوں کو امام کے نام کا فقیر بناتے ہیں۔ اُن کی غلامی کی نشانی کوڑیاں کانوں میں ڈالتے ہیں اور امام حسین ع کا کوملہ یا غلام بنانے پر فخر کرتے ہیں۔ مولا علی اور امام حسین

کے نام کی بیڑیاں بچوں کے پیروں میں ڈالتے ہیں۔ اور اماموں کے نام کی چوٹیاں بچوں کے سروں پر رکھی جاتی ہیں۔ غرضکہ ہنود میں سے اتنی غیر مسلم لوگ مسلمانوں سے کہیں زیادہ امام حسینؑ کی ماتم داری میں پوری سچائی اور پکے یقین و عقیدے سے حصہ لیتے ہیں انہیں بڑے بڑے راجہ بھی ہیں متوسط درجہ کے امراء بھی ہیں اور عام طبقہ کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں کیونکہ ان میں سے تو ہنود کے ہنود سب مولا علی اور امام حسین کے فدائی ہوتے ہیں۔ اور محرم کی رسموں کو اس طرح سے ادا کرتے ہیں گویا وہ انہیں کی قومی و مذہبی رسمیں ہیں۔

ہندوستان میں سب سے بڑا اور شاندار تعزیہ گوالیار کی ہندو کی ریاست میں بنایا جاتا ہے۔ جہاں غم حسینؑ کے مراسم میں لاکھوں روپیہ ریاست خرچ کرتی ہے اور تمام سال تعزیہ بنتا رہتا ہے جس میں سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کی سال بھر کی روزی بھی نکلتی ہے۔ اور ریاست کی عقیدت مندی بھی حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہے آجکل کے زمانے میں اس کے باوجود کہ ہندو مسلمان رئیس انگریزی تعلیم کے سبب مذہبی اعتقادات میں کمزور ہو گئے ہیں۔ مگر گوالیار اور تمام ہندو ریاستوں میں والیان ریاست کو دلی عقیدت سے یا محض مسلمان رعیت کی دلجوئی کے لیئے دست بستہ ننگے پاؤں ادب سے حسینی نشان تعزیہ کے سامنے حاضر ہونا پڑتا ہے۔

ریاست بڑودہ کے خالص طلائی تعزیہ کی دھوم ہندوستان میں ہر جگہ مشہور ہے اور بڑودہ ایک ہندو ریاست ہے۔

ریاست جام نگر کاٹھیاواڑ میں بھی طلائی نقرئی تعزیے ریاست کی طرف سے موجود ہیں اور جام نگر بھی ایک ہندو ریاست ہے۔

اسی طرح بنگال و برہما کے آخری کنارے سے لیکر بمبئی کے ساحل تک ہندوستان کے جتنے شہر جتنے صوبے جتنے قصبے اور جتنی بستیاں ہیں اُن سب میں غم حسینؑ کی یادگار میں تعزیے بنائے جاتے ہیں۔ اور غیر مسلم اُن میں حصہ لیتے ہیں سن ۱۹۲۶ء میں ایک دفعہ

میں نے شمار کیا تو صرف لکھنؤ میں گیارہ سو تعزیے ہندو اقوام کے تھے۔

فی الجملہ مختصر غم حسینؑ اسلام کا سب سے بڑا داعی ہندوستان و ایران میں ہے۔ اور داعیان اسلام کو اگر اس سے کچھ کام لینے کا خیال پیدا نہ ہو تو اُن کی بڑی ہی بے عقلی ہوگی۔

پختہ خیال کے مسلمان تعزیوں کو کاغذ اور بانس کا بت سمجھتے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اکثر اعتبارات سے تعزیہ پرستی اور بت پرستی کی حیثیت یکساں پائی جاتی ہے۔ لیکن اسکو فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ ان سب برائیوں میں اشاعت اسلام کی ایک بھلائی بھی پوشیدہ ہے۔ اگر سمجھدار لوگ اس سے کچھ کام لینا چاہیں۔

تعزیوں کے ذریعے اشاعتِ اسلام

میں نے عموماً ہر شہر کا محرم دیکھا ہے اور تبلیغی نقطۂ نظر سے اس پر غور کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر صوبہ اور شہر میں تعزیے کی بنیاد ڈالنے والوں کے سامنے وہاں کی اقوام کے عقاید اور رسم و رواج موجود تھے اور اُنہوں نے نہایت حکمت عملی سے باشندوں کے مزاج اور مذاق کو ان تعزیوں میں ملحوظ رکھا تھا تاکہ اُن کو اُن سے دلچسپی پیدا ہو اور وہ امام حسینؑ کے زیر اثر آجائیں۔

دہلی میں جو تعزیے بنائے جاتے ہیں اُن کی شکل عموماً میناروں کی سی ہوتی ہے۔ اسکی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ دہلی والے قطب مینار اور جامع مسجد کے میناروں سے بہت مانوس ہیں۔ بریلی میں تخت اُٹھائے جاتے ہیں اور غالباً اسکی وجہ یہ ہوگی کہ باشندگان روہیلکھنڈ تخت دہلی کی عظمت و بزرگی اپنے دل میں بہت رکھتے تھے، کلکتے میں ڈھالیں اٹھائی جاتی ہیں جو وہاں کے قدیمی باشندوں کی کسی عادت مقبول سے تعلق رکھتی ہونگی۔

اسی طرح ہر شہر اور قصبہ میں کوئی نہ کوئی نرالی وضع تعزیوں اور ماتمی مراسم کی مروج ہے

جس سے وہاں کے باشندوں کی عادت و خصلت پر روشنی پڑتی ہے۔

اس کے علاوہ ہر قوم کے پیشے اور کام کا لحاظ بھی ان تعزیوں میں رکھا جاتا ہے مثلاً روئی کا کام کرنے والے روئی کا تعزیہ بناتے ہیں اور ٹین کا کام کرنے والے ٹین کا تعزیہ۔ کمہار مٹی کا تعزیہ بناتے ہیں۔ موم کا کام کرنے والے مومی کاریگری تعزئے میں دکھاتے ہیں۔ پیتل کا کام کرنے والے پیتل کی صناعی ظاہر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ زراعت پیشہ لوگ تعزیے کے اوپر جو کی کاشت کرتے ہیں اور اپنا تعزیہ نرالی شان سے نکالتے ہیں۔

ان تمام باتوں سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ غم حسین نے تیرہ سو برس سے لیکر آج تک جہاں اور بہت سے انقلابات مسلمانوں میں پیدا کئے وہاں اشاعت اسلام اور اشاعت اثر و اقتدار اسلام کا کام بھی بہت بڑا انجام دیا ہے۔ اور یہ غم حسین ع کے داعی اسلام ہونے کا بالکل کھلا ہوا اور پورا ثبوت ہے۔

حضرت فاطمہ کی اولاد کی دعوت اسلام

حضرت علی ع اور حضرت فاطمہ کی صُلبی اور روحانی اولاد کی دو قسم کے عقائد کی ہوئی۔ ایک کا عقیدہ محض شریعت ظاہر کی تعمیل تھا۔ ایک کا ظاہر و باطن دونوں پر عمل کرنے کا۔ اور یہ صوفی کہلاتے تھے۔ اور ایک شیعہ مشہور ہوئے۔ جن کے عقائد سب کو معلوم ہیں۔

سنیوں میں حضرت غوث الاعظم سید عبد القادر جیلانی بہت بڑے داعی اسلام گزرے ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت علی ع و حضرت فاطمہ سے اس طرح منسلک ہوتا ہے سید محی الدین عبد القادر بن سید ابو صالح موسیٰ۔ بن سید ابی عبد اللہ بن سید یحییٰ زاہد۔ بن سید محمد۔ بن سید داؤد۔ بن سید موسیٰ ثانی۔ بن سید عبد اللہ ثانی۔ بن سید موسیٰ جون۔ بن سید عبد اللہ۔ بن سید حسن مثنیٰ۔ بن سید امام حسن ع بن سیدنا

رسول اللہ علی شاہ

حضرت غوث الاعظم کے فاطمی ہونے کا ثبوت مناقب غوثیہ مصنفہ مولانا محمد مرید پشاوری مطبوعہ شہابی پریس بمبئی میں ہے۔ تین سو چھتیس صفحات کے اندر نسب کی کیفیت مدلل طریقہ سے لکھی گئی ہے۔

حضرت غوث الاعظمؓ کے ذریعہ سے لاکھوں ایرانی کرد اور عراق عرب کے قبائل مسلمان ہوئے۔ اخبار الاخیار اور فوز المطالب میں مذکور ہے کہ آپ کے وعظ میں ایک ایک وقت ستر ستر ہزار آدمی جمع ہوتے تھے۔ اور روزانہ سیکڑوں عیسائی و یہودی اسلام قبول کرتے تھے۔

حضرت غوث الاعظمؓ عرب و ایران و ٹرکی و ہندوستان میں شیخ الاعظم اور بڑے پیر مشہور ہیں۔ اور کروروں آدمی ان سے عقیدت رکھتے ہیں۔ ہندوستان میں لاکھوں غیر مسلم ہر مہینہ ان کی گیارہویں کی نیاز دلواتے ہیں۔ اور بچوں کے سر پر حضرت غوث کی نام کی چوٹیاں رکھتے اور پیروں میں بیڑیاں ڈالتے ہیں۔

ان کے سلسلہ قادریہ کے مشائخ نے ہندوستان میں دعوت اسلام کا بہت بڑا کام کیا ہے۔

سندھ کے صوبے میں جس قدر تعداد مسلمانوں کی ہے اُن میں بڑا حصہ قادریہ خاندان کے مشائخ کی دعوت سے مسلمان ہوا۔ اب تک سندھ میں بڑے بڑے قادری مشائخ موجود ہیں پیر پگارا جن کی طاقت سندھ میں بہت بڑی سمجھی جاتی ہے۔ قادریہ سلسلے کے ہیں۔ ان کے مرید لاکھوں کی تعداد میں ہیں، ایک قبیلہ جو حُر کہلاتا ہے عجیب و غریب عقائد ان پیر صاحب کی نسبت رکھتا ہے۔ حُر فرقے کے ہزاروں آدمی پیر صاحب کو ذات الٰہی کا مظہر اور اوتار سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص پیر صاحب کی برابر بیٹھ جائے یا اُن سے مصافحہ کرنے تو یہ جاہل لوگ اُسکو قتل کر ڈالتے ہیں کیونکہ اُن کے عقیدے میں پیر صاحب نور کا ایک پتلا ہیں اور خاکی انسان جو گناہوں کی پوٹ ہے اگر پیر صاحب کی

قریب بیٹھے یا اُن سے ہاتھ ملائے تو نور خدا کی توہین کا ارتکاب کرتا ہے اس واسطے وہ واجب القتل ہے۔ یہ پیر صاحب مجبوراً اپنے مکان کے اندر دروازے بند کئے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں اور اگر کوئی شخص اُن سے ملنا چاہے تو بڑے انتظام اور بڑی احتیاط سے ملتے ہیں تاکہ حُر قوم کا کوئی آدمی دیکھنے نہ پائے۔ حُر قوم کے ہزاروں آدمی عورت مرد بچے بوڑھے گھوڑوں پر سوار ہو کر آتے ہیں اور پیر صاحب کے مکان کے دروازے کا دیدار کر کے چلے جاتے ہیں۔ اُن کو پیر صاحب کے سامنے جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ سوائے خاص حالات اور خاص دنوں کے کہ جب خاص خاص آدمیوں کو پیر کا دیدار دیا جاتا ہے یہ جتنے قبائل سندھ میں ہیں ان میں سے اکثر حصہ نومسلم ہے جن کو قادریہ مشائخ نے مسلمان کیا ہے اور یہ لوگ عموماً ان مشائخ کی کرامتیں دیکھ کر مسلمان ہوئے ہیں

ان سندھی قبائل کے رسم و رواج اور خیالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمانے میں یہ ہندو ہوں گے کیونکہ مسئلہ اوتار و بروز و حلول ان کے عقائد میں صاف صاف موجود ہے۔

دوسرے پیر جھنڈے والے مشہور ہیں ان کے بھائی پیر محبوب شاہ کا چرچا آجکل اخباروں میں بہت کچھ ہو چکا ہے جو خلافت کی تحریک میں دو سال کی قید کئے گئے تھے۔ یہ پیر صاحب بھی قادری خاندان کے ہیں اور سندھ میں ان کی بڑی طاقت ہے۔ لاکھوں ہندو مسلمان ان کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ ان کے بزرگوں نے بھی دعوت و اشاعت اسلام کا بہت بڑا کام سندھ میں کیا تھا۔ اور اب بھی پیر پگارا اور جھنڈے والے پیر صاحب کے ذریعے سے دعوت و اشاعت اسلام کا سلسلہ جاری ہے۔ ایسے ہی اور سینکڑوں نقشبندی اور قادری پیر سندھ میں موجود ہیں جن کے بزرگوں نے اشاعت اسلام کی بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں اور اب بھی اُن میں سے بعض لوگ اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔

ہندوستان میں ہزاروں خانقاہیں قادریہ سلسلے کی ہیں۔ اور ہر ایک نے اشاعت اسلام کا فرض ادا کیا ہے۔ اگر جدا گانہ ہر خانقاہ کا تذکرہ لکھا جائے تو اُس کی گنجائش یہاں نہ ہوگی ایک بزرگ حضرت حاجی وارث علیشاہ صاحب جو ابھی حال میں دیوہ ضلع بارہ بنکی میں گذرے ہیں۔ ان کا سلسلہ بھی قادریہ اور چشتیہ تہا۔ اور نسب کے اعتبار سے یہ فاطمی سید تھے ان کے دیکھنے والے آج لاکھوں آدمی موجود ہیں۔ میں نے خود ان کی زیارت کی تھی ہندوؤں کے موسمی حساب سے ان کے ہاں عرس ہوتا تھا اور بے شمار ہندو عورت مرد اُن سب کے مرید تھے۔ جن میں بڑے تعلقہ دار راجہ۔ بیرسٹر، جج وغیرہ بھی تھے۔ اور عرس میں مسلمانوں سے زیادہ خلوص و عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ ہزاروں ہندو ان کے اثر روحانی سے مسلمان ہوئے۔ وہ کسی سے یہ نہ کہتے تھے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ نہ مذہبی بحث و مباحثہ کرتے تھے اُن کی گفتگو عاشقانہ ہوتی تھی اور اسی عشق کے رمز و کنایہ میں وہ ایسی پُر اثر بات کہہ جاتے تھے کہ غیر مسلم لوگ بیتاب ہو کر خود بخود بلا کسی تحریک کے اسلام قبول کر لیتے تھے۔ علیگڈھ کے ایک ہندو وکیل حاجی صاحب کے اثر صحبت سے ایسے اچھے مسلمان ہوئے کہ سیکڑوں علماء و مشائخ کو اُن کے زہد و تقوے پر رشک تہا۔

اسپین کا ایک امیر لندن میں حاجی صاحب کا نام سُن کر ہندوستان آیا اور حاجی صاحب کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور اسلام کی دولت لیکر واپس گیا۔ خان بہادر شیخ عبدالقادر بیرسٹر لاہور مجھے کہتے تھے کہ اُس اسپینی امیر نے اُن سے بیان کیا کہ میں نے حاجی صاحب کی صرف آنکھوں کو دیکھا۔ اور اُن آنکھوں ہی نے مجھکو سیراب کر دیا۔ اُن کی آنکھیں روحانیت کی یونیورسٹی ہیں کہ جو ایک دفعہ اُن دیکھتا ہے کیف روحانی سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ روس کے بعض باشندے بھی حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ الغرض اُن کے ذریعہ سے لاکھوں نہیں تو ہزاروں آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ سب سے بڑی چیز جو دعوت اسلام کی اُن کے اندر تھی وہ باطنی قوت تھی جس کے زور سے بیمار تندرست

ہو جاتے تھے۔ بدچلن نیک بن جاتے تھے۔ مفلسوں کو تونگری حاصل ہوتی تھی اور جو شخص جو مراد لیکر اُن کے پاس جاتا تھا کبھی خالی ہاتھ نہ آتا تھا۔

اُنہوں نے ہندو فقرار کی طرح اپنی ایک خاص وضع اور نشان مقرر کی تھی جب وہ حج کرنے کے واسطے تشریف لے گئے اور حاجیوں کے احرام دیکھے تو ان کے دل پر بہت اثر ہوا اور انہوں نے فرمایا کہ احرام خدا کے عاشقوں کی وردی ہے اب ہم کبھی اس وردی کو نہ اُتاریں گے۔

چنانچہ رحلت کے وقت تک اُنہوں نے احرام کے سوا اور کوئی لباس نہ پہنا۔ وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ عاشق مردہ ہے جس کو عشق خدا نے مار ڈالا ہے۔ اور مردے کا لباس کفن ہے اس واسطے ہم نے یہ کفنی پہن لی ہے۔ اُن کے مرید دو قسم کے ہوتے تھے ایک تو تارک دنیا جن کو شادی کرنا۔ سیا ہوا کپڑا پہننا۔ جانور کی سواری پر سوار ہونا۔ چارپائی پر سونا۔ جوتی پہننا۔ گوشت کھانا۔ جائز نہ تھا۔ اور ایسے ہزاروں فقیر انہوں نے بنا دیے تھے جو تمام ہندوستان میں گشت لگاتے پھرتے تھے۔ اور ایک دنیادار مرید تھے جن کو ان باتوں کی پابندی نہ تھی۔ حاجی صاحب کے فقرار کی جو حالت تھی وہی حالت خود حاجی صاحب کی تھی۔ اور یہی چیزیں تھیں جو غیر مسلم لوگوں کو اُن کی طرف اور اُن کے ذریعہ سے اسلام کی طرف کھینچتی تھیں۔ وہ اپنے ہندو مسلمان مریدوں میں کسی قسم کا فرق و امتیاز نہ کرتے تھے، بلکہ ہندوؤں کے ساتھ اُن کا برتاؤ ایسا اچھا تھا کہ جو ہندو اُن کو ایک دفعہ دیکھ لیتا یا بات کر لیتا تھا تو پھر وہ اُن کا عاشق زار بن جاتا تھا۔

ہندو اقوام پر اثر پڑنے کی یہی وجوہات تھیں کہ اُنکے ہاں عرس موسم کے اعتبار سے ہوتا تھا۔ اور اُن کے فقیر ہندو فقرا کی طرح اُن شرائط کے پابند کیے جاتے تھے جنکو ہندو قومیں بہت پسند کرتی ہیں۔

الغرض حاجی صاحب کے ذریعے سے جس قدر اشاعت اسلام کا کام ہوا وہ سب بتاؤ تریہ

اور فاطمیہ طبقے میں شمار ہونے کے لائق ہے۔

سہروردیوں کے ذریعہ اشاعت اسلام

ہندوستان و ایران میں سہروردیہ طریقہ کے صوفی مشائخ نے بھی اشاعت اسلام کا بہت بڑا کام کیا ہے حضرت شہاب الدین سہروردی جن سے یہ سلسلہ منسوب ہوا فاطمی سید تھے۔ ان کے قرابت دار اور قایم مقام حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی ہندوستان میں سہروردیہ طریقہ کے سب سے بڑے پیشوا گزرے ہیں انکا زمانہ اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا وقت ایک ہی تھا پنجاب میں انہی دو بزرگوں نے اسلام پھیلایا تھا حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی کے پوتے حضرت مولنا رکن الدین ابو الفتح بھی جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ہمعصر تھے اشاعت اسلام کا کام بہت وسعت سے کرتے تھے ان کے ذریعہ سندھ میں اسلام کی اشاعت بہت ہوئی تھی۔

ہندوستان کے اکثر مقامات پر سہروردیوں کی خانقاہیں بنی ہوئی تھیں جہاں ان کے مشائخ فیضان روحانی کے ذریعہ سے اسلام پھیلاتے تھے۔

اب اس طریقے کے مشائخ قادریہ اور چشتیہ مشائخ سے کم پائے جاتے ہیں۔ تاہم بنگال۔ دکن۔ سندھ پنجاب اور صوبہ بہار میں کہیں کہیں اس سلسلہ کی خانقاہیں اور مشائخ اب بھی موجود ہیں۔

سندھ میں سہروردیوں کے اشاعت اسلام کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ کے موجودہ سجادہ نشین خان بہادر مخدوم حسن بخش صاحب سال کے سال سندھ کا دورہ کرتے ہیں تو لاکھوں ہندو مسلمان جگہ جگہ انکی زیارت کو جمع ہوتے ہیں اور ان کی مریدی پر فخر کرتے ہیں۔

مخدوم حسن بخش صاحب میرے قدیمی دوست ہیں انہیں علم دینی اور زمانہ شناسی اعلیٰ درجہ کی ہے ملتان میں وہ رئیسانہ شان رکھتے ہیں اور جب سندھ کا سفر کرتے ہیں تو انکی سواری کی دھوم دھام ایک بادشاہ کی طرح ہوتی ہے ایک منزل سے جب ان کا کوچ ہوتا ہے تو دوسری منزل پر انکی کھیاں اور سامان سفر پہلے سے پہنچ جاتا ہے اور ہزارہا عقیدت مند پہنچ باہر نکل کر ان کے دیدار کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔ تلقین اسلام کا خاص ذوق ان کو ہے اور انہوں نے اپنے بزرگوں کے طریق اشاعت کو بدستور قایم رکھا ہے۔

رفاعی سلسلہ کے ذریعہ سے اشاعت اسلام

ہندوستان میں آجکل رفاعیہ سلسلہ ذرا کم ہوگیا ہے۔ پہلے اس طریقہ کے مشائخ کے سبب اشاعت اسلام کا کام خوب ہوتا تھا کیونکہ انکے حلقہ ذکر و شغل کا طریقہ غیر مسلم اقوام کو بہت دلچسپ معلوم ہوتا تھا وہ تلواریں لیکر ذکر کرتے تھے اور چھریاں جسم میں مارتے تھے۔ تب بھی انکو کچھ نقصان نہ ہوتا تھا آنکھوں میں نوکدار سلائی چبو لیتے تھے۔ بچھو منہ میں رکھکر چبا جاتے تھے اور ان حرکات سے عامیانہ سمجھ کے غیر مسلموں پر بڑا اثر پڑتا تھا اور وہ مسلمان ہوجاتی تھیں۔

۱۹۱۱ء میں جب مجھکو مدینہ منورہ کی حاضری میسر آئی تو میں نے وہاں رفاعی سلسلہ کے ایک بہت بڑے بزرگ کو دیکھا جن کا نام حضرت سید حمزہ رفاعی تھا اور جن سے سلطان عبدالحمید خاں کو بھی بڑی عقیدت تھی۔ انہوں نے مجھکو اپنے طریقہ کی خلافت دی اور وہ اعمال سکھائے جن کے سبب ہتیار اور آگ اور زہر انسان پر اثر نہیں کرتے۔ تو میں نے ان سے عرض کیا کہ رفاعی لوگوں کی یہ حرکتیں تماشہ بنگئی ہیں ان سے اسلام کی بدنامی ہوتی ہے تو انہوں نے فرمایا دراصل یہ چیزیں تماشہ کے لئے نہیں ہیں بلکہ اشاعت اسلام کے لئے اور غیر مسلم قوموں کو کرشمے دکھا کر مائل اسلام کرنیکے واسطے یہ سکھائی جاتی ہیں۔

حضرت سید احمد کبیرؒ کی گائے ۔ رفاعیہ سلسلہ کے ایک بزرگ سید احمد کبیر کی گائے ذبح کرنے کا دستور بعض مقامات پر ہے جس دن یہ گائے ذبح ہوتی ہے ہزاروں آدمی جمع ہوتے ہیں۔ اور کئی من کے ملے دھدکائے جاتے ہیں جن پر گائے کے گوشت کو بھونا جاتا ہے اور سید صاحب کی نیاز دیکر کھایا جاتا ہے۔ پھر ان دہکتے کوئلوں پر سید صاحب کے گیت گانے والے لوٹتے ہیں اور آگ ان کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچاتی۔

میں نے بارہا اسکا تماشہ دیکھا ہے۔ میرے خاندان میں بھی یہ گائے ذبح ہوا کرتی تھی۔ مگر اب یہ دستور بند ہوگیا۔

میں نے سنا ہے کہ جس عورت کے لڑکا نہ ہوتا ہو وہ گائے کی رسم ادا کرتی ہے تو لڑکا ہوجاتا ہے اور تعجب کا مقام ہے کہ بہت سی ہندو عورتیں بھی اولاد کے لئے گائے ذبح کراتی ہیں اور سید صاحب کی نیاز دلواتی ہیں۔

الغرض اس طرح رفاعیہ سلسلہ کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوتی ہے۔

حاجی صاحب کے زمانہ میں ایک اور بزرگ پیلی بھیت میں تھے ان کا سلسلہ بھی نقشبندی اور قادری تھا حضرت میاں محمد شیر صاحب ان کا اسم گرامی تھا سینکڑوں ہندو ان کے پاس روزانہ حاضر ہوتے تھے اور ان کے اثر صحبت سے ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ میاں محمد شیر صاحب کا طریق دعوت اسلام بھی یہی تھا کہ بیشمار مرادمند لوگوں کی مرادیں اُن کی قوت روحانی سے پوری ہوتی تھیں اور اس سے متاثر ہو کر غیر مسلم مسلمان ہوجاتے تھے۔

اسی زمانے میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآباد میں ایک نامور بزرگ تھے ان کا سلسلہ بھی قادریہ نقشبندیہ چشتیہ تھا بڑے بڑے عالم اور مشائخ تصوف اُن کے حلقہ بگوش تھے۔ اُن کے ہاں بھی رات دن ہندوؤں کا ہجوم رہتا تھا اور وہ اُن کے اثر صحبت سے اسلام قبول کرتے تھے مگر کوئی مخصوص طریقہ اشاعت اسلام کا اُن کے ہاں نہ تھا۔ صرف باطنی کمالات جن سے بیماروں کو انکی دنیاوی ضرورتوں میں فائدہ پہنچتا تھا۔ نیز اُن کا حسن اخلاق غیر اقوام کو اسلام کا گرویدہ بناتا تھا۔

حضرت مولانا سید شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواری ضلع پٹنہ کے ایک نامور بزرگ ہیں جن کے پُر تاثیر وعظ کی تمام ہندوستان میں دھوم ہے یہ بھی فاطمی سلسلہ میں اور چشتیہ قادریہ اُن کا سلسلہ ہے ان کے اثر بیان اور اثر صحبت سے کثیر مسلمانوں نے اسلام قبول کیا ہے جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے ان کا طرز اشاعت یہی ہے کہ وہ صلح کل مشرب رکھتے ہیں اور اسلام کو مناظرانہ و مجادلانہ طریق سے پیش نہیں کرتے بلکہ اسلام کی تاثیرات کو ایسی عمدگی سے بیان کرتے ہیں کہ ہر مسلم و غیر مسلم کا دل انکی طرف کھنچ جاتا ہے۔ پھلواری ضلع پٹنہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین صاحب کے بھی اثر فیض سے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا ہے یا اسلام کے اثر میں آگئی ہے یہ بھی چشتیہ قادریہ مشرب رکھتے ہیں، اور فاطمی سلسلہ میں ان کے طرز اشاعت

اسلام میں بھی کوئی مخصوص بات سوائے اِس کے نہیں ہے کہ خدا نے اُن کو کمالات باطنی عطا فرمائے ہیں جن سے بندگان خدا کی مرادیں اور دنیاوی حاجتیں پوری ہوتی ہیں اور اُنکے سبب غیر مسلم اقوام داخلہ اسلام کی طرف رغبت کرتی ہیں۔

فرخ آباد میں ایک بزرگ حضرت مولانا شاہ طالب حسین صاحب گذرے ہیں جن کی میں نے بارہا زیارت کی ہے یہ بھی قادریہ خاندان کے درویش تھے۔ پہلے ہندو تھے پھر بزرگوں کی محبت نے اُن کو اسلام کی طرف راغب کیا۔ یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوئے اور ایسے اچھے مسلمان کہ رفتہ رفتہ خود پیشوائے طریقت بنے اور ہزاروں ہندو مسلمانوں نے اُن سے بیعت کی۔ ان کے ہاتھ پر بھی بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ ان کا یہ کمال خصوصیت سے قابل لحاظ ہے۔ کہ ان کے ذریعہ سے مسلمان ہونیوالے بھی ایسے صاحب کیف ہوتے تھے کہ خود داعی اسلام بنجاتے تھے۔

گولڑہ ضلع راولپنڈی میں ایک بزرگ حضرت سید مہر علیشاہ صاحب موجود ہیں جن کا سلسلہ قادریہ چشتیہ ہے مگر زیادہ تر چشتیہ سلسلہ کے مرید ان کے بہت ہیں یہ بھی فاطمی سید ہیں اور سرحد کے اندر باہر تمام ملک میں لاکھوں کی تعداد میں ان کے مرید پائے جاتے ہیں۔ ان کا مشرب عالمانہ ہے اور بے شمار علماء ان کے مرید ہیں۔ انکے ذریعہ سے بھی بکثرت لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اور ہمیشہ ان کے حلقے میں غیر مسلم لوگ عقیدتمندانہ حاضر ہوتے ہیں اُن کا طرز دعوت مناظرانہ نہیں ہوتا بلکہ وہی تاثیر باطنی کام کرتی ہے البتہ بعض اوقات زور علم سے بھی غیر مسلموں کی تسخیر ہوتی ہے۔

حضرت سید غوث علی شاہ صاحب قادریہ چشتیہ سلسلہ کے ایک بہت نامور بزرگ پانی پت میں مقیم تھے۔ یہ حضرت حاجی وارث علی شاہ اور حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کے ہم عصر اور بڑے با اثر بزرگ مانے جاتے تھے۔ ممالک اسلامیہ کی سیاحت کرچکے تھے اصل نسل فاطمی سید تھے۔ بکثرت ہندوؤں اور دیگر غیر مسلموں نے ان سے روحانی فیض اور اسلامی

کیف حاصل کیا تھا۔

تذکرہ غوثیہ ان ہی کے حالات میں لکھا گیا ہے جو اس قدر دلچسپ اور عجیب کتاب اس زمانہ میں اور اردو زبان میں مانی گئی ہے کہ تذکرہ فقراء میں اس سے زیادہ ہر دلعزیز شاید کوئی کتاب نہ ہوگی۔

مولانا نوری داس مہاراج مارہرہ ضلع ایٹہ کی قادریہ خانقاہ کے متوسل ہیں مولانا نورالدین قادری نام ہے۔ بالعموم بمبئی میں رہتے ہیں۔ ہندوؤں میں ان کا نام نوری داس مہاراج مشہور ہے۔ پچاس سے زیادہ عمر، دراز ریش، گورا رنگ۔ آنکھیں نہایت موثر اور باکیف ہیں۔ اکثر ستار بجاتے ہیں۔ اور درد انگیز آواز میں گاتے ہیں۔ گیتا اور وید کی عبارتیں پڑھ کر قرآن کی آیتوں سے مطابقت کرتے ہیں۔ مثنوی مولانا روم اور دیوان حافظ کے اشعار تلسی داس اور کبیر کے اشعار سے ملا کر پڑھتے ہیں اور جھومتے ہیں جس سے مجلس میں ایک عجیب اثر پیدا ہوتا ہے۔ میں نے ان سے کئی بار ملاقات کی ہے بہت صادق اور مخلص درویش ہیں۔ ہزار ہا ہندو عورت و مرد ان کو گھیرے رہتے ہیں بڑے بڑے انگریزی تعلیم یافتہ مرہٹے اور پارسی ان کے تلوؤں سے آنکھیں ملتے ہیں۔

غیر مسلم لوگوں میں ان کی عقیدت زیادہ ہے مسلمان ان کے مذکورہ حالات کے سبب کم متوجہ ہوتے ہیں۔ معتقد برہمن ان کے دروازہ پر دربانی کرتے ہیں اور ان کو شور کا اوتار سمجھا جاتا ہے۔

میں نے ان کی ایک تصویر دیکھی جو ایک برہمن نے شائع کی تھی۔ اور انگریزی میں اس کے کچھ حالات بھی لکھے تھے۔ اس تصویر کے تین چہرے تھے اور لکھا تھا کہ آپ کی بے خبری میں فوٹو گرافر نے تصویر کھینچ لی۔ مگر جب شیشہ کو صاف کر کے چھاپا تو تین چہرے کی تصویر برآمد ہوئی۔

اس عجیب تصویر سے ان کی عقیدت ہندو جماعت کو ہندو اقوام میں بہت بڑھا دیا۔

اور وہ ان کو اوتار ماننے لگیں۔

جو کام دعوت اسلام کا نوری داس مہاراج کر رہے ہیں وہ معمولی نہیں ہے۔ اور بنی فاطمہ کے قصر دعوت میں ان کے دم سے ایک نورانی چراغ روشن ہے۔

مولانا عبد الباری۔ فرنگی محل لکھنؤ کے مشہور عالم ہیں۔ خلافت اسلامیہ کے معاملات میں دخل دینے سے انکی شہرت بہت کچھ ہوگئی ہے۔ ان کا خاندان بھی چشتیہ قادریہ ہے اور ان کے گھرانے کے درویش علماء نے اشاعت اسلام کی بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ خود ان کی ذات سے بھی دعوت اسلام کا کام ہوا ہے۔

آج کل ہندو اقوام ان سے بہت مانوس ہیں اگر وہ دعوت اسلام کے کام کو حکیمانہ انداز سے کرنا چاہیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں کیونکہ ادنیٰ طبقہ کے غیر مسلم لوگوں میں ان کا اثر اس قدر بڑھ گیا ہے کہ وہ جو کچھ حکم دینگے قبول کیا جائیگا۔

حضرت مولانا سید شاہ مخلص الرحمن صاحب شیخ العارفین بنگالہ میں ایک مشہور بزرگ ابھی حال میں گزرے ہیں میرزا کھیل علاقہ چاٹگام بنگال میں اقامت تھی فاطمی سید تھے اور قادری ابو العلائی مشرب رکھتے تھے۔

لاکھوں آدمیوں کو ان سے فیض پہنچا سیکڑوں علماء ان کے حلقہ بگوش تھے۔ ان کی خدمت میں بھی ہندو جوق جوق حاضر ہوتے تھے۔ اور انکی عارفانہ دعوت اسلام سے متاثر ہو کر جاتے تھے۔

سیرت جہانگیری نام سے ایک تذکرہ جناب حکیم سکندر شاہ صاحب نے شائع کیا ہے۔ اسکے صفحہ ۸۱ پر درج ہے۔

جنوری سنہ ۱۹۰۸ء میں بمقام موضع ساتکنیہ ضلع چاٹگام منشی راحت علی صاحب چودھری پنشن یافتہ سب انسپکٹر پولیس ساکن کفایت نگر ضلع چاٹگام اور بابو ہرکنار رائے صاحب پنشنر سے حقانیت اسلام پر ان سے مسئلہ میں گفتگو ہوئی کدھر سے کوٹلہ نا

بہتر ہے یا دفن کرنا۔ آخر یہ طے ہوا کہ منشی صاحب اپنے علمار کو اور منصف صاحب اپنے پنڈتوں کو اسکی تحقیق کے لیے جمع کریں۔ چنانچہ تاریخ مقررہ پر ایک بڑا مجمع ہوا جس میں سیدنا شیخ العارفین تشریف فرما ہوتے اور بعض علمار بھی شریک ہوئے جیسے مولوی عبدالعلی صاحب محدث ساکنہ اور مولوی ولی محمد محدث ساکنہ۔ اور اس طرف سے سترہ پنڈت مناظرہ کے لئے بلائے گئے۔

حضرت سیدنا شیخ العارفین اسلام کی طرف سے مناظر قرار پائے اس لیے کہ آپ علم و فضل و کمال میں سب سے فائق تھے۔ اور ہنود صاحبان کی مذہبی کتابوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ نہایت شیریں زبان اور حاضر جواب بھی تھے اور آپ کا کلام سخت اور درشت نہ ہوتا تھا۔

قبل اس کے کہ مناظرہ شروع ہو آپ نے پنڈتوں سے اس انداز اور ایسے عام فہم طریقہ سے گفتگو فرمائی کہ باتوں ہی باتوں میں ان کو لاجواب کر دیا اور وہ ساکت و حیرت زدہ ہو گئے۔

آپ نے پنڈتوں سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ گھر کے کوڑے کرکٹ کو کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ گھر سے باہر کر کے جلا دیتے ہیں (پھر آپ نے پوچھا) اور آپ لوگ اپنے زر و جواہر کو کیا کرتے ہیں۔ پنڈتوں نے کہا کہ حفاظت سے گھر میں رکھتے ہیں۔ فرمایا بس یہی تو ایک رمز ہے جو آپ ہی کی زبان سے ظاہر ہو گیا کہ آپ اپنے مردوں کو کوڑے کرکٹ کی طرح جلا دیتے ہیں۔ اور ہم اپنے مردوں کو زر و جواہر کی طرح دفن کرتے ہیں۔ یہ سنکر وہ سناٹے میں آ گئے۔

اس الزامی جواب کے بعد پھر آپ نے نہایت محققانہ تقریر فرمائی جس سے تمام ہنود حقانیت اسلام سے متاثر ہو گئے۔

لکھا ہے کہ منصف صاحب حضرت شیخ العارفین کے معتقد ہو گئے اور عوام ہنود پھر

تو جو کچھ اثر ہوا ہوگا وہ خود ہی ظاہر ہے۔

اسی قسم کے اور صدہا واقعات پیش آتے تھے جن کے سبب غیر مسلم اقوام میں حضرت شیخ العارفین کے ذریعہ سے اسلام شائع ہوتا تھا۔ آپ کا مزار پاک مرزا کہیل شریف میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حضرت مولانا سید عبدالحیٔ صاحب حضرت شیخ العارفین صاحب کے فرزند اور سجادہ نشین ہیں۔ جو موضع میرزا کہیل ضلع چاٹگام میں تشریف رکھتے ہیں ان کے تصرفات اور فیوض کی بھی بڑی دہوم ہے۔ ہندوؤں اور بدھ مذہب والوں میں انکی کشش باطنی سے اسلام کی اشاعت ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ مسلمانوں میں بھی لاکھوں آدمی ان کے حلقہ ارادت میں ہیں اور علماء بکثرت ان سے بیعت کرتے ہیں۔ بنگالہ میں ان کا وجود گرامی دعوت اسلامی کا ایک روحانی مرکز بنا ہوا ہے۔ اور انکی بارگاہ اس زمانہ میں مرجع خاص و عام ہے۔

افغانستان میں بھی ان کا فیض پہنچا ہے۔ حضرت شیخ العارفین کے ایک خلیفہ وہاں تشریف لے گئے تھے۔

کچھوچھہ ضلع فیض آباد میں ایک بزرگ **حضرت شاہ علی حسین صاحب** ہیں جنکی صورت اس قدر نورانی ہے اور لباس ایسا مقدس اور درویشانہ ہے کہ غیر مسلم اقوام انکو دیکھتے ہی گرویدہ ہوجاتی ہیں یہ بھی قادریہ سلسلے کے اور فاطمی سید ہیں تمام ہندوستان میں سیاحت کرتے رہتے ہیں۔ ان کے اثر صحبت سے بھی جماعت کثیر نے اسلام قبول کیا ہے۔ ان کا طرز اشاعت اسلام بھی وہی ہے جو حضرت مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی کا ہے۔

حضرت مولانا عبدالقادر قادری بدایوں شریف میں ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی علمیت اور درویشانہ شان غیر مسلم اقوام میں اشاعت اسلام کا بہت کام کرچکی ہے۔ ان کے انتقال کو دس بارہ سال کا عرصہ ہوا۔

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب قادری بدایونی بھی اسی سلسلہ کے ہیں۔ اور نہایت

خوش بیان واعظ ہیں۔ آجکل خلافت اسلامیہ کی حمایت میں دلیرانہ کام کر رہے ہیں اور غیر مسلم اقوام بھی مسلمانوں کی طرح انکی گردیدہ نظر آتی ہیں۔ اور سُنا گیا ہے کہ لوگ ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتے ہیں۔

حضرت سید ابراہیم صاحب وارثی حضرت حاجی سید وارث علی شاہ صاحب کے نواسہ اور سجادہ نشین تھے۔ دُنیاداری ترک کر کے درویشی اختیار کی تھی اور ان کے ذریعہ سے بھی اشاعت اسلام کو بہت فائدہ پہنچا تھا۔ اب رحلت کر گئے۔

حضرت سیّد علی احمد صاحب وارثی۔ یہ حضرت حاجی وارث علی شاہ صاحب کے موجودہ سجادہ نشین ہیں۔ اور باوجود نوجوان ہونے کے کوشش کرتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب کے طریقے زندہ رہیں۔ ایک ماہوار رسالہ بھی جاری کیا ہے اور غیر مسلم اقوام کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جو داعیان اسلام کے شایان شان ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صاحب آسی۔ یہ بزرگ جونپور۔ غازی پور۔ اور بنارس تین مقامات پر زیادہ رہتے تھے چشتیہ قادریہ خاندان تھا۔ میں نے دوبار انکی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اور ہر دفعہ ایک خاص کیفیت ان کی زیارت سے حاصل ہوئی۔ بڑے عالم اور رموز تصوّف کے واقف اور عابد زاہد بزرگ تھے۔ ہزاروں انگریزی تعلیم یافتہ ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ اور غیر مسلم لوگ بکثرت ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

کانپور کے ایک تعلیم یافتہ ہندو نے مجھ سے کہا کہ مجھکو مسلمانوں کی کتابوں سے بہت نفرت تھی اور میں کبھی مسلمانوں کی کوئی کتاب دیکھنی پسند نہ کرتا تھا نہ ان کے بزرگوں سے ملنے کیطرف دل راغب ہوتا تھا۔ ایک دفعہ میرا جونپور جانا ہوا۔ وہاں ایک زمیندار سے مجھکو کام تھا۔ جلدی واپس آنا تھا۔ ریل میں تھوڑی دیر رہ گئی تھی۔ میں نے سُنا کہ وہ زمیندار شاہ عبد العلیم صاحب کے پاس گئے ہوئے ہیں۔ میں جلدی کے سبب وہیں چلا گیا۔ شاہ صاحب نے مجھکو اجنبی نہ سمجھا اور اس قدر محبت سے ملے کہ میرا دل ان سے محبت کرنے لگا۔ گفتگو میں اُنہوں نے فرمایا۔

نفس اگر موٹا ہو تو اسکی قربانی خدا بہت پسند کرتا ہے۔ جانوروں کی قربانی اگر نفس کی ضد زندہ رکھنے کو ہو تو خدا کی بارگاہ میں وہ مقبول نہیں ہوتی۔ اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کیوں جناب ایک جانور کی محبت اچھی یا ان کی الفت اچھی جن کو خدا نے آدمی کی صورت دی ہے۔ مجھ پر اس سوال کا اتنا اثر ہوا کہ بے اختیار قدموں میں گر پڑا۔ اور رونے لگا۔ اور وہ رات جونپور میں بسر کی رات کو خواب دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں اٹھو تلاوت قرآن کا وقت جاتا ہے بیدار ہوا تو سیدھا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ مگر انہوں نے فرمایا اپنے مذہب کو برادری میں شہرت دینے سے کیا حاصل۔ کہ اقرار تو محبوب سے ہوتا ہے۔ اور محبوب کے اقرار پردہ میں ہوا کرتے ہیں۔

غرض شاہ صاحب مذکور کے اثر صحبت سے اشاعت اسلام کو بہت فائدہ پہنچا کرتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ ان کی وفات ہو گئی۔ اور دنیا سے وہ صاحب کمال اٹھ گیا جو دل سے زبان کا کام لیتا تھا اور جس کے حسن اخلاق اور اثر باطن کا وہ زور تھا کہ کیسا ہی سنگدل منکر ہو چند لمحے کی ہم نشینی سے اسکی کایا بدل جاتی تھی اور روح کو وہ لذت حاصل ہوتی تھی جو زندگی کا مقصد اصلی ہے۔

حضرت مولانا سید غیاث الدین احمد قادری۔ احمد آباد گجرات کی قادریہ خانقاہ کے سجادہ نشین اور ذی علم۔ اور معارف باطنی کا مخزن ہیں۔ قدامت کی وضع داری اور رکھ رکھاؤ ہر بات میں ملحوظ رکھتے ہیں۔ ان کے بزرگوں اور خود ان کی ذات کے تصرفات سے غیر مسلم اقوام پر اسلام کا بہت اچھا اثر پڑا اور پڑتا ہے۔ ان کے جد حضرت شاہ عبدالوہاب کی درگاہ میں بکثرت آسیب زدہ لوگ آتے ہیں جن میں غیر مسلم زیادہ ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ جب ان بیماروں کو صحت دیتا ہے تو خود بخود ان میں قبول اسلام کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ میں نے اپنی آنکھ سے اس درگاہ میں آسیب زدہ غیر مسلم عورتوں کو آتے اور تندرست ہوتے دیکھا ہے۔ یہ ۱۹۰۶ء کا ذکر ہے جب کہ میں کاٹھیاواڑ گجرات کا سفر کر رہا تھا۔

چشتیہ خاندان کے ذریعہ سے اشاعت اسلام

اب چشتیہ خاندان کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اوس کے مشائخ نے دعوت و اشاعت اسلام کا کتنا اور کیسا کیا کام کیا۔

چشت ایران میں ایک مقام کا نام ہے اور یہ سلسلہ اُسی سے منسوب ہے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری بھی ایران کے باشندے تھے اور فاطمی سید تھے ان کو عالم باطنی میں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہندوستان میں جاؤ اور اسلام کی اشاعت کرو چنانچہ وہ یہاں تشریف لائے اور اجمیر میں قیام فرمایا جو تمام ہندو راجاؤں کا مرکزی مقام تھا حضرت خواجہ صاحب کی آمد شہاب الدین غوری کے حملہ سے پہلے ہوئی تھی اور دہلی و اجمیر ہندو سلطنت کے ہندوستان میں دو بہت بڑے مرکز سمجھے جاتے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب خود اجمیر شریف میں مقیم ہوئے اور اپنے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو دہلی میں مامور فرمایا۔ حضرت خواجہ قطب الدینؒ بھی فاطمی سید تھے۔

جب حضرت خواجہ اجمیر میں آکر مقیم ہوئے قدرتی طور پر ہندوؤں کے مذہبی پیشواؤں کو اُن کا قیام ناگوار گذرا اور کہا جاتا ہے کہ اُن میں اور حضرت خواجہ صاحب میں باطنی کمالات کے ہتھیاروں سے مقابلہ ہوا جس میں ہندو جوگی اور فقرا مغلوب ہوئے اور عاجز ہو کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

جس قدر کرامتیں عوام میں اس وقت کی مشہور ہیں۔ اُن میں زیادہ تر خوش عقیدگی کے تاثرات پائے جاتے ہیں اور ہر قوم میں اپنے پیشواؤں کے متعلق اس قسم کی روایتیں مشہور ہو جایا کرتی ہیں تاہم یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کا اجمیر کے ہندو فقراء سے باطنی امور میں کچھ معرکہ ہوا تھا جس میں حضرت خواجہ صاحب کامیاب ہوئے اور اس

کامیابی نے ہندوؤں کے تعصب کو جو خواجہ صاحب کے قیام اجمیر کے سدراہ ہوا تھا دور کر دیا اور جوق جوق متوسط اور ادنےٰ درجہ کے ہندو اُن کی خدمت میں آنے لگے اور حلقۂ صحبت میں بیٹھنے کے سبب اسلام کا اثر انہوں نے قبول کیا۔

جب حضرت خواجہ اجمیر میں تشریف لائے ہندو قوم کی اخلاقی حالت زوال میں مبتلا تھی۔ سلطان محمود غزنوی کے حملے ہو چکے تھے راجگان ہند میں باہمی نفاق وحسد کی آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ برہمن، چھتری، اور ویش وشودر چاروں ذات کے آدمی ہندو دھرم کی برتری سے گر رہے تھے۔ ایسے وقت میں ہندوؤں کا مائل اسلام ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ کیونکہ اسلام ان کے دلوں کو اضطراب عام سے تسلی بخشتا تھا۔

شہاب الدین محمد غوری کے آخری حملے نے رائے پرتھی راج کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس کے غلام قطب الدین ایبک نے دہلی بھی فتح کر لی۔ تو مسلمانوں کی سلطنت دوامی طور سے یہاں قائم ہو گئی۔ مگر حضرت خواجہ اجمیری کے روحانی اور اسلامی مشن کو اس فتح سے چنداں فائدہ نہ پہنچا۔ کیونکہ آپ کی دعوت اسلام کو سیاسی حالات سے کچھ سروکار نہ تھا نہ کچھ ایسی مزاحمت درپیش تھی جو آپ کے مقصد اشاعت اسلام میں سدراہ ہوتی۔ کیونکہ حضرت خواجہ سے تمام ہندو اقوام ان کی روحانی اور درویشانہ زندگی کے سبب خود بخود مانوس تھیں۔ اور ان کو سلمانوں کے شاہی اقتدار سے فائدہ اُٹھانے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ نہ وہ اسکو ضروری سمجھتے تھے۔

مسلمان بادشاہ بھی ابتدائی فتوحات اور نظم ملک کے جھگڑوں میں اس قدر مصروف تھے کہ اگر ضرورت پڑتی بھی تو وہ زور حکومت اشاعت اسلام میں خرچ نہ کر سکتے تھے۔

قطب الدین ایبک نے دہلی فتح کرکے میرٹھ کے مشہور شہر کو بھی مسخر کر لیا تھا اور اس فتح سے دہلی کے اطراف میں دور دور تک اسلامی اقتدار پھیل گیا تھا۔ مگر اس وقت کی کتابوں نے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا کہ سیاسی فتوحات کے ساتھ ہی دعوت اسلام کا کام کیونکر

ہو رہا تھا۔ البتہ ملفوظات اور فقرا کے تذکرے پڑھنے سے متفرق حالات اس قسم کے ملتے ہیں جن کو جمع کر کے غور کیا جائے تو اشاعت اسلام کے طریقوں پر روشنی پڑ سکتی ہے

موسیقی سے اشاعت اسلام

سب سے بڑی اور پہلی چیز جو چشتیوں نے اقوام غیر مسلم کو اسلام سے مانوس ہونے کے لئے اختیار کی وہ سماع تھا۔ یعنے گانا بجانا۔ اس کے قبل بھی تمام چشتیہ مشایخ گانا سنتے تھے مگر وہ سماع عالم ذوق میں گاہے ماہے غیر مقررہ حالت میں ہوتا تھا۔ لیکن ہندوستان میں آکر انہوں نے سماع کے لئے اوقات مقرر کئے سماع کے لئے مجلسیں منعقد ہونے لگیں اور بزرگوں کے عرسوں میں گانے بجانے کو ضروری قرار دیا گیا۔

موسیقی اقوام ہندوستان کی بہت ہی مرغوب و محبوب شئی تھی اہندؤں کے نامور اوتار سری کرشن جی کی لے نوازی کے تذکرے زبان زد عوام تھے۔ اور ہندوؤں کی تمام مراسم عبادت میں گانا شامل تھا۔ چشتی مشایخ نے اس نکتہ کو سمجھ لیا اور گانے کے رواج کو اپنی مجالس میں عمومیت دینی ضروری سمجھی۔ علما کی طرف سے سخت دارو گیر اس کے خلاف ہوئی کیونکہ وہ مشایخ کی مصلحت کو سمجھنے کی کوشش نہ کرتے تھے تاہم مشایخ اپنے رویہ پر باستقلال تمام قایم رہے۔ اور سماع نے ایک عام گرویدگی چشتیہ فقرا کے ساتھ لوگوں میں پیدا کر دی۔ اور جب وہ ان کی مجلسوں میں آنے لگے اور مسلسل ہم نشینی شروع ہوئی تو اثر صحبت نے ان کو اسلام کی طرف راغب کیا اور ان میں سے اکثر مسلمان ہونے لگے۔

اسلامی جھنڈا

اُسی زمانہ میں مشایخ چشتیہ نے ایک نئی رسم شروع کی اور اس کے اندر اقوام ہند کو کشش کرنے کی بڑی طاقت پائی گئی۔ اور وہ یہ تھی کہ دہلی میں ایک اسلامی جھنڈا کھڑا کیا گیا۔ اور اس کے

ساتھ نومسلم لوگوں کے قافلے اجمیر شریف کے عرس میں حاضر ہوئے +

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت خواجہ اجمیریؒ رحلت فرما چکے تھے۔ اور دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ صوفیوں کے دستور کے موافق حضرت خواجہ اجمیری کا سالانہ عرس یعنی روز وفات کی یادگار کا منانا ضروری تھا۔ مشائخ نے چاہا کہ نومسلم اقوام بھی اس میں حصہ لیں۔ اور ان کی شرکت اس طرح ہو کہ دوسرے غیر مسلم لوگوں پر بھی اس کا اثر پڑے۔ اور انہوں نے ہندو اقوام کی خصائل و عادات پر غور کرنے سے سمجھ لیا تھا کہ یہ لوگ اپنے حسب مذاق مراسم کے بہت گرویدہ ہوتے ہیں۔ اور ان کے اسلام کا استحکام اس پر منحصر ہے کہ جو مراسم ایام بت پرستی میں ان کے ہاں رائج تھیں انہی کی ہم شکل رسمیں مسلمانوں میں بھی جاری کی جائیں تاکہ وہ اسلام کو اپنے مذاق و خیالات سے اجنبی اور علیحدہ مذہب نہ سمجھیں۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ جب اپنے تیرتھوں میں زیارت کرنے جاتے ہیں تو ان کے آگے جھنڈے اور نشان ہوتے ہیں۔ اور ہر بستی اور ہر قوم کا ایک جداگانہ جھنڈا ہوتا ہے۔ جو انکے پیدل سفر میں آگے آگے رہتا ہے۔ اور جہاں کہیں رات کو یہ قیام کرتے ہیں تو اس جھنڈے کے آگے گیت گاتے ہیں۔ اور اس منزل کے باشندے اس جھنڈے کے سامنے آکر چراغ روشن کرتے ہیں۔ اور ان مذہبی مسافروں کی خوب مدارات کی جاتی ہے۔ رہزن جو اس زمانہ میں بکثرت تھے ان جاتریوں کو لوٹنا گناہ اور مہا پاپ سمجھتے ہیں +

اس لئے مشائخ صوفیہ نے بھی اسی طرز پر ایک اسلامی جھنڈا بنایا جو جمادی الثانی کی سترہ تاریخ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے قریب نصب کیا گیا۔ یہ تاریخ اس واسطے مقرر کی گئی کہ جمادی الثانی کے بعد رجب کی چھٹی کو حضرت خواجہ اجمیری کا وصال ہوا تھا۔ اور اس دن عرس ہونا ضروری تھا۔ راستہ کی مسافت کا حساب کر کے سمجھ لیا گیا کہ اتنے دنوں میں قافلہ دہلی سے اجمیر شریف پہنچ سکتا ہے اس لئے جھنڈا

سترہ کو کھڑا کرنا چاہیے۔ اور اٹھارہ کو اس کی روانگی ہونی چاہیے ٭

فقراء کے داعیوں نے وقت سے بہت پہلے جگہ جگہ اس کا اعلان کیا۔ اور جن جن آبادیوں میں نو مسلم رہتے تھے انکو اطلاع دی گئی کہ اب کے حضرت خواجہ اجمیری کے عرس میں قافلہ کے ساتھ جھنڈا جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے چھوٹے چھوٹے جھنڈے ہر قوم اور ہر گاؤں کے علیحدہ بنائے اور انکو **خواجہ کی چھڑی** کا خطاب دیا۔ یہ چھڑیاں ایک لمبے بانس کی ہوتی تھی جن پر سبز رنگ کا کپڑا لپیٹا جاتا تھا جو سیدوں کی علامت مشہور تھی۔ ان چھڑیوں کے آگے میراثی اور دیہات کے دف نواز اور ڈھول والے گاتے بجاتے چلتے تھے۔ مشائخ نے گیت بھی اس موقع کے لئے تصنیف کئے تھے جنکو **خواجہ کے سوہلے** کہا جاتا تھا۔ ان گیتوں میں خدا رسول کی تعریف اور حضرت خواجہ اجمیری کے اوصاف ہوتے تھے۔ یہ چھڑیاں ہر گاؤں اور آبادی سے دھوم دھام کے ساتھ روانہ ہو کر دہلی کی طرف چلتی تھیں۔ اور راستہ میں جس قدر آبادیاں ملتی تھیں انکے باشندے مسلم و غیر مسلم شام کے وقت ان چھڑیوں کے پاس جمع ہوتے تھے۔ اور خواجہ کی نیازیں دلواتے تھے۔ اور خواجہ کے سوہلے سنتے تھے۔ اور ان پر اور انکی عورتوں اور بچوں پر خدا رسول اور خواجہ اجمیری کا اثر غیر معمولی طریقہ سے پڑتا تھا کیونکہ ہر منزل میں چھڑیوں پر ایک میلہ سا لگ جاتا تھا جس سے ہر مسلم و غیر مسلم کو سفر اجمیر شریف کا شوق پیدا ہوتا تھا ٭

جب یہ چھڑیاں ٹھیک سترہ تاریخ کو دہلی پہنچتی تھیں تو انکو بڑے اسلامی جھنڈے کے نیچے جمع کیا جاتا تھا۔ اور ہر قافلہ اپنی اپنی چھڑی کے ساتھ بستر لگا کر قیام کرتا تھا ٭

اٹھارہ تاریخ کی صبح کو مشائخ اسلامی شان کی نہایت مؤثر رسم اس جھنڈے کے سامنے ادا کرتے تھے یعنے بلند آواز سے قرآن پڑھا جاتا تھا۔ اور کلمہ توحید کا بھی بلند آواز سے ذکر ہوتا تھا۔ اور ہر مسلم و غیر مسلم سچے جوش اور خلوص قلب سے اس تکبیر و تہلیل

میں حصہ لیتا تھا اس کے بعد جھنڈے کی اجمیر شریف کی سمت روانگی ہوتی تھی اور اس کے ساتھ سب قافلے مل جل کر چلتے تھے۔ اس مجموعی قافلہ کو خواجہ کی مینڈنی کہا جاتا تھا۔ روانگی کے وقت لوگ جوتیاں اُتار ڈالتے تھے۔ اور نہایت ادب کی شان سے ننگے پاؤں کلمہ کا ذکر کرتے ہوئے جھنڈے کو رخصت کرتے تھے +

جو لوگ **خواجہ کی مینڈنی** میں شریک ہو کر اجمیر شریف جاتے تھے ان کو راستہ میں اپنا کھانا پکانے کی ضرورت نہ پڑتی تھی کیونکہ ہر منزل پر آبادیوں کے تمام نو ہندو مسلمان خواجہ کی مینڈنی کے کھانے کا بندوبست کرتے تھے۔ ان کے بیلوں اور گھوڑوں کو بھی بافراط چارہ اور دانہ دیا جاتا تھا۔ اور بڑے سرکش ڈاکو بھی اس قافلہ کی خدمت اپنی سعادت سمجھتے تھے +

دہلی سے روانہ ہو کر اجمیر شریف پہنچتے پہنچتے یہ قافلہ دوگنا چوگنا ہو جاتا تھا کیونکہ راستہ میں بھی کثرت سے زائرین اس قافلے کے ساتھ ہوتے جاتے تھے +

جھنڈے اور چھڑیوں کی رسم اس وقت سے لیکر آجتک قائم ہے۔ اور کسی بات میں فرق نہیں آیا ہے +

دہلی سے اجمیر شریف تک میوات اور راجپوتانہ کا جس قدر علاقہ ہے اس میں لاکھوں آدمی محض اس رسم کے اثر سے مسلمان ہوئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مینڈنی کے راستہ میں اوّل سے آخر تک زیادہ تر آبادیاں مسلمانوں کی ہیں۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جو رفتہ رفتہ اس رسم کی بدولت دائرہ اسلام میں آئے ہیں +

قبر کا طواف

جس طرح عرب قبائل کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی کعبہ کا طواف باقی رکھا گیا تھا چشتیہ مشائخ نے بھی نومسلم اقوام ہند کو اس سے نہ روکا کہ وہ بتوں کی پوجا کا طواف

کی جگہ قبر کا طواف کرتے تھے۔ کیونکہ مشائخ کو خیال تھا کہ اگر وہ اسلامی طریقوں میں اپنی ہر قدیمی رسم کا قائم مقام پائیں گے تو انکے دل اسلام سے برگشتہ نہ ہوسکیں گے نیز دوسرے غیر مسلموں کو بھی اسلام قبول کرنے کی رغبت ہوگی۔

صندل اور پھول چڑھانا

اجمیر شریف پہنچکر حضرت خواجہ کے مزار پر یہ لوگ بکثرت پھول اور صندل چڑھاتے تھے اور جب حضرت خواجہ کی تعریف میں گیت گائے جاتے تو پھولوں کے ڈھیر اور صندل کے انبار کا بڑے فخر سے ذکر کیا جاتا تھا۔ اور یہ وہ باتیں تھیں جن سے ادنیٰ سمجھ کے غیر مسلموں پر خواجہ کی عظمت اور پاکیزگی کا اثر قائم ہوتا تھا۔

جھالرا اور آنا ساگر

ہندو اقوام ہر تیرتھ گاہ میں غسل و اشنان کے لئے ایک دریا کو ضرور پاتی تھیں اور ان کی طبیعتیں اس مذہب سے ہرگز مانوس نہ ہوسکتی تھیں جس کی زیارت گاہ میں کسی دریا یا چشمہ کا وجود نہ ہو مشائخ نے اس نکتہ کو سمجھ لیا تھا مگر وہ اجمیر کے کوہستان میں دریا مہیا کرنے سے مجبور تھے اس واسطے انہوں نے حضرت خواجہ کے مزار کے پاس ایک چشمہ تیار کرایا جسکا نام جھالرا رکھا۔ جھالرے کا پانی پینا بہت ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اور مسلم و غیر مسلم اقوام کے گیتوں میں جھالرے اور اس کی پانی کی برکت بڑے عقیدت مندانہ الفاظ میں بیان کی جاتی تھی۔ اور بیان کی جاتی ہے۔

اسی طرح آنا ساگر نام کا ایک عظیم الشان تالاب زائرین کے غسل کے لئے بنایا گیا تھا اس کی نسبت بھی اقوام ہند میں بڑی عقیدت پائی جاتی تھی۔ اور اب تک صدہا روایتیں آنا ساگر کی بزرگی کے بارہ میں مشہور ہیں۔

ایشیائی اقوام کے جذبات و خیالات میں مقدس مقام کے قریب کسی مقدس چشمہ کا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ کعبہ کے پاس زمزم کنواں تھا اور ہے۔ جسکو اسلام کے ظہور سے پہلے بھی مقدس سمجھا جاتا تھا اور ظہور اسلام کے بعد بھی آجتک اسکا پانی متبرک خیال کیا جاتا ہے۔ مشائخ چشتیہ نے طبائع کے اس فلسفہ کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور وہ دعوت اسلام کے لیے یہ بات ضروری خیال کرتے تھے کہ جذبات اور روایات کی مطابقت ہر بات میں ملحوظ رکھنی چاہیئے۔

قبر کا غسل

مشائخ کو معلوم تھا کہ بت خانوں میں بتوں کو غسل دیا جاتا ہے اور غسل کا پانی اقوام ہندوستان بڑی عقیدت مندی سے بطور تبرک پیتی ہیں۔ انہوں نے بھی حضرت خواجہ کے مزار کا غسل جاری کیا۔ اور غسل کا پانی ان قوموں نے تبرک سمجھا چنانچہ آجتک قبر کے غسل کی رسم موجود ہے۔ اور ہزاروں کوس غسل کا پانی بطور تبرک کے لوگ اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

خواجہ کی بدھی

ہندو اقوام کو جنیؤ سے بہت محبت ہوتی ہے۔ اور وہ ایک سوتی ڈورا ہوتا ہے جسکو ہندو ہونے کی علامت کے طور پر پہنا جاتا ہے۔

جنیؤ کی رسم بہت پرانی ہے۔ پارسیوں میں بھی ایکقسم کا جنیؤ کمر میں باندھتے ہیں جسکو کُستی کہا جاتا ہے۔ اور جو پارسی ہونے کی ایک ضروری علامت ہے۔

جو قومیں مسلمان ہو جاتی تھیں ان کو جنیؤ اُتارنا پڑتا تھا مگر ان کا دل قدامت کی ایک رسم کے ترک سے بہت ڈانواڈول رہتا تھا۔ اس واسطے مشائخ نے خواجہ کی بدھی کے نام

سے ایک سبز رنگ کا ڈورا ایجاد کیا جسکو خواجہ کے مزار پر حاضر ہو کر زائرین گلے میں پہنتے تھے۔ اور واپسی کے وقت اپنے بچوں اور دوستوں کے لئے بطور نشان حاضری عرس اور بطریق تبرک بہت سی بدھیاں ساتھ لیجاتے تھے اور نہایت خلوص سے ان کو پہنا جاتا تھا۔ اب بھی یہ رسم موجود ہے +

خواجہ کا تلک

ہندوؤں میں ہر عقیدہ کا تلک یعنے ماتھے کا قشقہ علیحدہ صورت سے مقرر ہے۔ جو شو کی پوجا کرتے ہیں وہ اپنی پیشانی پر ایک کنپٹی کی طرف سے دوسری کنپٹی کی جانب تین لکیریں صندل سے ماتھے کی چوڑان میں کھینچ لیتے ہیں۔ ان تین لکیروں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شو کے اختیار میں ست (پیدائش) رج (پرورش) تم (ہلاکت و فنا) کی قوتیں ہیں۔ اور یہ تین لکیریں اس بات کی علامت ہیں کہ ہم اس شو کو پوجتے ہیں جو ست، رج، تم، کا مالک ہے +

اور جو سیتا رام لچھمن کے ماننے والے ہوتے ہیں وہ اپنے ماتھے کے طول میں سر کے بالوں سے ناک کی جڑ کی طرف تین لکیریں بناتے ہیں۔ جس سے مراد سیتا رام لچھمن کی تین ذاتیں ہوتی ہیں +

اور جو لکشمی (دولت) کی پوجا کرتے ہیں وہ ماتھے پر زرد رنگ کا ایک تلک لگاتے ہیں کیونکہ دولت کا رنگ زرد مانا گیا ہے۔ اور جو ہنومان کی پوجا کرتے ہیں وہ سرخ رنگ کا ایک ٹیکہ ماتھے پر لگاتے ہیں۔ کیونکہ ہنومان ایک خوں ریز سپہ سالار مانا جاتا ہے +

مشائخ نے جب اس رسم پر غور کیا تو انہوں نے صاف صاف تو کوئی رسم اس کے قائم مقام نہ بنائی تاہم اس کے قریب قریب یہ کیا کہ حضرت خواجہ کے مزار پر آنے والے زائرین کے سر پر صندلی رنگ کے کپڑے باندھ دئے جو اس بات کی علامت سمجھے جاتے

تھے کہ یہ لوگ خواجہ کے زائر ہیں۔ اور اجمیر سے آرہے ہیں۔ نیز عرس کی آخری تاریخ چھٹی کو تمام زائرین کے کپڑوں پر زرد رنگ کے چھینٹے بھی دیے جاتے تھے۔ جن کو حاصل کرنے کے لیے بڑی کش مکش ہوتی تھی۔ اور متعدد آدمی کچلے جاتے اور زخمی ہو جاتے تھے۔ کیونکہ ان زرد چھینٹوں کو بہت متبرک اور نیک نشان خیال کیا جاتا تھا۔ اور جب یہ لوگ اپنے گھروں کو واپس آتے تھے تو راستہ میں اور گھر پہنچکر انہی نشانوں سے انکو خواجہ کا زائر سمجھا جاتا تھا۔

یہ جس قدر مراسم مذکور ہوئیں ابتک جاری ہیں اور کسی رسم میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی ہے۔

شریعت کی نظر ان مراسم پر

شریعت ظاہر کی نظر سے اگر ان مراسم کو دیکھا جائے تو ممکن ہے انکو بدعت کا خطاب ملے اور علما ان سے ناخوش ہوں۔ کیونکہ ان میں غیر مسلم لوگوں کی مشابہت پائی جاتی ہے۔

مگر اشاعت اسلام کے نقطہ نظر سے یہ مراسم بہت ہی مفید اور مؤثر ثابت ہوئی ہیں اور کروڑوں آدمی انکے اثر سے دائرہ اسلام میں آگئے ہیں۔ اور حساب کی اوسط لگا کر دیکھا جائے تو ان رسموں سے اسلام کو نقصان کے عوض فائدہ بہت زیادہ ہوا ہے کیونکہ بے شمار مخلوق کو ان تقریبوں نے اسلام کا پابند بنا دیا۔ اور وہ اسلام کے زیر اثر آگئیں اگر حفاظت اسلام کا کام جاری رہتا تو یہی اقوام پختہ عقائد کی مسلمان بن جاتیں اور جیسا تعلیم پھیل گئی ہے اب بھی یہ لوگ پکے مسلمان بن گئے ہیں۔

مجکو ان مراسم پر جرح قدح کا حق ہے۔ نہ جائز اور ضروری قرار دینے کا کیونکہ میری کتاب کو اس سے تعلق ہے میں تو صرف ان طریقوں کو بتانا چاہتا ہوں جن سے دعوت اسلام مکمل ہوئی اور اشاعت اسلام کا کام کیا گیا۔ جائز یا ناجائز کا فیصلہ کرنا میرے پیش نظر

موضوع کے خلاف ہے۔ تاہم داعیان اسلام سے اتنا عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب تک مشائخ کے ان طریقوں کی مثل اشاعت اسلام کے طریقے اور قاعدے جاری نہ کیے جائیں گے۔ یا مروجہ طریقوں پر زیادہ مستعدی و دانشمندی سے عمل شروع نہ ہوگا اقوام ہند میں اشاعت اسلام کی کامیابی مشکوک رہے گی۔

حضرت خواجہ کی کرامتیں

ان مراسم کے اندر جن کا ذکر کیا گیا ایک ظاہری قوت اسلام کی طرف راغب ہونے کی تھی۔ مگر اصل چیز جس نے حضرت خواجہ کی حیات اور وفات کے بعد لوگوں کو اسلام کی جانب کھینچا ان کی کرامتیں اور باطنی کمالات تھے۔

شریعت کے علما تو کرامتوں کے صحیح و غیر صحیح ہونے کی بحث پر اپنے وقت کا خاتمہ کر دیتے ہیں لیکن مشائخ نے انہی کرامتوں سے لاکھوں آدمیوں کو مسلمان کر لیا اور کرامتوں کی قوت سے اسلام کی جڑ ہندوستان میں مضبوط کر دی۔

کرامتوں کے صحیح ہونے کی سب سے آسان اور عام فہم دلیل یہ ہے کہ لاکھوں آدمی ان کے قائل ہیں اور بے شمار آدمیوں کو یقین ہے کہ اولیاء اللہ خصوصاً حضرت خواجہ اجمیری کی باطنی قوت کا تصرف ہمارے مقاصد دین و دنیا میں کام کر سکتا ہے۔ اور کرتا ہے۔

چنانچہ سات سو برس سے آج تک ہندوستان کے بادشاہوں اور راجاؤں اور نوابوں اور درمیانی طبقے کے ہندو مسلمانوں اور تمام ادنیٰ اقوام کو حضرت خواجہ اجمیری کے ساتھ دلی عقیدت رہتی آئی ہے اور انہوں نے اسکو مانا ہے کہ حضرت خواجہ کی کرامت سے ہمکو اولاد ملتی ہے۔ بیماریاں دور ہوتی ہیں عمر میں ترقی ہوتی ہے اور سب چھوٹی بڑی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔

میں نے اوپر بھی عرض کیا ہے کہ اصل چیز جس نے غیر مسلم اقوام کو اسلام کی طرف کھینچا اور فقرا اور درویشوں کے ذریعے سے کروڑوں آدمی مسلمان ہوئے یہی باطنی تصرفات تھے لوگوں کو یقین تھا کہ یہ بزرگ جسکو آنکھ اُٹھا کر دیکھ لیں دونوں جہاں میں اُس کے بیڑے پار ہو جائیں اور خدا نے انکو ایسی قوت دی ہے کہ ان کی برکت سے ہمارے دینی اور دنیاوی تمام کام سنور سکتے اور درست ہو سکتے ہیں اکبر جیسا نامور شہنشاہ کئی مرتبہ اجمیر شریف پیدل حاضر ہوا اور خود ہی نہیں بلکہ اُس کی بیگم بھی پیدل گئی جو اپنے محل میں بھی چار قدم پیدل چلنا کسر شان سمجھتی تھی اور ہر وقت ہوا دار پر سوار ہو کر پھرا کرتی تھی لڑائی کے وقت ہندو راجہ اور مسلمان بادشاہ یا معین یا معین کے نعرے لگاتے تھے کیونکہ انکو یقین تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی باطنی قوت ہمکو فتحیاب کرا سکتی ہے *

یہ باتیں علمائے ظاہر کے لیے کتنی ہی باعث اختلاف ہوں لیکن اُس حدیث قدسی کی بموجب جو صحاح ستہ میں موجود ہے ان عقاید پر حرف گیری کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ اپنی عبادت کے سبب مجھسے قریب ہو جاتا ہے تو میں اس کی آنکھ بنجاتا ہوں وہ مجھ سے دیکھتا ہے اور میں اُس کے کان بنجاتا ہوں وہ مجھسے سُنتا ہے اور میں اُس کا ہاتھ بنجاتا ہوں وہ مجھسے کام کرتا ہے *

پس حضرت خواجہ اجمیری و دیگر اولیاء اللہ جو اپنی عبادت اور زہد و تقویٰ اور عشق و محبت الٰہی کے سبب قرب خدا کے خاص درجے رکھتے تھے اگر اُن کے تصرفات خدائی کاموں کی طرح مانے جائیں تو اس حدیث کے بموجب اُنکو خدا ہی کے کام سمجھنا چاہیئے *

میرا مقصد یہ ہے کہ دعوت اسلام اور اشاعت اسلام کو ان کراماتوں اور تصرفات باطنی نے بہت فائدہ پہنچایا تھا۔ اور آجتک جو لاکھوں غیر مسلم اقوام حضرت خواجہ کے مزار پر و دیگر اولیاء اللہ کی درگاہوں پر حاضر ہوتی ہیں اُنکا سبب یہی ہے کہ ان کی کراماتوں

اور تصرفات باطنی کا یقین ہر جگہ پایا جاتا ہے اگر داعیانِ اسلام حقیقی طور پر اشاعت اسلام کو کارگر اور مفید بنانا چاہتے ہیں تو انکو علمائے ظاہر کے اختلافیہ جھگڑوں سے قطع نظر کر کے کراماتوں اور تصرفات کی شہرت اور اشاعت میں پوری قوت صرف کرنی چاہئے جو اُنکے ہر ارادے میں مددگار ثابت ہونگی +

خواجہ کی دیگیں

سات سو برس سے آجتک حضرت خواجہ کے مزار پر تمام مسلم اور غیر مسلم اقوام کی طرف سے نذر نیاز کا سلسلہ جاری ہے عورتیں اور مرد وہاں آکر منتیں مانتے ہیں اور جب اُن کا کام پورا ہو جاتا ہے تو اپنے گھر پر یا اجمیر شریف حاضر ہو کر منتیں پوری کی جاتی ہیں +

اجمیر شریف میں خواجہ کی دیگیں ہر شخص نے دیکھی ہوں گی یا اتنی بڑی بڑی ہیں جن کو دیکھکر عام طبائع پر ایک رعب اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے گو فلسفیانہ طور پر آجتک کسی نے ادہر توجہ نہ کی ہو لیکن فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اس قسم کی باتوں سے متاثر ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ نو مسلم اور غیر مسلم اقوام میں جو گیت خواجہ کی شان میں گائے جاتے ہیں اُن میں درگاہ کے بلند دروازے اور بڑی دیگوں اور اونچی سیڑھیوں اور سماع خانے کے بیشمار خیموں (جنکو دَل بادل کہا جاتا تھا اور پختہ سماع خانے کی تعمیر سے پہلے مجلس سماع کے لیے یہی خیمے لگائے جاتے تھے) اور مزار کے اوپر پھولوں کے ڈھیروں اور سونے کے کلس اور چاندی کے کٹہرے کا ہمیشہ ذکر رہتا ہے۔ جو علامت ہے اِس بات کی کہ عوام کے جذبات اِن مناظر سے بیحد متاثر ہوا کرتے ہیں۔ اور اسلام کی شوکت انھیں طریقوں سے اُنکے دلوں میں پیدا ہوتی تھی +

میں مانتا تسلیم کرتا ہوں کہ تمادی ایام کے سبب اور جہالت عام کے باعث ان مراسم میں

بہت سی بدعتیں اور ناجائز باتیں بھی شامل ہوگئی ہیں جن کی اصلاح کرنی چاہیے لیکن اصولاً جن چیزوں نے دعوت اسلام کو قوت پہنچائی اُن کا ذکر کرنا میرے پیش نظر مقصد میں شامل تھا اس واسطے اُن کو قلمبند کیا گیا۔

حضرت خواجہ کی روحانی اولاد کی دعوتِ اسلام

اب میں چشتیہ سلسلے کے ان چند بزرگوں کا تذکرہ لکھنا چاہتا ہوں جنہوں نے دعوت و اشاعت اسلام کا فرض پورا کیا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی نسبت لکھ چکا ہوں کہ نسباً فاطمی سید تھے۔ انہوں نے اپنے خلفاء اور مریدین کے ذریعے سے اشاعت اسلام کا بہت بڑا کام کیا۔ حضرت خواجہ قطب صاحب کے خلیفہ اور جانشین حضرت بابا فریدالدین گنجشکر تھے جن کا مزار پاک پٹن ضلع منٹگمری پنجاب میں ہے۔ تاریخوں اور ملفوظات اور تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب کے لاکھوں غیر مسلم حضرت بابا صاحب کے فیض صحبت سے مسلمان ہوئے۔ حضرت بابا صاحب آج تک فاروقی شیخ مشہور تھے لیکن اسی زمانے میں امروہے ضلع مرادآباد کے کسی صاحب نے سیادت فریدی کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں حضرت بابا فریدالدین گنجشکر کا فاطمی سید ہونا ثابت کیا گیا ہے اگر اس کتاب کی مفصل و مشرح تحقیق کو درست مان لیا جائے تو حضرت بابا صاحب نے اشاعت اسلام کا جتنا عظیم الشان کام کیا ہے وہ بنی فاطمہ کے کاموں میں درج کیا جا سکتا ہے۔

حضرت بابا صاحب کے خلیفہ اور جانشین حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی تھے جو اصل نسل فاطمی سید اور ہندوستان کے بہت مشہور بزرگ اور اشاعت اسلام کے نہایت زبردست رکن مانے گئے ہیں۔ نظامیہ سلسلہ انھیں سے جاری ہوا ہے ان کا ابتدائی زمانہ سلطان غیاث الدین بلبن کے وقت میں شروع ہوا اور سلطان معز الدین کیقباد و سلطان جلال الدین خلجی و سلطان علاؤ الدین خلجی و سلطان قطب الدین خلجی و سلطان

غیاث الدین تغلق سات بادشاہ حضرت کے زمانے میں ہوئے۔ جب ان بادشاہوں کو کسی ملکی مہم میں دشواری پیش آتی تھی تو وہ آپ کے پاس دعا کرنے کا پیغام بھیجتے تھے اور تمام ہندوستان کے علماء و مشائخ میں حضرت محبوب الٰہیؒ کی عظمت و بزرگی تسلیم کی جاتی تھی۔

علاؤ الدین خلجی نے جب دکن کا ملک فتح کیا تو حضرت محبوب الٰہی نے اپنے پانسو مرید خلفاء کو اشاعت اسلام کے لئے اس ملک میں بھیج دیا۔ چنانچہ احمد آباد گجرات، خلد آباد اورنگ آباد، گلبرگہ وغیرہ میں ان نظامی بزرگوں کی درگاہیں آجتک مشہور زمانہ ہیں۔ صوبہ بمبئی سندھ۔ اور دکن میں اشاعت اسلام کا سب سے بڑا کام انہیں حضرات کے ہاتھوں سے پورا ہوا ہے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کے ایک اور خلیفہ حضرت مخدوم اخی سراجؒ بنگالے کی طرف بھیجے گئے تھے جن کے اثر سے صوبہ بہار و اڑیسہ بنگال و آسام و برما و چین میں بکثرت اشاعت اسلام ہوئی۔ چنانچہ چین میں اس وقت تک ڈیڑھ سو خانقاہیں چشتیہ نظامیہ سراجیہ سلسلے کی موجود ہیں۔

گلبرگہ شریف دکن میں حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ کا مزار ہے جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے دوسرے واسطہ پر خلیفہ اور فاطمی سید تھے ان کے ہاتھ پر بھی لاکھوں آدمی مسلمان ہوئے۔

آخر زمانہ میں حضرت مولانا فخر الدین چشتیؒ دہلی کے ایک نامور بزرگ گزرے ہیں یہ بھی چشتیہ خاندان کے ایک بڑے رکن تھے اور انکو چشتیہ نظامیہ سلسلے کا دور آخر میں مجدد سمجھا جاتا ہے۔ ان کے ذریعے سے بھی اشاعت دعوت اسلام کو بہت تقویت پہنچی۔ ان کے ایک خلیفہ حضرت مولانا نور محمد صاحبؒ مہاران علاقہ بہاولپور میں بڑے نامور بزرگ گزرے ہیں جن کے فیض باطن سے اس علاقے کی بہت سی اقوام نے اسلام قبول کیا۔ مولانا نور محمد صاحب کے ایک خلیفہ حضرت قاضی محمد عاقل صاحب چاچڑاں

ریاست بہاولپور میں تھے اور انہوں نے بھی اشاعت اسلام کا بہت بڑا کام کیا۔
قاضی محمدؐ عاقل صاحب کے جانشین حضرت خواجہ غلام فرید صاحب بھی ایک بہت بڑے بزرگ تھے۔ جن کے مریدوں کی تعداد لاکھوں سے بڑھ گئی تھی نواب بہاولپور بھی اُن کا مرید تھا اور غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے سامنے کھڑا رہتا تھا ان کی سخاوت کی اتنی دھوم تھی کہ بیشمار آدمی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور مالا مال ہوکر واپس جاتے تھے ان کے ہاتھ پر بھی ہزاروں ہندو اسلام لائے اور متعدد عیسائیوں اور انگریزوں نے بھی اسلام قبول کیا +

حضرت مولانا نور محمدؐ مہاروی کے ایک خلیفہ تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خاں میں تھے۔ جن کا نام نامی حضرت شاہ محمدؐ سلیمان تھا ان کے مرید بھی لاکھوں سے متجاوز تھے اور سرحدی علاقوں میں انکے سبب اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی +

ان کے پوتے اور جانشین حضرت شاہ الہ بخش صاحبؒ اپنی شہرت اور اثر باطنی میں دورِ آخر کے نامور بزرگ گزرے ہیں اور ابھی حال میں انھوں نے رحلت کی ہے صوبہ سرحد و پنجاب ہندوستان میں انکے لاکھوں مرید پائے جاتے ہیں اور انکے ہاتھ پر بھی بیشمار آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت شاہ الہ بخش صاحب کے خلیفہ حضرت غلام حسن خانصاحب ٹوہانہ ضلع حصار میں ایک بزرگ موجود ہیں جن کے بیشمار مرید پائے جاتے ہیں۔ اور بیکانیر وجودہ پور وغیرہ میں بہت لوگ اُن کے اثر سے شریک اسلام ہوئے ہیں +

حضرت مولانا فخر الدین چشتیؒ کے ایک اور نامور خلیفہ حضرت شاہ نیاز احمد صاحبؒ بریلی میں تھے۔ جنکا تخلص نیاز تھا اور جنکا کلام تمام ہندوستان کی مجالس قوالی میں گایا جاتا ہے۔ حضرت شاہ نیاز احمد صاحبؒ کے مریدین بھی لاکھوں تھے اور بکثرت غیر مسلم لوگ اُنکے اثر سے مسلمان ہوئے اُنکے صاحبزادے اور جانشین حضرت مولانا شاہ نظام الدین حسین صاحب

تھے۔ ان کی شہرت اور عظمت بھی اپنے والد کی طرح ہمہ گیر تھی اور بیشمار غیر مسلم ان کی توجہ سے دائرہ اسلام میں آئے +

صابریہ سلسلہ

چشتیہ نظامیہ سلسلے کے مشائخ کا یہ مجمل اور سرسری تذکرہ سننے کے بعد صابریہ سلسلے کا حال معلوم کرنا چاہیئے۔ صابریہ طریقہ حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابرؒ چشتی سے چلا ہے جو فاطمی سید اور حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے خلیفہ تھے۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ اور حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ اور حضرت شاہ ابوالمعالیؒ وغیرہ بزرگوں سے اشاعتِ اسلام کے بڑے بڑے کام ہوئے ہیں اب آخر زمانے میں حضرت مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی صابریہ سلسلے کے ایک بڑے بزرگ تھے جن کے ذریعے سے بہت لوگ مسلمان ہوئے +

اسی سلسلے کے آفتاب حضرت مولانا شاہ امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی تھے جن کے ہندوستان و عرب میں ہزارہا علماء مرید تھے بلکہ کہنا چاہیئے کہ سب علمائے اگر کسی بزرگ کو مانا اور کسی درویش کے حلقہ بگوش ہوئے تو وہ دورِ آخر میں صرف حاجی امداد اللہ صاحب کی ذاتِ بابرکات تھی حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی وغیرہ نامور علماء حضرت حاجی صاحب کے مرید تھے اور ان کی غلامی پر فخر کرتے تھے اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی بھی حضرت حاجی صاحب کی غلامی کا شرف رکھتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب کے مریدین اور متوسلین کے ذریعے سے بھی اشاعت اسلام کے بڑے بڑے کام ہوئے ہیں +

نقشبندیہ سلسلے کے ایک بہت بڑے بزرگ حضرت مولانا شاہ ابوالخیر صاحب دہلی میں آجکل موجود ہیں انکے مریدین کی تعداد بھی لاکھوں سے متجاوز ہے۔ اور انکے فیض نے بھی بہت

لوگوں کو حلقۂ اسلام میں شریک کیا ہے۔

میں نے بہت مجمل طور پر ایک سرسری تذکرہ ان مشائخ کا یہاں لکھا ہے کیونکہ پوری تفصیل کی گنجایش نہ تھی اگر میں ہندوستان کے تمام مشائخ کا فرداً فرداً حال لکھتا تو ہزارہا صفحوں میں بھی ان بیانات کی سمائی نہ ہوسکتی خصوصاً غیر معروف مشائخ کا ذکر میں نے بالکل نہیں کیا۔ حالانکہ اُن کے ذریعے سے اب تک دعوت و اشاعت اسلام کا کام ہو رہا ہے۔ مثلاً مرادآباد کے ریلوے مال گودام میں بابو عبدالرحمٰن صاحب نظامی نامی ایک شخص ہیں جن کا تعلق چشتیہ نظامیہ سلسلے سے ہے اور جن کی صورت بالکل رندانہ ہے۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی لمبی لمبی مونچھیں۔ ریلوے بابوؤں کے سے کپڑے مگر ان میں ایک قدرتی طاقت اشاعت اسلام کی ہے اور اس کتاب کے لکھتے کے وقت تک تین سو سے زیادہ آدمی اُنکے ذریعے سے مسلمان ہو چکے ہیں۔ اور تعجب خیز یہ بات ہے کہ ان نومسلموں میں معقول حصہ یورپین اور یوریشین لوگوں کا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ ان کا طریقہ اشاعت کیا ہے تو اُسکا جواب دینا بہت مشکل ہوگا کیونکہ نہ وہ عالم ہیں نہ واعظ ہیں نہ مباحثہ اور مناظرہ کرنا جانتے ہیں بلکہ ایک سیدھے سادے غریب مسلمان ہیں۔ مگر ان کے اندر اولیاء اللہ کی محبت بہت زیادہ ہے۔ اور ان کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کے ذوق کی کیفیت نظر آتی ہے اور جب وہ کسی سے بات کرتے ہیں تو مخاطب کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ میرے عاشق زار ہیں اور میرے ساتھ بہت محبت و خلوص رکھتے ہیں۔ دو چار ملاقاتوں کے بعد ہر شخص اُنکا گرویدہ و شیفتہ ہو جاتا ہے اور اُنکے کہنے کا وزن و وقار اُس کے دل میں جم جاتا ہے پس جس وقت وہ مسکرا کر ایک مستانہ انداز سے اپنے مخاطب کو حکم دیتے ہیں کہ مسلمان ہو جاؤ تو وہ شخص انکار کی تاب نہیں رکھتا اور کچھ ایسا مرعوب و متاثر ہوتا ہے کہ بے اختیار کلمہ پڑھنے لگتا ہے۔

ان کے ہاتھ پر مسلمان ہونے والوں نے بڑی بڑی اذیتیں اور تکلیفیں اپنی برادری

والوں کے ہاتھ سے اُٹھائیں مگر ایسے ثابت قدم مسلمان ہوئے کہ باوجود مشکلات کے ایک انچ اسلام سے پیچھے نہ ہٹے میں نے خود ان کے مسلمان کیے ہوئے لوگوں کو دیکھا ہے اُن سب میں اسلام کا ایک ذوق اور ولولہ پایا جاتا ہے۔ ایک یوروشین لڑکے کو دیکھا جو ۱۹۔ ۲۰ برس کی عمر کا تھا صورت بہت اچھی تھی۔ درگاہوں میں فقیرانہ لباس پہنے ہوئے ہُو، حق کے نعرے لگاتا پھرتا تھا۔ اور جو شخص اُس سے بات کرتا تھا اُس کے دل کی کیفیت اور ذوقِ روحانی سے مسحور ہو جاتا تھا۔ یہ انہی کا مُسلمان کیا ہوا تھا

اگر کوئی شخص ہندوستان کی سیاحت کرے اور شہروں اور قصبات میں جا کر فاطمی علما اور فاطمی مشائخ اور فاطمی اطبا، و تجار کے حالات کی تحقیقات کرے تو اُسکو ہزارہا نام ایسے لوگوں کے ملیں گے جنہوں نے اشاعت و دعوتِ اسلام کا فرض پورا کیا اور جن کے ذریعے سے ناقابلِ شمار تعداد دائرہ اسلام میں آئی ۔

یہ جتنے حالات میں نے لکھے عموماً صوفیوں کے تذکرے اور ملفوظات دیکھنے سے معلوم ہوئے ہیں یا خود اپنی ذاتی واقفیت و تحقیق کی بنا پر ان کو درج کیا گیا ہے۔ اور ان کثیر واقعات کو چھوڑ دیا گیا جو مسٹر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام میں جمع کیے گئے ہیں۔ اور جن میں ہندوستان و چین و ایران وغیرہ ممالک کے داعیان اسلام کے کارناموں کو تفصیل سے دکھایا گیا ہے۔ کیونکہ پریچنگ آف اسلام کا اُردو ترجمہ شایع ہو چکا ہے۔ اس کے واقعات کو لکھنا بے فائدہ معلوم ہوا۔ البتہ یہ لکھنا ضروری ہے کہ مسٹر آرنلڈ نے اس کتاب میں تسلیم کر لیا ہے کہ دعوت و اشاعت اسلام کا سب سے زیادہ کام مشائخ صوفیہ نے کیا ہے۔ اور اُنکے بعد تاجروں کا درجہ ہے کہ اُنکے ذریعے بھی اسلام کی بہت اشاعت ہوئی ہے"

اسلام کو تباہ کرنیوالے حریف پر قبضہ

البتہ پریچنگ آف اسلام سے یہ اقتباس کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کو مسلمان

کرنے والے ایک صوفی بزرگ تھے۔

اور چونکہ تمام مشائخ صوفیہ یا تو فاطمی سید گزرے ہیں اور یا بنی فاطمہ کی تعلیم روحانی کے مقلد اور پیرو اس واسطے مغلوں کو دائرہ اسلام میں لانا فاطمی سادات کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جائے گا۔ کیونکہ مغل وہ قوم تھی جس نے خلافت عباسیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ اور اسلامی اثر کا چراغ اپنی دانست میں بالکل گل کر دیا تھا۔ اور جنکو عیسائی بنانے کی سر توڑ کوشش پادری لوگ کر رہے تھے۔ اور عیسائیوں کا اثر مغلوں پر اس قدر جم چکا تھا کہ مغل بادشاہوں کی بیویاں تک عیسائی مذہب رکھتی تھیں۔ اور بقول مسٹر آرنلڈ پوپ روم ان عورتوں اور دیگر ذرائع سے مسلسل کوشش کر رہے تھے کہ مغل بادشاہ عیسائی ہو جائے اور اسلام کو ملیا میٹ کرنے کا حربہ ہاتھ آئے۔

مغلوں نے تمام اسلامی دنیا کو فتح کر لیا تھا۔ اور ان کے ولی عہد اور شہزادے عیسائی مذہب کی تعلیم و تربیت میں رکھے جاتے تھے کیونکہ بادشاہ بیگم عیسوی مذہب رکھتی تھیں۔ اس واسطے پوپ اور پادریوں کی یہ توقع غلط نہ تھی کہ بہت جلد مغل بادشاہ عیسائی ہونے والا ہے۔

دوسری طرف مسلمانوں میں اپنے تباہ کرنے والے حریف مغلوں کو مسلمان کرنے کا کسی شخص کو خیال بھی نہ آتا تھا کیونکہ وہ ان کی سفاکانہ عادتوں سے یا تو خائف تھے اور یا بیزار تھے۔ انکو اگر کچھ خیال آ سکتا تھا تو یہ کہ کسی طرح پھر انقلاب پیدا ہوا اور ہم مغلوں کو زیر کر کے اپنی اسلامی سلطنت قائم کر لیں جیسا کہ آجکل ہو رہا ہے کہ تمام مسلمان حکمران یورپین فاتحین سے محفوظ رہنے یا انکو مغلوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ یورپ کو مسلمان کر لیا جائے۔

مگر صوفی مشائخ اس خیال سے غافل نہ تھے۔ اگرچہ ان کے پاس ایسے ذرائع نہ تھے جو انکو بادشاہ تک پہنچا سکتے تاہم وہ موقع تلاش کرنے میں کوتاہی نہ کرتے تھے۔

یہاں تک کہ ایک دن وہ کامیاب ہوئے اور ایک ہی ملاقات میں انہوں نے مغل بادشاہ کے دل کو عیسائیت سے بیزار کر کے اسلام کا شیدا بنا دیا۔ اور اسلامی تاریخ میں جلی حرفوں سے یہ اعلان لکھوا دیا کہ

صوفی مشائخ نے جو بنی فاطمہ کے غلام تھے مسلمانوں اور اسلام کے سب سے بڑے حریف مغلوں کو روحانی قوت سے مغلوب کر لیا اور ان کے تصرف باطنی نے ایک چٹکی میں وہ کام کر دیا جو عیسائیوں کا پوپ سالہا سال کی محنت کے باوجود نہ کر سکا۔

اسلامی قصر بے چراغ پڑا تھا بنی فاطمہ کے غلاموں نے اس میں پھر کافوری شمعیں روشن کر دیں۔ اسلامی تمدن سکرات میں پڑا ہچکیاں لے رہا تھا صوفی مشائخ نے اپنی مسیحا نفسی سے اس میں جان ڈال دی۔ اسلامی امیدیں شکستہ ہو گئی تھیں ایران کے ایک درویش نے انکو ایک ہی دن میں پھر جوڑ دیا۔

اس عظیم الشان کام کی کیفیت ایک عیسائی انگریز مسٹر آرنالڈ نے اس طرح لکھی ہے:

مغلوں کا پہلا بادشاہ جو مسلمان ہوا برکہ خاں تھا۔ جو ۱۲۵۶ء تک سیر اوردا کا خان رہا اسکے مسلمان ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ ۱۲۱۰ء میں حضرت نجم الدین مختار الزاہدی نے برکہ خاں کے لیے ایک کتاب لکھی جس میں رسالت کو براہین سے ثابت کیا اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے مذہبی مناظروں کا حال لکھا (ماخوذ از کتاب سیتن شیندر صفحہ ۶۳-۶۴)۔

ایران میں جہاں ہلاکو خاں دولت ایلخانیہ کا بانی ہوا تاتاریوں میں اسلام کی اشاعت رفتہ رفتہ ہوئی برکہ خاں اور سلطان مصر کے حملوں سے بچنے کے لیے ہلاکو خاں نے مشرق کے عیسائیوں سے جیسے آرمینیا کا بادشاہ اور صلیبی مجاہدین تھے۔ اتفاق کر لیا۔ ہلاکو خاں کی سب سے چہیتی بیوی عیسائی تھی اور اس نے اپنے خاوند کے خیالات عیسائیوں کی طرف سے اچھے کر دیے تھے۔ ہلاکو خاں کے بیٹے اباقا خان نے قسطنطنیہ کے عیسائی شہنشاہ کی

بیٹی سے شادی کی تھی۔ اگرچہ اباقاخان خود عیسائی نہ تھا لیکن اُسکے دربار میں عیسائی پادری کثرت سے موجود رہتے تھے۔ یورپ کے اکثر عیسائی بادشاہوں کو اُس نے اپنے سفیر روانہ کیے سینٹ لوئی بادشاہ فرانس چارلس بادشاہ صقلیہ جیمس بادشاہ ارغون کے پاس سفارتیں اس غرض سے بھیجیں کہ مسلمانوں کے خلاف یہ عیسائی اُس سے اتفاق کریں۔ اسی خیال سے ۱۲۷۴ء میں اباقاخان نے لیون کی مجلس کو ایک سفارت روانہ کی جب یہ سفارت مجلس میں پہنچی تو مغلوں کے سفیر خاص نے سر مجلس عیسائی مذہب قبول کیا اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اصطباغ لیا۔ عیسائیوں کو اباقاخان کے عیسائی ہونے کی بہت اُمیدیں تھیں لیکن وہ سب فضول ثابت ہوئیں۔ اور اُس کا بھائی تکودار[1] جو اُسکا جانشین ہوا دولت ایلخانیہ کا پہلا بادشاہ تھا جس نے اسلام قبول کیا ایک ہمعصر نویس عیسائی مصنف نے لکھا ہے کہ تکودار کی تعلیم و تربیت عیسوی مذہب پر ہوئی تھی۔ بچپن میں اُس کو اصطباغ ملا تھا اور نکولس اُسکا نام رکھا گیا تھا۔ لیکن تکودار جب بڑا ہوا تو اُس نے مسلمانوں کے اثر صحبت سے جنکو وہ بہت عزیز رکھتا تھا عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کیا اور سلطان محمد یا احمد اپنا نام رکھا اور جس قدر ہو سکا اس بات کی کوشش کی کہ سب تاتاری اسلام قبول کریں اور اس کے لیے انعام و اکرام۔ اختیار اور عزت لوگوں کو بخشے۔ یہاں تک کہ اُس کے زمانہ میں بہت تاتاری مسلمان ہو گئے۔

بلاد وسط میں جو چغتائی ابن چنگیز خان اور اُس کی اولاد کے حصہ میں آ گئے تھے دعوت اسلام کے حالات کا پتہ کم چلتا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلا بادشاہ جسکو نور اسلام کی برکت ملی؟ وہ براق خان تھا جو چغتائی خاں کا پڑپوتا تھا اور جس نے تخت نشین ہونے کے دو برس بعد مسلمان ہو کر سلطان غیاث الدین (سنہ ۱۲۶۹ء) اپنا نام رکھا لیکن یہاں شروع زمانہ میں اسلام کی ترقی زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہ سکی کیونکہ براق خاں کے مرنے

[1] وصاف نے اس بادشاہ کو مسلمان ہونے سے پہلے تکودار اور مسلمان ہونے کے بعد احمد لکھا ہے (تاریخ وصاف) ہمشیرزادہ سعید تو م صفحہ ۹

کے بعد جو مغل سلطان ہوئے تھے اُنھوں نے پھر اپنا قدیم مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اور چودھویں صدی عیسوی سے پہلے اس حالت کی اصلاح نہ ہو سکی۔ البتہ طرمشرین خاں جس نے سنہ ۱۳۲۲ء سے سنہ ۱۳۲۶ء تک سلطنت کی جس وقت مسلمان ہوا تو چغتائیہ مغلوں نے بالعموم اسلام اختیار کر لیا اور جب ایک دفعہ اُنھوں نے اپنے بادشاہ کی طرح اسلام قبول کر لیا تو پھر وہ مضبوط دل سے اس مذہب پر قائم رہے لیکن اس حال میں بھی اسلام کا اور مذہبوں پر غالب آنا جو حریف مقابل تھے یقینی امر نہ تھا۔ کیونکہ طرمشرین کے جانشینوں نے سلطنت پر ظلم و ستم کرنے شروع کیے[1] اور جب تک کاشغر کا بادشاہ جس کی ریاست چغتائیہ سلطنت کی تقسیم و ضعف سے خود مختار ہو گئی تھی اسلام کی حمایت کو نہ اٹھا اُس وقت تک اسلام کی ترقی ممکن نہ ہوئی۔ سلطان کاشغر کے مسلمان ہونے کی نسبت جس کا نام تغلق تیمور خاں (سنہ ۱۳۴۷ء تا ۱۳۶۳ء) تھا لکھا ہے کہ بخارا سے ایک بزرگ شیخ جمال الدین کاشغر میں آئے اور اُنھوں نے تغلق تیمور کو مسلمان کیا۔ شیخ جمال الدین اور اُنکے ساتھی سفر میں تھے کہ نادانستہ تغلق کی شکاری زمین پر سے اُن کا گذر ہوا بادشاہ نے اس قصور میں ان سب لوگوں کی مشکیں کسوا کر اپنے سامنے طلب کیا۔ اور نہایت غضب کی حالت میں اُنسے پوچھا کہ تم لوگ کیوں ہماری زمین میں بے اجازت داخل ہوئے۔ شیخ نے جواب دیا کہ ہم اس ملک میں اجنبی ہیں اور ہم کو مطلق خبر نہ تھی کہ ہم ایسی زمین پر چل رہے ہیں جس پر چلنے کی ممانعت ہے۔ بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایرانی ہیں تو اُس نے کہا کہ ایرانی سے تو کتا بہتر ہوتا ہے۔ شیخ نے کہا سچ ہے اگر دین برحق ہمارے پاس نہ ہوتا تو ہم فی الحقیقت کتے سے بھی بدتر تھے۔ یہ جواب سُنکر تغلق تیمور حیران رہ گیا اور حکم دیا کہ جب ہم شکار سے واپس آئیں تو یہ ایرانی ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بادشاہ نے شیخ جمال الدین کو علیحدہ لیجا کر کہا کہ جو کچھ تم اُس وقت کہتے تھے اُس کو اب سمجھاؤ۔ دین برحق سے تمہارا کیا مطلب تھا۔ تب شیخ نے

---

[1] ابن بطوطہ جلد سوم ۔ صفحہ ۴۸

اسلام کے احکام اور ارکان کو ایسے جوش سے بیان کیا کہ تغلق تیمور کا دل جو پہلے پتھر تھا اب موم کی طرح نرم پڑ گیا۔ شیخ نے حالت کفر کا ایسا مہیب نقشہ کھینچا کہ بادشاہ کو اپنی غلطیوں سے ابتک بے بصیرت رہنے کا یقین ہو گیا۔ لیکن اُس نے کہا کہ "اگر اسوقت میں اپنا مسلمان ہونا ظاہر کروں گا۔ تو پھر رعایا کو راہِ راست پر نہ لاسکوں گا۔ اس لیے کچھ عرصہ کے لیے تم سکوت کرو جب میں اپنے باپ کے تخت اور ملک کا مالک بنوں تو اُس وقت تم میرے پاس آنا۔" چغتائیہ سلطنت اب حصہ ہو کر چھوٹی چھوٹی عملداریوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ اور برسوں کے بعد تغلق تیمور اس قابل ہوا کہ ان سب عملداریوں کو شامل کر کے پھر قلمرو چغتائیہ کی مثل ایک سلطنت قایم کر دے۔ اس عرصہ میں شیخ جمال الدین اپنے وطن کو چلے گئے۔ اور یہاں سخت بیمار پڑے جب موت کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹے رشید الدین سے کہا "تیمور تغلق ایک دن بڑا بادشاہ ہو گا۔ تم اُس وقت اُس کے پاس جانا اور میرا اسلام پہنچا کر بے خوف و خطر بادشاہ کو یاد دلانا کہ اُس نے مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا۔" چند سال کے بعد جب تیمور تغلق نے باپ کا تخت حاصل کر لیا تو ایک دن رشید الدین بادشاہ کے لشکر میں پہنچا تاکہ باپ کی وصیت پوری کرے لیکن باوجود کوشش کے اُس کو بادشاہ کے دربار میں حضوری نہ ہوئی۔ آخر کار اُس نے مجبور ہو کر یہ تدبیر کی کہ ایک دن علی الصباح تغلق کے خیمہ کے قریب اذان کہنی شروع کی۔ تغلق کی جب نیند خراب ہوئی تو غصہ ہو کر اُس نے رشید الدین کو اپنے سامنے بلوایا۔ رشید الدین آیا اور اپنے باپ کا پیغام تغلق کو سُنایا۔ تغلق کو پہلے ہی سے اپنے وعدہ کا خیال تھا۔ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا۔ اُس کے بعد اُس نے اپنی رعایا میں اسلام کی اشاعت کی اور اُس کے زمانہ میں ان تمام ملکوں کا مذہب اسلام ہو گیا جو چغتائی ابن چنگیز خاں کی اولاد کے تسلط میں رہے تھے[له]

له ابو الغازی۔ توم ۲۰۔ صفحہ ۱۶۶-۱۶۹۔

اسمٰعیلی فرقہ کی دعوتِ اسلام

اسمعیلیہ جماعت شیعہ فرقہ کی ایک شاخ ہے۔ حضرت امام جعفر صادق ؑ کے بڑے صاحبزادے کا نام اسمٰعیل تھا۔ اور چھوٹے کا موسے کاظم ؑ۔ قاعدہ اور دستور کے موافق حضرت امام جعفر صادق ؑ نے بڑے لڑکے کی نسبت نص یعنے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد وہ امام ہوں گے۔ کیونکہ وہ ایک تو بڑے بیٹے تھے۔ دوسرے یہ کہ امام جعفر صادق ؑ کی تمام اولاد میں نجیب بھی تھے۔ یعنے ان کی والدہ بھی فاطمی سید تھیں۔ جن کا نسب اس طرح ہے۔

فاطمہ بنت حسن بن امام حسن ؑ بن امیر المومنین علی ؑ۔ اور حضرت موسے کاظم کی والدہ حمیدہ بربریہ تھیں۔ یعنے بربریہ کنیز۔

خواجہ عطاء اللہ ملک جوینی کی تاریخ دلکشا کے حوالہ سے تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ حضرت اسمٰعیل نے ایک دفعہ شراب پی لی تھی۔ اس واسطے امام جعفر صادق نے اُن کو ولی عہدی سے معزول کر دیا۔ اور حضرت موسے کاظم کے لیئے ولی عہدی کی نص کر دی۔

اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل نے شراب نہیں پی تھی بلکہ وہ اپنے والد کے سامنے رحلت کر گئے تھے۔ اس واسطے امام جعفر صادق نے حضرت موسے کاظم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ کتاب عمدۃ الطالب میں لکھا ہے کہ حضرت اسمٰعیل نے امام جعفر صادق کی وفات سے بیس سال پہلے انتقال کیا۔ اور مرآۃ جہاں نما کی روایت ہے کہ حضرت اسمٰعیل اپنے باپ سے پانچ سال پہلے فوت ہوئے۔ حضرت اسمٰعیل کی وفات مدینہ کی ایک وادی عریض میں ہوئی تھی۔ جہاں اہل مدینہ کے اونٹ چرتے تھے۔ اور ۱۴۳ھ میں بمقام بقیع الغرقد دفن ہوئے جو مدینہ کا ایک مشہور قبرستان ہے۔

بہر حال حضرت اسمٰعیل کے متعلق مختلف فرقے قائم ہو گئے تھے ایک کہتا تھا کہ حضرت اسمٰعیل کی امامت منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب ایک امام دوسرے کے لیئے نص کر دے تو پھر اسکو اپنی نص کے منسوخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔ لہذا حضرت امام جعفر صادق ؑ کو معزول کرنے کا حق نہ تھا اور حضرت

اسمٰعیل کی امامت کے سامنے حضرت موسےٰ کاظم کی امامت کسی طرح جائز نہیں ہو سکتی۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ اگرچہ حضرت اسمٰعیل کا انتقال ہو گیا ہے لیکن امامت اُن کے بیٹے محمد کا حق ہے اور حضرت موسےٰ کاظم امام نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ حضرت اسمٰعیل کے بھائی کو یہ حق نہیں پہنچ سکتا۔ اُن کے بیٹے حضرت محمد کو ملنا چاہیئے تیسرا گروہ یہ کہتا تھا کہ حضرت امام اسمٰعیل کی وفات نہیں ہوئی ہے اور وہ زندہ ہیں اور اُن کی امامت بھی قایم ہے۔ یہ دور دراز کے رہنے والے لوگ تھے جنکو حضرت اسمٰعیل کی وفات کا پورے طور سے علم نہیں ہوا تھا۔ چوتھی جماعت حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کو تسلیم کرتی تھی اُس کا بیان تھا کہ حضرت اسمٰعیل کی وفات کے بعد حضرت امام جعفر صادق کو حق حاصل تھا کہ امامت کا حق اپنے دوسرے بیٹے کو دیدیں۔

حضرت موسےٰ کاظم کو جن لوگوں نے امام مانا اُن کو اثنا عشری شیعہ کہتے ہیں اور جو حضرت اسمٰعیل کی امامت کے قائل رہے ان کا نام اسمٰعیلیہ مشہور ہوا۔ اور میں اس وقت اسی اسمٰعیلیہ فریق کی دعوت اسلام کو لکھنا چاہتا ہوں۔

حضرت محمد بن اسمٰعیل کی اپنے چچا حضرت موسےٰ کاظم سے قدرتاً موافقت نہ تھی۔ عمدۃ الطالب کا بیان ہے کہ جب ہارون رشید حجاز میں آیا تو حضرت محمد نے اپنے چچا حضرت موسےٰ کاظم کی چغلی کھائی جس کی بنا پر ہارون رشید نے حضرت امام موسےٰ کاظم کو قید کر دیا اور وہیں قید میں ان کا انتقال ہوا۔ حضرت محمد بن اسمٰعیل ہارون رشید کے ہمراہ عراق کو چلے گئے اور بغداد میں اُنکا انتقال ہوا۔ اُن کے دو بیٹے تھے۔ اسمٰعیل ثانی اور جعفر شاعر۔ صواعق محرقہ کا بیان ہے کہ حضرت محمد لاولد فوت ہوئے مگر یہ بالکل غلط معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ فرشتہ مقالہ سویم بضمن بیان برہان نظام شاہ میں لکھا ہے کہ حضرت محمد بن اسمٰعیل اپنے دادا کی حیات میں ملک رے کی طرف چلے گئے۔ محمد آباد رے انہیں کے نام سے منسوب ہے۔ حمد اللہ مستوفی کی تاریخ گزیدہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ وہ عباسیوں کے خوف سے بچکر رے میں چلے گئے تھے۔ اور محمد آباد میں دفن ہوئے۔ نیز صواعق محرقہ کے اس بیان کی تردید بھی تاریخ گزیدہ سے ہوتی ہے کہ حضرت محمد اسمٰعیل لاولد

فوت ہوئے کیونکہ حمد اللہ مستوفی نے لکھا ہے کہ حضرت محمد کی بہت زیادہ اولاد ہوئی اور اپنی کثرت کے سبب رے سے منتقل ہو کر خراسان و قندہار کی طرف چلی گئی۔

اثنا عشری شیعوں کی کتابوں میں حضرت محمد بن اسمٰعیل کے متعلق بہت غیظ و غضب کا اظہار کیا گیا ہے اور ایسے ہی اسمٰعیلی مورخوں نے حضرت موسےٰ کاظم کے متعلق اپنی تحریروں میں سختی برتی ہے۔ میں ان دونوں فریق کے بیانات میں دخل دینا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میرا موضوع یہ ہے کہ دعوت اسلام کا کام ان لوگوں نے کتنا کیا اور کہاں کہاں کیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد کی اولاد نے خراسان و قندہار میں جا کر وہاں کے غیر مسلم فرقوں میں دعوت اسلام کا کام نہایت شدومد سے شروع کیا تھا اور چونکہ وہاں ایرانی تمدن کے سبب فلسفہ اور عقل کا بہت زور تھا اس واسطے اسلامی عقائد کو عقل و فلسفہ سے مطابق کر کے پیش کیا جاتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان مورخوں نے ان کی بہت مخالفت کی ہے اور ان کے طریق دعوت کو ایسے انداز اور پیرائے سے بیان کیا ہے جو شریعت پرست مسلمانوں کو خلاف اسلام معلوم ہو۔ مورخوں کی یہ کوشش سیاسی وجوہات کی بنا پر تھی۔ کیونکہ عباسی خلافت کا دور دورہ تھا اور تمام مورخ عباسیہ خلافت کے دست نگر تھے اور عباسی نہیں چاہتے تھے کہ بنی فاطمہ کی خدمات اسلامی صحیح طور پر تاریخوں میں لکھی جائیں۔ کیونکہ وہ بنی فاطمہ کو سلطنت کا دعوے دار اور اپنا حریف سمجھتے تھے۔

پروفیسر براؤن نے ابھی حال میں ایک کتاب ہسٹری آف پرشیا لکھی ہے جو یقیناً انہیں اسلامی تواریخ سے مدد لیکر مرتب کی گئی ہے جن میں اسمٰعیلی فرقے کو طرح طرح کے بہتانوں سے بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس واسطے اگر کوئی شخص اسمٰعیلیوں کی دعوت اسلام کے طریقوں کو قلم بند کرنے کی کوشش کرے تو اس کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے دعوت اسلام کے لئے اس حکمت کو پیش نظر رکھا تھا جس کا حکم قرآن شریف نے ان کو دیا تھا۔ یہ فرما کر ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ خدا کے رستہ کی طرف حکمت سے

اور حکمت سے مراد یہی تھی کہ لوگوں کے عقاید و حالات کے موافق اور اُن کی عقل و سمجھ کے مطابق دعوت اسلام پیش کرو۔ ذیل میں اسمٰعیلی فرقے کے عقاید لکھے جاتے ہیں جو حضرت محمد ابن اسمٰعیل کی اولاد نے ایران میں پیش کئے تھے۔ ان عقاید پر غور کرنے سے اسمٰعیلیوں کی دعوت اسلام کا طریقہ خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور اُس کے خفیہ راز دعوت کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اگر ایران کے غیر مسلموں کے عقاید مروجہ کو کوئی شخص ایک دفعہ غور سے پڑھ لے اور سمجھ لے تو پھر اُسکو مفصلہ ذیل عقاید اسمٰعیلیہ سے بد ظنی باقی نہ رہیگی اور وہ آسانی سے تسلیم کر لے گا کہ ایران میں یہ عقاید اس واسطے پیش کئے گئے تھے کہ ایران کے غیر مسلم اسلام کو اپنے عقاید سے اجنبی نہ سمجھیں اور بلا تامل اسکو قبول کر لیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جس وقت اسمٰعیلیوں نے ایران میں دعوت اسلام کا کام ان عقاید کے ذریعہ سے شروع کیا بے شمار ایرانی جوق جوق دائرۂ اسلام میں آ گئے اور آخر میں حسن ابن صباح کے خوفناک کارنامے انہیں نو مسلم ایرانیوں کی سرفروشی و فداکاری سے پورے ہوئے۔

اسمٰعیلیوں کے عقائد

اسمٰعیلی کہتے تھے کہ خدا کا ایک جزو اماموں میں حلول کر لیتا ہے اور یہ عقیدہ ایرانیوں میں پہلے سے موجود تھا۔ کہ وہ برگزیدہ انسانوں میں خدا کے حلول کے قائل تھے۔ اسمٰعیلی کہتے تھے کہ اللہ تعالےٰ قادر و مختار نہیں ہے بلکہ وہ جب کسی چیز کو پسند کرتا ہے تو وہ چیز خود بخود اللہ کے اختیار کے بغیر موجود ہو جاتی ہے جیسے سورج کی روشنی سورج کے اختیار کے بغیر اُسمیں سے نکلتی ہے۔ اسمٰعیلی یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالےٰ صاحب ارادہ نہیں ہے اور جو کچھ اُس سے صادر ہوتا ہے وہ اُسکی ذات کے لئے لازم ہے۔ جیسے آگ کی گرمی اور برف کی خنکی اور پھول کی خوشبو اور آفتاب کی روشنی اُن کے وجود کے ساتھ لازم ملزوم ہے۔ اسمٰعیلیوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ اماموں کا معصوم ہونا ضروری شرط ہے۔ لیکن مہدویہ فرقے کا بیان تھا کہ امام حکومت اور ولایت کے وقت معصوم ہوتا ہے۔ اسماعیلی کہتے تھے کہ امام کا حکم ایمان دار مرد اور عورت پر لازم

الاطاعت ہے خواہ وہ مرضی کے موافق ہو یا خلاف ہو۔ مثلاً اگر امام کسی عورت کا نکاح کسی مرد کے ساتھ اپنے حکم سے کر دے تو عورت و مرد دونوں کو اسکے فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے اسمٰعیلی یہ بھی کہتے تھے کہ امام حضرت موسیٰؑ کی طرح اللہ تعالےٰ سے کلام کر سکتا ہے۔

اسمٰعیلیوں کے فرقہ مہدویہ کا عقیدہ تھا کہ امام کے واسطے علم غیب کا ہونا ضروری ہے

اسمٰعیلیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ درود میں لفظ محمد کے بعد علے کا لفظ داخل کرنا حرام ہے۔ مثلاً یوں کہنا۔ اللہم صل علیٰ محمدٍ و علیٰ آل محمدٍ جائز نہیں ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اللہم صل علے محمدٍ و آل محمدٍ اور اس حرمت کی دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من فصل بینی و بین آلی بعلے لم ینل شفاعتی	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مجھ میں اور میری آل میں لفظ علے کے ساتھ فاصلہ ڈالدیا وہ میری شفاعت سے محروم رہیگا۔

ان تمام عقائد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایرانی روایات و عقائد کو بہت زیادہ پیش نظر رکھا گیا تھا۔ اور دعوت اسلام کی کامیابی اس میں سمجھی گئی تھی۔ کہ ایران کے یا ایران کے اثر میں آئے ہوئے غیر مسلم فرقے اسلام کو جلدی اور آسانی سے قبول کرلیں۔ اور اسلام کو غیر مانوس اور اجنبی مذہب نہ سمجھا جائے۔ چنانچہ اس حکمت کا اثر خالی نہ گیا اور اسی کی بدولت اسمٰعیلی جماعت نے ایران اور اس کے متعلقات میں اسلام کی اشاعت میں پوری اور وسیع کامیابی حاصل کرلی۔

ابتدا میں جو حکمت پیش نظر تھی بعد میں اسکی اصلاح کرنے والا اور عقائد کو صحیح راستہ پر لگانے والا کوئی شخص پیدا نہ ہوا ورنہ ممکن تھا کہ یہ لوگ پکے مسلمان بن جاتے۔ پھر بھی بعض بعض علاقوں اور جماعتوں میں اصلاح کی کوشش کی گئی۔ اور اسکے اثر سے اچھے نتائج پیدا ہوئے چنانچہ بوہرہ جماعت کے موجودہ عقائد میں بہت کچھ تبدیلی ہوچکی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ اصل نسل اسمٰعیلی عقائد کے پیرو اور مقلد ہیں۔

اسمٰعیلی دعوت کے طریقے

ذیل میں وہ طریقے درج کئے جاتے ہیں جو اسمٰعیلی فرقہ کے داعی دعوت کے کام میں استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ ان طریقوں کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غیر اسمٰعیلی عقائد کے مسلمانوں کو اسمٰعیلی بنانے کے لیے کام میں لائے جاتے تھے۔ تاہم ان طریقوں کے طرز سے دعوت اسلام کے ان طریقوں پر بھی روشنی پڑ سکتی ہے جو غیر مسلموں کے سامنے پیش کئے جاتے ہونگے۔ کیونکہ ان میں انسان کی عقل کو عاجز کرنے اور ناقابل فہم عجائبات پیش کئے جانے کی حکمت عملی پائی جاتی ہے۔

یہ طریقے اسمٰعیلی گروہ کے ہاں نہایت مخفی رکھے جاتے ہیں اور ان کے پوشیدہ رکھنے میں بہت کوشش کی جاتی ہے۔ امید ہے کہ ناظرین ان کے مطالعہ سے اپنی معلومات میں ایک دلچسپ اضافہ کر سکیں گے۔ اور وہ یہ ہیں۔

دعوتِ اوّل

داعی نہایت وقار سے مسندِ ارشاد پر بیٹھا ہوتا ہے جسکو دعوت کرتا ہے اوّل اس سے تاویل آیات اور معانی امور شریعت کی مشکل باتوں کے اور تھوڑے سے علم طبیعات وغیرہ کے مشکل مسئلوں کے بھی سوال کر کے کہتا ہے کہ اے شخص اسرار دین پوشیدہ ہیں اور اکثر آدمی اُن سے منکر اور جاہل ہیں۔ اگر اُمت محمدی کے لوگ اُن باتوں کو جان لیتے جو اللہ تعالےٰ نے ائمہ اہل بیت سے مختص کی ہیں تو آدمیوں میں اختلاف پیدا نہ ہوتا جب مدعو یہ بات سنتا ہے تو داعی کے پاس جو کچھ معلومات ہوتی ہیں اُن کے سننے کا مشتاق ہوتا ہے۔ پھر داعی اُسکی رغبت پا کر بیان کرنا شروع کرتا ہے۔ اور بڑی عمدگی سے آیات قرآن اور شرائع دین کے مطالب بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جو کچھ اختلاف لوگوں میں آیا ہے اور گمراہی میں پڑے ہیں یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ائمہ دین اور حافظان دین نبی سے روگردانی کی ہے اور غیروں کا اتباع کرتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ائمہ ہدیٰ شرع رسولؐ کے حافظ

ہیں۔ اسکی حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ معانی ظاہری و باطنی اور تاویل و تفسیر قرآن سے آگاہ ہیں جب مسلمانوں نے دوسروں کی اتباع کی اور اپنی عقل سے دلائل نکالنے لگے تو گمراہی میں پڑ گئے اللہ تعالیٰ نے علم دین کو پردے میں مخفی رکھا ہے تاکہ اسرار الٰہی مبتذل نہ ہو جائیں، پس اللہ تعالیٰ کے بھید سوائے فرشتۂ مقرب اور نبی مرسل یا بندۂ مومن کے جسکے دل کا خدا نے تقوے میں امتحان کر لیا ہے کوئی نہیں جان سکتا۔

جب مدعو کا دل داعی کی ان باتوں سے خوب مربوط ہو جاتا ہے اُس وقت داعی دوسری باتیں شروع کرتا ہے۔ کہتا ہو رمی جمار اور سعی صفا کیا ہے اور کس لیئے حائضہ کو روزے کی قضا کا حکم ہے۔ اور قضائے نماز کی ممانعت ہوا اور کیا سبب ہو کہ جنابت کے لیئے غسل کا حکم ہوا ہے اور پیشاب پاخانے کے لیئے غسل کا حکم نہیں ہوا۔ اور کیا سبب ہو کہ خدا نے مخلوق کو چھ دن میں پیدا کیا کیا ایک گھڑی میں پیدا کرنے سے عاجز تھا۔ اور صراط کے کیا معنی ہیں اور کراماً کاتبین کیا ہیں۔ اور کراماً کاتبین کو جو ہم نہیں دیکھتے اس کا کیا سبب ہو کیا وہ ہمارے مکابرہ کے سبب سے خائف ہیں اور ہمارے خوف سے چھپ کر گواہ بنے ہیں اور ہمارے اعمال لکھتے رہتے ہیں۔

اور زمین کا بدل دینا اور قیامت اور عذاب جہنم کیا ہیں اور یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ عاصی کی جس جلد نے گناہ کیا ہے وہ ایک جلد سے بدل دی جائے گی جو گناہ میں شامل نہیں۔ تاکہ اُسکو عذاب دیا جائے۔ اور اس آیت کے کیا معنی ہیں، ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذٍ ثمانیۃ۔ اور شیطان اور اُسکی صفت کیا ہے۔ اور وہ کہاں رہتا ہے اور یاجوج وماجوج اور ہاروت ماروت کیا ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ اور سات دوزخیں اور آٹھ بہشتیں کس وجہ سے ہیں اور کیا ہیں۔ اور زقوم کا درخت اور دابۃ الارض اور رؤس الشیاطین اور شجر ملعونہ اور تین اور زیتون کیا ہیں۔ اور اس آیت کے کیا معنی ہیں فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس، اور حروف مقطعات کے کیا معنی ہیں اور سات زمین اور سات آسمان اور سبع مثانی اور بارہ مہینے کس وجہ سے ہیں اور قرآن وسنت پر عمل کرنا تمہارے حق میں کیا کرے گا اور فرائض لازمی کے کیا معنی ہیں اور تمہاری روح کہاں ہے۔

اور تمہاری اور اسکی صورت کس طرح کی ہے اور وہ جسم میں کس جگہ رہتی ہے اور روح کا حال کیا ہے اور انسان کیا ہے، اور کیا ہے تفاوت انسان و بہائم اور حشرات کی زندگی و حیات میں اور کیا فائدہ ہے حشرات کے پیدا ہونے اور نباتات کے اُگنے میں اور اسکے کیا معنی ہیں کہ حوّا آدم کی پسلی میں سے پیدا ہوئی ہے اور فلاسفر کے ان اقوال کے کیا معنی ہیں کہ انسان عالم صغیر ہے اور انسان عالم کبیر ہے اور انسان کیوں کھڑا پیدا ہوا اور حیوان خلاف اس کے رہا اور کس واسطے پاؤں اور ہاتھوں کی دس دس انگلیاں ہوئیں۔ اور کیا وجہ ہے کہ ہر ایک انگلی میں تین تین ٹکڑے ہیں اور انگوٹھے میں دو اور چہرے میں سات سوراخ کیوں مقرر ہوئے۔ اور باقی بدن میں صرف دو ہی سوراخ کیوں رکھے گئے اور کیا وجہ ہے اس بات کی کہ پشت کی ہڈی میں بارہ کڑیاں ہیں اور گردن میں سات اور کس واسطے آدمی کی گردن کی شکل میم کی سی ہے۔ اور پاؤں کی شکل دال کی صورت پر کیوں ہے جس سے آدمی کے قامت میں اُن حروف کا مجموعہ ثابت ہوتا ہے جو لفظ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں ہیں اور کس واسطے آدمی الف کی طرح سیدھا ہے اور رکوع میں لام کی صورت پر ہو جاتا ہے اور سجدہ میں ہا بنجاتا ہے کہ مجموعہ ان تین حروف کا وہ ہے جو لفظ اللہ میں موجود ہے۔ اور کس واسطے انسان کی ہڈیاں اسقدر ہیں اور دانت کیوں اس قدر واقع ہوئے اور اسکے اعضائے رئیسہ اور رگوں کی اتنی مقدار کیوں ہے۔ اسی طرح داعی تمام تشریح اعضاء کا ذکر کرتا ہے۔ پھر داعی کہتا ہے تم اپنے نفس پر غور اور خیال کیوں نہیں کرتے ہو کہ ہمارا پیدا کرنے والا حکیم اور علیم ہے۔ اور اُس کے سب کام حکمت سے لبالب ہیں۔ حالانکہ اُسنے قرآن میں جابجا غور کرنے کے واسطے تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ

وفی الارض آیات للموقنین	زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے اور خود
وفی انفسکم افلا تبصرون	تمہارے اندر۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔
سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی	عنقریب ہم اُن کو اپنے نمونے دنیا میں اور خود اُنکی جانوں میں
انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق	دکھائینگے جب تک اُنپر کھل جائے کہ یہ حق ہے۔

اس قسم کی آیتیں سراسر دلالت کرتی ہیں کہ خدا کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو اپنے اسرار مخفی بتائے اگر تم متنبہ ہو جاؤ اور جان جاؤ تو تم سے سب حیرت زائل ہو جائے۔ اور شبہ اور شک مٹ جائے اور معارف مخفی تم پر ظاہر ہو جائیں۔ کیا یہ نہیں خیال کرتے تم اپنے نفوس سے بے خبر ہو حالانکہ خدا نے فرمایا ہے۔

من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو — جو کوئی اس جہان میں اندھا ہو ویسا ہی آخرت میں
فی الآخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا — بہشت کی راہ سے اندھا ہے اور دور پڑا ہے۔

جب داعی دیکھتا ہے کہ مدعو کو میری باتوں کی طرف بخوبی رغبت ہے تو اُس سے کہتا ہے اے شخص جلدی مت کر خدا کا دین اعلےٰ ہے اس سے کہ نا اہل آگاہ ہوں بدون معاہدہ کے آگاہ کرنا مناسب نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ کی یہ عادت ہے کہ جس کو ہدایت کرتا ہے اُس سے اول عہد و پیمان کر لیتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے۔

واذ اخذنا من النبیین میثاقھم و — ہم نے نبیوں سے اُن کا عہد اور تجھ سے اور نوح سے
منک ومن نوح وابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ — اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے
ابن مریم واخذنا منھم میثاقا غلیظا۔ — اور لیا ہم نے اُن سے پختہ عہد۔

اور فرمایا ہے۔

ومن المومنین رجال صدقوا — بعض ایمان والوں میں وہ لوگ ہیں کہ سچا کر دکھایا انہوں
ما عاھدوا اللہ علیہ۔ — نے اُس چیز کو کہ عہد کیا تھا اللہ تعالےٰ سے۔

اور فرمایا ہے۔

ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا — اور مت توڑو قسموں کو اُن کی مضبوطی کے بعد۔

غرض اسی قسم کی آیات پڑھ کر کہتا ہے کہ بیعت کے لیے ہاتھ دو اور ہم سے عہد استوار کرو کہ ہرگز بیعت کو نہ توڑو گے اور راز کی پردہ افشا نہ کرو گے اور ہمارے دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن سمجھو گے۔ جب مدعو نے بیعت کر لی تو اُس وقت داعی اُس کے مال میں سے بقدر حیثیت

کچھ امام کی نذر میں مانگتا ہے۔ اگر مدعو دے دیتا ہے تو داعی کی مجلس میں بار دیگر حاضر ہو سکتا ہے اور نصیحت سننے کا مجاز ہو سکتا ہے ورنہ اسکو بار نہیں ملتا۔

دعوت دوم

جب مدعو سب باتیں پہلی دعوت کی تسلیم کر لیتا ہے اور مال بھی نذر کر دیتا ہے تو دوسری مجلس میں داعی اسکو بار دیگر کہتا ہے کہ اللہ راضی نہیں ہوتا اپنی اطاعت سے اور جو کچھ نیاز و نذر مقرر کیا ہے اسکی بجا آوری سے جب تک ائمہ حق کی متابعت نہ کریں جن کو اللہ تعالے نے آدمیوں کی ہدایت کے لیئے مقرر کیا ہے اور اُن کو شریعت کا محافظ بنایا ہے۔ پھر اُن امور کی تشریح کرتا ہے اور اپنے کلام پر دلائل لاتا ہے۔ جو اس فرقے کی کتب میں مفصل مذکور ہیں جب داعی کو معلوم ہوا کہ مدعو کے دل میں ائمہ کی طرف سے اعتقاد راسخ ہو گیا تو تیسری دعوت ارشاد کرتا ہے۔

دعوت سوم

جب تیسری دعوت کی مجلس میں مدعو حاضر ہوتا ہے تو داعی کہتا ہے کہ ائمہ حق سات ہیں حضرت علیؓ حضرت حسنؑ حضرت حسینؑ حضرت زین العابدینؑ حضرت محمد باقرؑ حضرت جعفر صادقؑ اور ساتویں قایم صاحب الزماںؑ۔ اور قایم میں اختلاف ہے۔ بعض محمد مکتوم بن اسمٰعیل بن امام جعفر صادق کو جانتے ہیں اور بعض اسماعیل بن جعفر کو۔ صاحب الزماں کو علم باطنی اور مخفی حاصل ہے اور وہی تاویل تفسیر قرآن اور تاویل تاویلات کے ماہر ہیں اور اُنہیں کو تمام اسرار الٰہی کا علم ہے اور دعاۃ اُن کے وارث ہیں اور کوئی دعاۃ کی ہمسری نہیں کر سکتا اور داعی اپنے ان مطالب پر بڑی دلیلیں لاتا ہے۔ جب داعی نے خیال کیا کہ میری تقریر نے اسکے دل میں اثر کیا تو دعوت چہارم شروع کرتا ہے۔

دعوت چہارم

اس دعوت میں داعی بیان کرتا ہے کہ شرائع کے مجدد سات ہیں۔ اور ہر ایک کو ناطق کہتے ہیں اور ہر ایک ناطق کی شرایع کے رواج دینے والے اور وصی بھی سات آدمی ہوتے ہیں۔ جن کو صامت بولتے ہیں۔ پہلے ناطق آدم ہیں جن کے صامت اول شیث علیہ السلام تھے جب ان سب صامتوں کا زمانہ گزر چکا تو دوسرے ناطق نوح علیہ السلام ہوئے جنہوں نے ناطق اول کی شرع کو یک قلم موقوف کر دیا ان کے صامت اول سام تھے تیسرے ناطق ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے جانشین یعنی صامت اول اسماعیل ذبیح اللہ تھے۔ ان کے بعد ناطق چہارم موسےٰ علیہ السلام ہوئے اُن کے وصی اول ہارون علیہ السلام تھے۔ اُنکے بعد پانچویں ناطق عیسےٰ علیہ السلام تھے اور اُن کے وصی اول شمعون تھے اور ناطق ششم محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اُن کے وصی اول حضرت علی پھر امام حسن پھر امام حسین۔ پھر علی بن امام حسین۔ پھر محمد باقر پھر جعفر صادق پھر اسماعیل بن جعفر آخر ہمہ شاں صامت ہفتم ہیں۔ ساتویں ناطق صاحب الزماں محمد بن اسماعیل ہیں کہ اُنہیں پر جملہ علوم اولین و آخرین تمام ہوتے ہیں اور اُن کی اطاعت میں ہدایت ونجات منحصر ہے۔ جب اس ترتیب کو عمدہ عمدہ تقریروں کے ساتھ دلنشین کر دیتا ہے تو پانچویں دعوت کا آغاز کرتا ہے۔

دعوت پنجم

داعی اس میں کہتا ہے کہ ہر امام صامت کے ساتھ بارہ آدمی مطابق عدد مہینوں اور برجوں کے ہوتے ہیں کہ ہر ایک حجت کہلاتا ہے۔ خدا نے انسان کے جسم کو زمین کی طرح پیدا کیا ہے اور چاروں انگلیوں کو جزائر کی طرح بنایا ہے۔ ہر انگلی میں تین تین ٹکڑے رکھے ہیں جو کل بارہ ٹکڑے ہوئے۔ اور یہ بارہ ٹکڑے اُنہیں چند حجتوں کی طرف اشارہ ہیں۔ اور گردن باوجود یکہ

پشت سے افضل و اعلیٰ ہے مگر اسمیں سات گرہیاں بنائی ہیں۔ تو وجہ اسکی یہ ہے کہ اسمیں سات ناطقوں کی طرف اشارہ منظور ہے۔ اور اُن کے ائمہ جانشین کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اور اسی اشارہ کی وجہ سے آسمان و زمین اور دریا ہفتے دن اور کواکب سیارہ بھی سات سات ہیں جو عالم کے مدبر ہیں، اور اسی وجہ سے چہرہ میں سات سوراخ رکھے ہیں جب داعی تقریر طویل کے ساتھ اس مطلب کو بھی مدعو کے ذہن نشین کر دیتا ہے تو دعوت ششم شروع کرتا ہی۔

دعوت ششم

اس میں آیات قرآنی کی تفسیر کرتا ہے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور خمس اور حج اور جہاد اور طہارت وغیرہ امور مختلفہ شرعی کے قاعدے اور طریقے بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب رموز ہیں کہ واسطے مصلحت اور سیاست عام کے جاری کئے گئے ہیں تاکہ اسمیں مشغول ہو کر اپنیں فتنہ و فساد نہ پھیلائیں اور حاکم وقت کی حکومت اور تابعداری سے انحراف نہ کریں۔ ورنہ فی الحقیقت وضو سے مراد امام کی دوستی ہی اور تیمم سے مراد یہ ہے کہ امام کی غیبت میں حجت سے ضروریات کا اخذ کرنا اور احتلام عبارت ہے راز کے ظاہر کردینے سے ایسے شخص کے سامنے جو اپنا ہم مذہب نہ ہو بغیر قصد و ہدایت کے، اور صلوٰۃ سے مراد امام کے اسرار کی حفاظت ہے اور زنا اسرار دین کے ظاہر کرنے کو کہتے ہیں، اور غسل سے مقصود تجدید عہد و پیمان ہے اور زکوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ امورات دینی سیکھ کر نفس کو پاک کرنا۔ اور بعض کتابوں میں یوں لکھا ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے سے یہ مراد ہی کہ امام معصوم کی متابعت کرے، اور زکوٰۃ سے یہ مطلب ہے کہ اپنے مال سے خمس امام کو دے اور کعبہ سے مراد پیغمبر علیہ السلام اور باب سے مراد حضرت علی اور صفا سے مراد نبی علیہ السلام اور مروہ سے وصی مراد ہیں اور حاجیوں کے لبیک کہنے سے یہ مراد ہے کہ امام کی دعوت کو قبول کرے اور خانہ کعبہ کا سات بار طواف کرنے سے یہ مراد ہے کہ ائمہ شیعہ سے دوستی رکھے اور جنت سے مراد بدن کو تکلیف سے بچانا ہے، اور

دوزخ سے مراد بدن کو مشقت اور تکالیف میں ڈالنا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب مدعو کے دل میں یہ باتیں جم جاتی ہیں تو داعی فلسفے کی باتیں شروع کرتا ہے اور اقوال افلاطون و ارسطو و فیثا غورس وغیرہ کو دلائل عقلی کے ساتھ سمجھاتا ہے اور جب یہ مطالب بھی ذہن نشین ہو جاتے ہیں تو ایک عرصہ دراز کے بعد ساتویں دعوت شروع کرتا ہے۔

دعوت ہفتم

اسمیں کہتا ہے کہ صاحب ولایت اور ناصر شریعت کے لئے مددگار اور مصاحب کی ضرورت ہے تا کہ صاحب ولایت جو کچھ ارشاد کرے یہ مددگار اس بات کو دوسرے آدمیونکو سمجھاوے کہ ان میں سے ایک بجائے اصل کے ہوتا ہے اور دوسرا نائب کی شکل ہوتا ہے اور نظیر اسکی یہ ہے کہ مدبر عالم اصل ترتیب اور نظام عالم ایک ہی ہے اور جو کچھ مدبر عالم سے سب سے پہلے بلا واسطہ و بلا سبب صادر ہوا ہے اور وہ بھی ایک ہی جس کو عقل کامل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اور صادر اول بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ پہلی مرتبہ صادر ہوا ہے اور سب سے اول پیدا ہوا ہے اور عقل اوّل بھی بولتے ہیں۔ چنانچہ اس مطلب کی طرف قرآن وحدیث میں بھی کئی جگہ ارشاد ہوا ہے۔

انما امرہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون، یعنی اُس کا حکم یہی ہے کہ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اُسکو کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

اس آیتہ میں اول فی المرتبہ کی طرف اشارہ ہے اور دوم فی المرتبہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

انما کل شئی خلقناہ بقدر۔ ہم نے ہر چیز کو پہلے اُس کا اندازہ کرکے پیدا کیا ہے اور اسمیں عقل کی جانب جس نے ابتدائً اللہ تعالےٰ سے صدور پایا ہے اشارہ کیا ہے۔

ان اول ما خلق اللہ القلم۔ اللہ تعالےٰ نے تمام مخلوق سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ قلم سے مراد

عقل اول ہے۔

جب یہ دعوت ختم ہو جاتی ہے تو داعی دعوت ہشتم شروع کرتا ہے۔

دعوتِ ہشتم

اس دعوت میں داعی کہتا ہے کہ ان دونوں ذاتوں میں ایک مدبرالوجود ہے اور دوسری جس سے صادر ہوئی ہے اس طور کا تقدم و تاخر ہوتا ہے جیسے کہ علت کو معلول پر تقدم ہے۔ خلاصہ یہ کہ سابق یعنی مدبرالوجود علت ہے اور لاحق یعنی صادر اول معلول ہے اور مدبرالوجود نے جس ذات کو سب سے اول پیدا کیا ہے اسی سے عالم کی تمام چیزیں پیدا ہوئی ہیں اس طرح مدبرالوجود یعنی اللہ تعالےٰ نے عالم علوی میں اول اپنے امر کے ذریعہ سے عقل کامل کہ جسکو عقل کلی اور عقل اول اور اول موجود اور صادر اول بھی کہتے ہیں۔ پیدا کیا اور پھر اس کے ذریعہ سے نفس ناطقہ کو جسے نفس کلیہ اور نفس اول بھی کہتے ہیں پیدا کیا پھر نفس کو عقل سے کمال حاصل کرنے کا ذوق و شوق پیدا ہوا پس نقصان سے کمال کی جانب نفس نے حرکت کی مگر بدون آلے کے حرکت پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے اجرام فلکی پیدا ہوئے ان کو نفس نے حرکت دوری کرائی اور اجرام فلکی کے حرکات کے سبب سے اربعہ عناصر کی طبیعتیں پیدا ہوئیں۔ اور اربعہ عناصر کے ذریعہ سے مرکبات یعنی نباتات اور جمادات اور حیوانات پیدا ہوئے اور ان سب مرکبات میں افضل و اشرف انسان ہے۔ اس لئے کہ اس میں انوار قدسی کے حاصل کرنے کی استعداد ہے اور عالم علوی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور جبکہ عالم علوی میں عقل کامل کلی اور نفس ناقص کلی موجود ہیں جنہوں نے کائنات کو ایجاد کیا ہے تو عالم سفلی میں بھی ایسی عقل کامل ہونا ضرور ہے جو نجات کا وسیلہ ہو اور اصطلاح شرع میں ایسی عقل کامل سفلی کو رسول کہتے ہیں۔ اور رسول کی نیابت میں ایک نفس ناقص نجات کے طریقے بیان کرنے کے لئے ہوتا ہے جسکو امام اساس کہتے ہیں رسول کے ساتھ وہ نسبت ہوتی ہے جو نفس کلیہ کو عقل کلی کے ساتھ کائنات کے ایجاد کرنے کے بارے میں نسبت ہوا کرتی ہے اس نفس کو جو رسول کا نائب

ہوتا ہے امام اور رسول کا وصی کہتے ہیں اور جس طرح افلاک کو عقل اول اور نفس اولی حرکت دیتے ہیں اسی طرح رسول اور امام انسانوں کے نفوس کو نجات کی طرف حرکت دیتے ہیں۔

بعد اسکے داعی مدعو سے کہتا ہے کہ یہ دوسرا جسے عقل کامل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اعمال فرات ہیں مدبر الوجود کی اتباع اختیار کرتا ہے یہاں تک کہ یہ مدبر الوجود کے مرتبے کو پہنچ جاتا ہے اسی طرح امام جسے صامت اور وصی بھی کہتے ہیں اپنے اعمال میں سے رسول کی پیروی کرکے رسول کے جسے ناطق بھی کہتے ہیں مرتبے کو پہنچ جاتا ہے اور دونوں میں ذرہ بھر تفاوت نہیں رہتا۔ اسی طرح داعی وصی کے مرتبے کو پہنچ جاتا ہے۔ غرضکہ عالم کے کاروبار اسی طریق پر جاری ہیں۔ اس کے بعد داعی کہتا ہے کہ رسول کا معجزہ یہی چیزیں ہیں جن سے انسانوں کی سیاست کا کام متعلق ہے۔ سوا اسکے کچھ نہیں اور انتظام عالم کی غرض سے ہے زمین و آسمان جواہر و اعراض کی حقیقتیں بیان کرتا ہے کبھی ایسی وضاحت کے ساتھ کہ لوگ اُسے سمجھ لیتے ہیں اور کبھی ایسی رمز کے ساتھ کہ علماء بھی اُسکے ادراک سے عاجز آتے ہیں اور اسی تدبیر کے ساتھ رسول کی شریعت کو انتظام حاصل رہتا ہے اور آدمی اُسے مانتے ہیں اور داعی کہتا ہے کہ قیامت اور ثواب و عذاب کے معانی کچھ اور ہی ہیں جو عام طور پر ہر ایک کی سمجھ میں آنا دشوار ہیں اور وہ یہ ہے کہ کواکب کے دورے ختم ہو کر دوسرے دورے شروع ہو جاتے ہیں ورنہ سیارات اور ثوابت میں کسی طرح کوئی فساد نہیں آسکتا۔ انکی طبائع برباد ہونے اور فنا ہونے سے بری ہیں۔ پس قیامت کے یہ معنی کسی طرح درست نہیں ہیں کہ اجرام علوی فنا ہو جائیں گے اس کے بعد داعی دعوت نہم شروع کرتا ہے۔

دعوتِ نہم

یہ دعوت سب دعوات کا نتیجہ ہے۔ جب داعی مدعو کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے تو اُسے ہدایت کرتا ہے کہ فلاسفہ یونان کی کتابیں دیکھا کرو اور علوم الٰہی و طبیعی کا مطالعہ کرتا رہ جب داعی سمجھ لیتا ہے کہ مدعو کو فلاسفہ کے اقوال سے خوب واقفیت حاصل ہو چکی تو اب داعی اپنے

رازوں کو کھولنا شروع کرتا ہے اور کہتا ہو کہ جو کچھ میں نے اصول وحدوث سے ابتک اطلاع دی ہے یہ سب رموز اور اشارات ہیں طرف معانی و مبادی اور انقلاب جواہر کے اور وحی صرف نفس کی صفائی کا نام ہے اور رسول یا نبی کا کام یہ ہے کہ جو بات اُسکے دل میں آتی ہے اور اُسے بہتر معلوم ہوتی ہے وہ لوگوں کو بتادیا کرتا ہے اور اُسکا نام کلام الہٰی رکھتا ہے۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں یہ قول اثر کر جائے اور اُسے مان لیں تاکہ سیاست اور مصلحت عام میں انتظام رہے۔

بنی فاطمہ کی خلافت اور دعوتِ اسلام

اسمٰعیلی خاندان کو خدا تعالےٰ نے سلطنت بھی دی۔ اثنا عشری ائمہ تو عباسی خلفاء کے جبر اور شکوک سیاسی کا شکار رہے اور اُن کو سوائے خلوت نشینی اور عبادت و تعلیم روحانی کے اور کسی بات کا موقع نہ ملا۔ مگر اسمٰعیلیوں نے افریقہ میں سلطنت قایم کر لی اور سالہا سال افریقہ کے مشہور ممالک مصر وغیرہ پر حکومت کرتے رہے۔ اِن خلفاء کو فاطمی خلفاء کہا جاتا تھا جنکی مختصر کیفیت بیان کی جاتی ہے۔

ان ہی خلفاء میں خلیفہ مستنصر کے دو لڑکے داعیان اسمٰعیلی کے سرگروہ ثابت ہوئے۔ ایک کا نام نزار تھا جن سے نزاریہ فرقہ چلا۔ اور جس میں حسن بن صباح جیسا نامور آدمی پیدا ہوا۔ اور موجودہ آغاخانی جماعت اسی سلسلہ کی پیرو ہے۔ اور

ہز ہائی نس سر آغاخاں بھی نزار کی نسل میں ہیں

اور دوسرے لڑکے کا نام مستعلی تھا۔ جن کے پیرو بوہروں کے نام سے ہندوستان میں بکثرت موجود ہیں۔ اور بوہروں کے ملا صاحب ان ہی کی جانب سے داعی مطلق ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔

اِن دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ نزاریہ جماعت میں نزار کی نسل کا امام موجود ہے جسکو وہ لوگ چشم امام مانتے ہیں اور جس کی عزت و شہرت تمام دُنیا میں پائی جاتی ہے۔ دولت برطانیہ

کے خاص دوستوں میں ان کے امام سرآغاخاں کا نام شمار ہوتا ہے۔ اور ان کے ہم خیال ایران و افریقہ و ہندوستان میں بکثرت موجود ہیں اور ان کے ہاں دعوت اسلام کا کام اب بھی جاری ہے۔

اور مستعلی کی جماعت میں مخفی امام کی اطاعت ہوتی ہے اور انکی نیابت میں ایک شخص داعی کے نام سے شہر سورت میں رہتا ہے۔

اس جماعت کی تعداد بہت کم ہے۔ صرف ہندوستان اور یمن میں یہ لوگ پائے جاتے ہیں۔ اور انہوں نے اشاعت اسلام کا کام چھوڑ دیا ہے۔ بس ایک محدود حالت میں اپنے ملا صاحب کی اطاعت کے ساتھ زندگی کے دن بسر کرتے ہیں۔

تیسرا گروہ امام شاہیوں کا ہے۔ یہ بھی اسمٰعیلی ہیں۔ یہ نام پنتھی اور پیر مشائخ کے سلسلوں کی نسبت بھی ثابت ہو گیا ہے کہ یہ بھی اسمٰعیلی تحریکیں تھیں۔ پیر مشائخ کے سلسلہ کی بابت تو کچھ بھی شک نہیں البتہ پری نام پنتھ کے بارہ میں قیاس ہے کہ وہ اسمٰعیلی تحریک سے چلا۔

فاطمی خلافت کے بانی

عبداللہ مہدی باللہ

تواریخ سے چند اختلافات کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ مہدی کے دادا اہواز اور بصرے اور سلمیہ میں آئے۔ لوگوں کو اسلام اور اہل بیت کی محبت کی طرف دعوت دینے لگے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے قائم مقام ہوئے اور انہوں نے رستم بن حسین کو دعوت اسلام۔ اور دعوت اہلبیت کے لئے یمن کی طرف بھیجا۔ رستم نے ایک شخص ابو عبداللہ شیعی کو بہت سا مال و اسباب دے کر افریقہ بھیجا تاکہ وہاں جاکر دعوت کا کام جاری کریں۔ جب مہدی کے والد نے سلمیہ میں انتقال کیا تو اپنے بیٹے کے واسطے خلافت و نیابت کی وصیت کی اور داعیوں کے نشانات اور پتے بتلادئے۔ عبداللہ نے دوپہ

لقب مہدی باللہ رکھا۔ اور بخوف خلفائے بغداد سوداگروں کے بھیس میں مصر ہوتے ہوئے طرابلس چلے گئے۔ سجلماسہ کے حاکم لیسع بن مدرار نے زیادت اللہ گورنر افریقہ کے حکم سے ان کو گرفتار کر لیا مگر ابوعبداللہ شیعی نے زیادت اللہ پر حملہ کیا اور اسکو شکست دے کر افریقہ پر قبضہ کر لیا۔ ۲۹۶ھ ہجری میں سجلماسہ پہنچا اور مہدی اور اُن کے بیٹے محمد کو قید خانے سے نکالا اور دونوں کو سوار کر کے لے چلا۔ قبائل کے تمام سردار اُن کے آگے آگے چلتے تھے۔ ابوعبداللہ حضرت مہدی کی طرف اشارہ کر کے کہتا جاتا تھا کہ لوگو دیکھو تمہارے مولا اور آقا یہ ہیں۔ اور حضرت مہدی عبرت انقلاب اور فرط خوشی سے روتے جاتے تھے۔ غرض یہ کہ سنہ ۳۰۰ھ ہجری تک حضرت مہدی تمام بلاد افریقہ کے مالک ہو گئے اور یہ خطہ خلفائے عباسیہ کی قلمرو سے نکل گیا۔ ۳۰۳ھ ہجری میں حضرت مہدی نے سرزمین قیروان ملک افریقہ میں کنارہ دریا پر ایک شہر مہدیہ کے نام سے آباد کیا۔ جام جم کے صفحہ ۵۲۵ باب ۱۱۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر قلمرو ٹیونس میں واقع ہے۔

جب بلاد افریقہ میں حضرت مہدی کی حکومت خوب مضبوط ہو گئی تو اُنہوں نے مذہب اسمٰعیلیہ کا کھلم کھلا اعلان کیا۔ اور اُن کے داعی چاروں طرف پھیل گئے۔ اہل مصر نے خصوصیت سے اُن کی دعوت کو قبول کیا۔ حضرت مہدی کے بعد حسب ذیل خلفاء فاطمیہ خلافت کے ہوئے۔ ابوالقاسم محمد قائم بامر اللہ بن مہدی۔ ان کے بعد ابوطاہر اسمٰعیل منصور بقوۃ اللہ بن قائم۔ پھر ابوتمیم معد معز الدین اللہ۔ پھر ابومنصور نزار عزیز باللہ۔ پھر ابوعلی منصور حاکم بامر اللہ۔ یہ خلیفہ بڑے پابند شرع تھے۔ انہوں نے عورتوں کے پردے میں بہت احتیاط کی نشہ کی چیزوں کی خرید و فروخت بند کرا دی۔ قاہرہ کی مشہور مسجد آزہر ان ہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ انہوں نے حکم دیا کہ کوئی یہودی اور نصرانی گھوڑے پر سوار نہ ہو بلکہ گدھے اور خچر پر سوار ہو۔ مگر لوہے کی رکاب استعمال نہ کرے۔ اور ہمیشہ چند گھنگرو لٹکائے رکھے تاکہ مسلمانوں سے امتیاز رہے۔

انسائیکلو پیڈیا مطبوعہ ۱۸۹۵ء کی ساتویں جلد کے صفحہ ۴۴۳ و ۴۴۴ میں لکھا ہے کہ خلیفہ حاکم بامر اللہ کا زعم یہ تھا کہ وہ اللہ سے براہ راست گفتگو کرتے ہیں اور عقل الٰہی کے اوتار ہیں۔ انہوں نے ۴۰۸ھ ہجری میں اپنے دعوے کا قاہرہ کی مسجد میں علی الاعلان اظہار کیا۔ اور ایک شخص اسمٰعیل درازی نے ان کی تائید کی۔ خلقت اسمٰعیل درازی کی دشمن ہو گئی اور وہ قاہرہ سے بھاگ کر لبنان کے پہاڑوں میں چلا گیا۔ اور وہاں جاکر اشاعت اسلام کا کام شروع کیا۔ اور اپنے خلیفہ حاکم بامر اللہ کے عقائد اور اسلام کی خوبیاں دروس قوم کے سامنے پیش کیں۔ یہ قوم تمام کوہستان لبنان میں آباد تھی۔ آخر ۴۱۰ھ ہجری میں تمام دروس قوم مسلمان ہو گئی اور خلیفہ حاکم بامر اللہ کا عقیدہ اختیار کر لیا۔

درازی لبنان میں یہ کام کر رہا تھا کہ خلیفہ کو ایک بہت لایق ایرانی وزارت کے لیے مل گیا جس کا نام حمزہ بن علی بن احمد تھا۔ حمزہ نے ایسی قابلیت سے خلیفہ کے عقائد کی اشاعت کا سامان کیا کہ تمام فرقے اس کے پیرو ہو گئے۔ جو اس وقت افریقہ میں موجود تھے۔ آخر خلیفہ اور سپہ سالار کی کچھ ان بن ہو گئی۔ اور سپہ سالار نے کچھ آدمی گھات میں لگا دئے جنہوں نے ۴۱۱ھ ہجری میں خلیفہ کو شہید کر دیا۔ ۶۱ سال کی عمر تھی ۲۵ سال حکومت کی مگر حمزہ وزیر نے بیان کیا کہ خلیفہ مرے نہیں ہیں بلکہ کچھ عرصے کے لیے کسی خفیہ مقام پر گئے ہیں اور عنقریب مسلمانوں کی امداد کے لیے پوری قوت سے ظاہر ہوں گے۔

مذہب اسلام کی اشاعت کے لیے حمزہ وزیر کے حکم سے اسمٰعیل بن محمد تمیمی اور محمد بن وہاب اور ابو خیر سلمی بن عبد الوہاب اور مکتانہ بہاء الدین مامور ہوئے۔ جن میں سے بہاء الدین اپنی تصانیف کی وجہ سے قسطنطنیہ اور ہندوستان تک مشہور ہیں۔ جو دو خط انہوں نے رومیوں کے عیسائی شہنشاہ قسطنطین ہشتم اور جیجائیل فیفلے گومن کو لکھے ہیں اُن میں یہ دعوے کیا ہے کہ حضرت مسیح حمزہ کی شکل میں دوبارہ ظاہر ہوئے ہیں۔

دروس کے عقائد

دروس اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا ایک ہے اُسکی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اُس کا کوئی مقام نہیں ہے۔ وہ غلطی نہیں کر سکتا۔ اُسمیں جذبات نہیں ہے۔ اُسنے اپنے آپ کو دُنیا میں مختلف اوتاروں کی صورت میں سلسلے وار ظاہر کیا ہے جنکی تعداد ستّر کے قریب پہنچ گئی۔ آخری اُن میں خلیفہ حاکم بامر اللہ ہیں۔ حضرت علی اور دیگر فاطمی خلفاء بھی اوتاروں میں تھے۔ لیکن حاکم کے بعد اوتار کا سلسلہ بند ہو گیا۔ البتہ جب اہلِ زمین کی ذلتیں اور تکلیفیں انتہا کو پہنچ جائینگی تو حاکم پھر دنیا کو فتح کرنے کو ظاہر ہوں گے۔ خدا کی مخلوقات میں سے پہلی مخلوق عقلِ الٰہی ہے جس نے حمزہ کی صورت میں آخری دفعہ ظہور کیا۔ خدا تعالےٰ سے براہِ راست تعلق صرف عقلِ الٰہی کو ہے۔ عقلِ الٰہی کے بعد کے درجے میں یہ چار مخلوقات اور ہیں۔ ایک روح۔ دوسرے لفظ۔ تیسرے سیدھا بازو۔ چوتھے اُلٹا بازو۔ یہ چاروں عقلِ الٰہی کے ساتھ ملکر خدا کا تخت سنبھالے ہوتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ انسانوں کی تعداد نہ گھٹ سکتی ہے نہ بڑھ سکتی ہے۔ اور ایک باقاعدہ تناسخ کا سلسلہ جاری ہے۔ نیکوں کی روحیں مرنے کے بعد چینی دروسوں کی شکل میں حلول کرتی ہیں۔ اور بدوں کی اونٹ یا کتوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اگلے تمام مذہب سچے مذہب کا نمونہ ہیں۔ اور اُن کی متبرک کتابوں اور تصانیف کا ترجمہ باطنی طور پر کرنا چاہیئے۔ ایمان داروں کو اپنے اصول مخفی رکھنے ضروری ہیں۔ حمزہ کے سات حکموں کی پابندی لازمی ہے۔

پہلا اور بڑا حکم یہ ہے کہ بول چال میں سچائی اختیار کرو۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ اپنے بھائیوں کی حفاظت سے ہوشیار رہو۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ دوسرے مذہب والوں سے الگ رہو۔ چوتھا حکم یہ ہے کہ جو لوگ کسی غلطی میں مبتلا

ہوں اُن سے بالکل علیحدہ ہو جاؤ۔ پانچواں حکم یہ ہے کہ خدا کے ہر وقت موجود ہونیکا یقین رکھو۔ چھٹا حکم یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر پوری طرح بھروسہ رکھو۔ ساتواں حکم خدا کے احکام کی پوری فرماں برداری کے متعلق ہے۔

دروس کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان قضا و قدر کی طرف سے مجبور نہیں ہے۔ بلکہ اُسکو پوری قدرت اور آزادی حاصل ہے۔ اپنے عقائد کو غیر لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کے اصول پر سختی سے مستحکم رہنا چاہیئے۔ بلکہ اپنے مذہب کے عام آدمیوں کو بھی مذہب کے خاص خاص راز نہ بتلانے چاہئیں۔ اور جو لوگ خاص ہوتے تھے اُن کو عاقل کہا جاتا تھا اور نیچے درجے کے تمام دروس جاہل کہلاتے تھے۔ بالغ آبادی میں پندرہ فی صدی عاقل ہوتے تھے اِن عاقلوں میں عورتیں بھی شامل ہو سکتی تھیں۔ اگرچہ امیر بشیر شہاب عاقلوں کا ایک شیخ مقرر کرتے تھے۔ لیکن اس شیخ کو باقی عاقلوں پر کوئی خاص فوقیت حاصل نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ کسی بڑے زاہد و متقی کو شیخ بنایا جاتا تھا۔ ہر ایک عاقل کو تمباکو اور شراب سے بچنا پڑتا تھا۔ اور اُن کے عبادت خانے خلوت خانے کہلاتے تھے۔ اور اُن کا ایک عبادت خانہ ایسا تھا جس میں رات دن ایک چراغ روشن رہتا تھا۔

دروس فرقے میں اب بھی یہ سب باتیں اور یہ عقائد موجود ہیں۔ وہ اپنی مذہبی مراسم کے خاص اوقات میں دوسرے مذہب والوں کو آنے سے نہیں روکتے۔

دروس کے عقائد پر ایک نظر

دروس کے عقائد عموماً عیسائی یا ان مخالف مسلمان مورخوں نے لکھے ہیں جنکی کوشش فاطمی خلفاء اور اُن کے متبعین کو بدنام کرنے کی ہمیشہ جاری رہتی تھی۔ خصوصاً عیسائی مورخ جن کو فاطمی خلفا سے بدیں وجہ سخت عداوت تھی کہ وہ عیسائیوں کی سازشوں اور عیاریوں سے ہوشیار رہتے تھے اور اُنہوں نے مسلمانوں اور عیسائیوں میں ضرور یات

سیاسی کے سبب حد درجہ امتیاز قایم کر دی تھیں۔

حمزہ کے سات احکام کو پڑھنے کے بعد کوئی شک و شبہ دروس کے عقائد کی نسبت باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ ان میں کوئی حکم بھی خلاف اسلام نہیں ہے۔ بلکہ اصول اسلام اور روح اسلام کی شان ان کے اندر موجود ہے۔

جبل لبنان جس کا سلسلہ بندرگاہ بیروت سے شروع ہو کر دمشق تک چلا گیا ہے۔ میں ۱۹۱۱ء میں دیکھ چکا ہوں وہاں دروس بکثرت آباد ہیں۔ وہ بہت حسین قوم ہے ان کے جوان بڑے مضبوط اور شکیل ہوتے ہیں۔ ان کے چہروں پہ ایک قسم کا رعب اور ان کی آنکھوں میں عجیب طرح کی کشش ہوتی ہے وہ ہر وقت مسلح رہتے ہیں۔

لبنان کے عیسائیوں اور یہودیوں اور بعض غیر دروس مسلمانوں میں دروس سے ایک خوف پایا جاتا ہے۔ وہ ان کو سخت خطرناک سمجھتے ہیں۔ مگر میں نے ان کے اخلاق و عادات کو ایک مہمان نواز اور سچے مسلماں کی طرح پایا۔ ان میں بنی فاطمہ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ وہ اسلام کا درد دل میں رکھتے ہیں۔ مگر وہ بے انتظام ترکوں سے بعض اوقات ناخوش ہوجاتے ہیں۔ اُن میں آزادی کا مادہ بہت زیادہ ہے۔ اور جس قوم کو اپنی آزادی کا حریف سمجھتے ہیں اُس کے لئے خوفناک دشمن بنجاتے ہیں۔

مورخوں نے بنی فاطمہ اور ان کے حلقہ بگوش فرقوں کے ساتھ بہت کم انصاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کے عیب کتابوں میں بھر دئے ہیں

میں نے واقعات مذکور جن جن کتابوں سے اخذ کئے ہیں۔ ان میں سے اکثر کا یہی حال ہے اور میں اصلیت اور صداقت تلاش کرنے میں تھک جاتا ہوں اور بمشکل یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ غریب بنی فاطمہ پر کونسا بہتان ہے اور کونسا اصل واقعہ ہے۔ لہذا ناظرین کو چاہیئے کہ وہ ان حالات کے پڑھتے میں اسکو یاد رکھیں کہ میں نے مجبوراً کتب تاریخی کے بیان نقل کئے ہیں۔ کیونکہ میرے پاس سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ صحیح معلومات حاصل

کرنے کا نہ تہا۔

اصل میں بات یہ ہے کہ حمزہ اور درازی اور خلیفہ حاکم دعوت اسلام کا سچا جوش اپنے دلوں میں رکہتے تھے۔ اور انہوں نے قبائل غیر مسلم میں اسلام شائع کرنے کی بڑی بڑی حکیمانہ کوششیں کی تھیں۔ اور دروس قبائل میں ان کو بہت زیادہ کامیابی حاصل ہوئی تہی مگر عباسی خلفاء اور انکے کاسہ لیس مورخ نہیں چاہتے تھے کہ فاطمی خلفاء کی خدمات اسلامی دنیا میں نیکنامی سے مشہور ہوں اس واسطے ان حالات کو طرح طرح کے بہتانوں سے رسوا و بدنام کیا جاتا تہا۔

فاطمی خلفاء بہ نسبت عباسی خلفاء کے زیادہ پابند احکام شرع کے تھے۔ لہو و لعب سے ان کو پرہیز تہا۔ اس لئے عیسائی مورخوں نے ان کو متعصب لکہا ہے۔

ناصر خسرو اپنے سفرنامے میں لکہتے ہیں کہ میں شام سے قیروان تک گیا۔ تمام شہروں اور دیہات میں جو جو مسجدیں تہیں سب کا خرچ فاطمی خلیفہ مصر کے ذمہ تہا۔ روشنی۔ فرش۔ موذن اور ملازمین مساجد کے مصارف خلیفہ دیتے تھے۔

قاضی القضاۃ دو ہزار دینار مغربی ماہوار پاتا تہا۔ اور اسی طرح دوسرے قاضیوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی تہیں۔ تاکہ لوگوں سے رشوت کی طمع نہ کریں۔

ماہ رجب میں تمام مساجد میں حکم سلطانی سُنایا جاتا تھا کہ اے مسلمانوں حج کا موسم آگیا ہے۔ سُلطان کی طرف سے جو سامان اور فوج اور باربرداری اور خرچ مقرر ہے وہ بدستور دیا جائے گا۔ رمضان میں بہی یہی منادی کی جاتی تہی۔ اول ذیقعدہ سے آدمی شہر سے نکلنے شروع ہوتے اور ایک مقام معین میں ٹہرتے۔ نصف ذیقعدہ میں قافلہ کا کوچ ہو جاتا تمام لشکر کا خرچ ایک ہزار دینار روزانہ ہوتا تہا۔ اور تنخواہ نوکروں کی اسکے علاوہ ہوتی تہی۔ جس میں ساٹھ ہزار دینار کے قریب خرچ ہوتے تھے۔ اور اہل مکہ اور اعیان مکہ کے لئے جو ہدایا اور انعامات بہیجے جاتے تھے وہ مذکورہ مصارف سے علیحدہ تھے۔ اور سال میں دوبار کعبہ کے لئے غلاف بہیجا جاتا تہا۔

ان حالات کو ان روایات سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے جو مورخوں نے فاطمی خلفاء اور ان کے مقلدین کی نسبت لکھی ہیں کہ وہ اسلام کے دشمن تھے۔ انہوں نے اسلام کو تباہ کر دیا وہ مسلمانوں کی بربادی کا موجب بنے تو ہر شخص مورخوں کی غلط بیانی کا آسانی سے اندازہ کر لے گا۔

خلیفہ حاکم کے بعد ابوالحسن علی ظاہر لاعزاز دین اللہ خلیفہ ہوئے۔ پھر ابوتمیم مستنصر باللہ۔ انہیں خلیفہ کے بعد سے اسمٰعیلیوں کی دو شاخیں ہو گئیں۔ ایک نزاریہ دوسری مستعلیہ ان خلیفہ کے بعد ابوالقاسم احمد مستعلی باللہ خلیفہ ہوئے۔ پھر ابو علی منصور آمر باحکام اللہ خلیفہ ہوئے۔ پھر ابو میمون حافظ لدین اللہ خلیفہ ہوئے۔ پھر ابو منصور ظافر باللہ خلیفہ ہوئے۔ پھر ابوالقاسم فائز بنصر اللہ۔ پھر ابو محمد عاضد لدین اللہ خلیفہ ہوئے۔ اور انہیں کے زمانے میں فاطمیہ خلافت کا خاتمہ ہوا۔ اور سلطان صلاح الدین نے دوسری محرم ۵۶۷ھ میں خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھا۔

قاہرہ میں فاطمی آثار

قاہرہ پائے تخت مصر میں باوجود انقلابات عظیم اب تک بنی فاطمہ کی خلافت کے بکثرت آثار موجود ہیں جنہیں سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے، روایت ہے کہ جب دمشق میں حضرت امام حسینؑ کا سر یزید دیکھ چکا تو اسکو جامع اموی کے قریب دفن کرا دیا گیا۔ اور وہ فاطمی خلافت کے ظہور تک اپنی جگہ دفن رہا۔ مگر جب فاطمی خلفاء کا عروج ہوا تو انہوں نے اس سر کو دمشق سے نکلوا کر اور اپنے پایۂ تخت قاہرہ میں دفن کر کے درگاہ بنائی۔

میں نے یہ روضہ دیکھا ہے۔ وہاں شیعہ اور اہل سنت زائرین کا ہر وقت ہجوم لگا رہتا ہے۔

فاطمی خلفاء کے کمالات

فاطمی خلفا کے متعلق بہت سے خوارق اور کمالات مشہور کیے جاتے ہیں چنانچہ مجالس سیفیہ کی تیسری مجلس میں خلیفہ آمر کی ایک کرامت لکھی ہے کہ آمر کا وزیر فضل بن بدر اپنے دین میں کچھ مذبذب تھا اور ایک جادوگر اُس کے پاس بیٹھا تھا۔ جادوگر نے اشارہ کیا اور کھانے کا ایک خوان بغیر اُٹھانے والے کے خود بخود اُٹھا چلا آیا خلیفہ کو اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے وزیر کو جادوگر سمیت اپنے سامنے طلب فرمایا جادوگر نے خلیفہ کو بھی وہی تماشہ دکھلایا۔ خلیفہ کے سامنے ایک پردہ پڑا ہوا تھا۔ جس پر شیر کی تصویر تھی۔ اُس نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ یکایک وہ تصویر ہلی اور مجسّم شیر بنکر ساحر پر دوڑی اور اُسکو کھا گئی ؀

اسمٰعیلیوں کے مذہبی درجے اور منصب

شرح مواقف میں مذکور ہے کہ اسمٰعیلیوں کا عقیدہ ہے کہ زمانے میں لوگوں کی ہدایت کے واسطے سات آدمیوں کا ہونا ضروری ہے ایک امام کہ غیب کی جانب سے اُسکو علم اور احکامات بلا واسطہ پہنچتے ہیں۔ اور سلسلہ علوم کی انتہا اُسی کی ذات ہوتی ہے۔ دوسرا حجت کہ جو امام سے علم حاصل کرکے دوسرے آدمیوں تک پہنچاتا ہے۔ تیسرا ذو مصہ یہ حجت سے علم حاصل کرتا ہے۔ چوتھا داعی اکبر یہ مومنوں کے درجات کو بڑھاتا ہے۔ اور امام اور حجت تک انھیں پہنچاتا ہے۔ پانچواں داعی ماذون یہ طالبین سے عہد و پیمان لیکر امام کی بیعت میں داخل کرتا ہے۔ اور لوگوں کو علم معرفت سکھاتا ہے۔ چھٹا مکلف یہ شخص اگرچہ بڑے درجے کا ہوتا ہے لیکن اسکو دعوت کا اذن نہیں ہوتا اسکا صرف یہی کام ہے کہ غیر مذہب والے کے عقائد میں حجت اور

دلیل کے ساتھ شبہات ڈال دے اور جب وہ متحیر ہو کر طلب حق کی درخواست کرے تو داعی ماذون کا پتہ بتلا دے۔ ساتواں مومن جو دعوت کو قبول کرتا ہے۔

مستعلی جماعت کی دعوت اسلام

معلوم ہو چکا ہے کہ خلیفہ مستنصر کے دو بیٹے تھے بڑے کا نام نزار تھا چھوٹے کا مستعلی مستنصر نے پہلے اپنے بڑے بیٹے نزار کے واسطے نص یعنی وصیت کی تھی مگر بعد میں اُسے منسوخ کر کے چھوٹے لڑکے مستعلی کے لئے وصیت کر دی خلیفہ کے انتقال کے بعد مستعلی اور نزار میں لڑائی ہوئی۔ مستعلی کامیاب ہوئے اور نزار قید ہو گئے اور قید ہی میں انہوں نے انتقال کیا۔ نزار سے جو فرقہ چلا اُسکا نام اسمٰعیلی اور خوجہ مشہور ہے۔ ہز ہائینس آغا خاں اس فرقے کے موجودہ امام ہیں۔ اور مستعلی کی جماعت خلافت کے خاتمہ کے بعد یمن میں محدود ہو گئی اور کچھ ہندوستان میں چلی آئی۔ اس جماعت کو ہندوستان میں بوہرہ کہا جاتا ہے۔ کتاب آس ٹلا میں لکھا ہے کہ بوہرے ہندوستان کے وہ نو مسلم لوگ ہیں جنہوں نے مستعلیہ داعیوں کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور عربستان سے بیوپار جاری کیا جیسے وہ بوہرے اور پھر بوہرے کہلانے لگے۔ انگریزی کتب تاریخ میں یہ لکھا ہے کہ بوہرے اصل میں ہندو تھے اس کی تصریح کتاب گجرات اینڈ گجراتی مؤلفہ بہرام جی ملباری کے صفحہ ۲۸۹ کے نوٹ میں مندرج ہے کہ بوہرے در اصل ہندو تھے۔ راس مالا کے ترجمہ گجراتی کی جلد اول کے صفحہ ۴۱۵ میں لکھا ہے کہ بھاٹ لوگ کہتے ہیں کہ احمد شاہ نے برہمنوں اور مہاجنوں کو مسلمان بنایا تھا۔ وہ بوہرے بن گئے پریچنگ اوف اسلام میں مسٹر ارنلڈ نے لکھا ہے کہ سلطان محمود بیگڑے کے عہد میں بوہرے مسلمان ہوئے انسائیکلوپیڈیا اوف انڈیا کی جلد اول کے صفحہ ۴۰۳ میں ولسن صاحب کی تحریر

ہے کہ بوہرو ں کی بنیاد گجرات میں ہوئی ہے اور ایسا پایا جاتا ہے کہ وہاں ہندؤں کو مسلمان بنالیا گیا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سندھ کی طرف سے آئے ہوئے ہیں اور کتاب مجالس سیفیہ میں جو ۱۲۴۱ھ میں تیار ہوئی ہے لکھا ہے کہ بوہرے ہندو سے مسلمان ہوئے ہیں +

خلیفہ مستنصر مستعلی کے والد نے عبداللہ اور احمد نامی دو آدمیوں کو داعیان یمن کے ذریعے سے ہندوستان بھیجنے کا حکم دیا یہ دونوں شہر کھمبایت کے ساحل پر اُترے جو گجرات کا ایک قدیمی شہر ہے یہاں کے راجہ کا نام سدراوجی سنگھ تھا۔ جو تمام ملک گجرات کا مالک تھا۔ اور پٹن میں اُسکا دارالحکومت تھا اس کے وزیر کا نام بھارمل تھا۔ ان داعیوں نے ایک باغ کے مالی اور اُس کی بیوی کو سوکھے کنوئیں میں سے پانی نکالنے کی کرامت دکھائی اور وہ دونوں یہ کرامت دیکھکر مسلمان ہو گئے۔ ان دونوں کا نام کاکا اکیلا۔ اور کاکی اکیلی مشہور ہے۔ عبداللہ کچھ دن ان دونوں کے پاس خفیہ طور سے ٹھیرے رہے۔ اور ہندی زبان کی تکمیل حاصل کرکے دعوتِ اسلام کا ارادہ کیا۔ نومسلم مالی اور مالن نے رائے دی کہ اگر یہاں کے بڑے آدمیوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو بہت جلدی اور لوگ بھی اسلام قبول کر لیں گے۔ اور کہا کہ کھمبایت میں بڑے بت کا ایک پجاری رہتا ہے جس سے راجہ کے وزیر بھارمل کو بہت عقیدت ہے۔ اگر وہ پجاری مسلمان ہو جائے تو پھر وزیر اور راجہ کا مسلمان کر لینا آسان ہوگا۔ عبداللہ یہ سنکر پجاری کے پاس گئے وہ لڑکوں کو پڑھا رہا تھا اور اس طرح پڑھاتا تھا۔ کلکو کھلکو عبداللہ نے پجاری سے کہا پنڈت جی ایک عجیب بات تمہاری تعلیم میں دیکھی کہ تم سکھاتے ایک حرف ہو اور بولتے ہو چار حروف۔ پنڈت ان کی بات سُنکر متعجب ہوا۔ اور پھر ان کی اور پنڈت کی تخلیہ میں ایک ملاقات ہوئی۔ جس میں عبداللہ نے حروف کے مخفی اسرار پنڈت کو

بتلائے۔ جنکو سنکر پنڈت مسلمان ہوگیا۔ اور پھر پنڈت کی کوشش سے بھارمل
وزیر نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ مگر ان سب کا اسلام پوشیدہ رکھا گیا +
بڑے مندر میں ایک معلق ہاتھی لٹکا ہوا تھا۔ عبداللہ نے چاروں طرف دیواروں
کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ مقناطیس جڑا ہوا ہے اور اُس کی کشش سے لوہے کا ہاتھی معلق
رہتا ہے عبداللہ نے پجاری سے کہا کہ تم راجہ سے جاکر بیان کرد کہ بتخانے کا ہاتھی
کہتا ہے میں اُدھر کھڑے کھڑے تھک گیا ہوں کل صبح اپنا ایک پاؤں زمین پر ٹیکوں گا
راجہ نے پوجاری کی یہ بات سُنی تو اُسکو بہت تعجب ہوا۔ رات کو عبداللہ مندر میں
گئے اور چپکے سے مقناطیس کا ایک پتھر دیوار میں سے نکال لیا۔ ہاتھی نے مقناطیس
کے نکلتے ہی ایک پاؤں اپنا نیچے ٹیک لیا۔ صبح اس کی خبر مشہور ہوئی تو ہزاروں آدمی
اُسکو دیکھنے گئے۔ اور راجہ کو طرح طرح کے وہم اور شک ہونے لگے۔ دوسرے
دن پجاری نے کہا ہاتھی کہتا ہے کہ میں اب دوسرا پاؤں بھی ٹیکوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی
ہوا اور عبداللہ نے دوسرا پتھر نکالدیا اور ہاتھی کے دو پاؤں زمین پر ٹک گئے غرض
اسی طرح چار دن میں ہاتھی زمین پر آگیا۔ اسی اثنا میں کسی نے راجہ کو خبر دی کہ پجاری
مسلمان ہوگیا ہے اور اُس کے گھر میں ایک عرب پوشیدہ ہے یہ سب اُس کے
کرتب ہیں۔ راجہ بہت غضبناک ہوا اور پجاری کو عبداللہ سمیت اپنے سامنے بلوایا
مگر جو لوگ پکڑنے گئے تھے وہ سب عبداللہ کے قریب نہ جاسکے زمین نے اُنکے
پاؤں پکڑ لئے آخر راجہ خود آیا اُس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ قصہ مختصر عبداللہ
کے اشارے سے بڑا بت اٹھا اور عبداللہ کے واسطے پانی بھر کر لایا یہ کرامت
دیکھکر راجہ اور ہزاروں ہندو مسلمان ہوگئے۔ اور اُسوقت اتنے جنیؤ اُتارے گئے
کہ اُن کا وزن ایک من سے زیادہ تھا۔ اُس کے بعد شیخ عبداللہ نے بھارمل وزیر
کے بیٹے یعقوب کو علم دین سکھایا اور موت کے وقت اُنکو اپنا جانشین کیا۔ کچھ دن یعقوب

ہند کے داعی رہے پھر یعقوب نے اپنے چچا تارمل کے بیٹے فخرالدین کو ڈونگرپور راجپوتانے میں بھیجا اور وہاں انہوں نے اسلام کی اشاعت کی۔ مگر فخرالدین ہمراہیوں کو باگڑی کنواروں کے ہاتھوں سے شہید ہوئے اور موضع گلیاکوٹ میں اُن کا مزار بنا جس کی زیارت کو ہزاروں بوہرے جاتے ہیں۔ یعقوب کے بعد اُن کے بیٹے اسحق داعی ہوئے اور اُنکے بعد اُنکے بیٹے علی اور علی کے بعد پیر حسن اور پیر حسن کی شہادت کے بعد مُلا آدم اور پھر اُنکے بیٹے مُلا حسن اور پھر اُنکے بیٹے مُلا راج۔ اور مُلا راج کے بعد اُنکے بیٹے مُلا جعفر داعی ہوئے مُلا جعفر کے زمانے میں یمن کی دعوت عظمیٰ کا رتبہ بھی منتقل ہوکر ہندوستان میں داعی یوسف پر آگیا۔

کتاب سیفیہ کی مذکورہ حکایت کی تصدیق کتب تواریخ سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ کے جرنل جلد ۳ کے صفحہ ۲۴۴ میں یہ حالات ہیں کہ یعقوب نامی ایک آدمی اپنے گھر کے فساد کی وجہ سے اپنا ملک مصر چھوڑ کر سنہ ۵۳۲ھ مطابق سنہ ۱۱۳۷ء میں کھمبایت آیا۔ اُس وقت اس کے مذہب کا سب سے بڑا ملا جو کئی برس سے یمن میں رہتا تھا ظہری (ذوئیب) بن موسیٰ نامی تھا۔ مصر میں خلیفہ مستنصر باللہ کا عمل تھا اور سدھ راج جے سنگھ ہندوستان میں گجرات کا راجہ تھا۔ یعقوب کھمبایت میں آکر ایک مالی کے ساتھ رہا جسکو اُس نے مسلمان کیا اس کے بعد ایک برہمن لڑکا بھی مسلمان ہوگیا۔ راجہ اور اُس کے دو وزیر تارمل اور بھارمل مندر میں جایا کرتے تھے۔ وہاں پر ایک لوہے کا ہاتھی سنگ مقناطیس کے زور سے لٹکا رہتا تھا۔ یعقوب نے اُن پتھروں کو نکال ڈالا اور راجہ اور اُس کے درباریوں کو ایسی کرامت دکھلائی جس سے اُنہوں نے اُس کا مذہب اختیار کرلیا اور اُنکی تقلید دوسرے ہندوؤں نے بھی کی۔ اور ان نومسلموں نے عربستان کے ساتھ بیوپار جاری کیا جس سے وہ بیوپاری اور پھر بوہرے کہلانے لگے۔

اماموں کی ترتیب

بوہرے خلیفہ مستنصر کے بعد مستعلی باللہ کو امام برحق مانتے ہیں اور مستعلی کے بعد اُنکے بیٹے آمر باحکام اللہ کو۔ ۵۲۴ھ میں آمر کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ابوالقاسم طیب رکھا گیا۔ جس مکان میں اُس کی ولادت ہوئی تھی۔ اُسکا نام بیت حق معمور مقرر کیا گیا۔

۵۲۶ھ میں جب آمر شہر قاہرہ کے ایک بازار میں سر راہ زخمی ہوئے تو اپنی جانشینی کے لیے طیب کے واسطے نص یعنی وصیت کی۔ اور ابن مدین کو بلا کر بچہ اُنکے حوالہ کر دیا۔ اور کہا کہ اپنے بعد ابو علی کو باب مقرر کرنا۔ آمر نے یہ حکم دیکر رحلت کی۔ اور امرائے دولت طیب کو لیکر قاہرہ سے کہیں چلے گئے اور پوشیدہ ہو گئے جب یہ خبر یمن میں پہنچی تو حرہ ملکہ اور داعی ذویب دعوت کے لئے کھڑے ہوئے اور حضرت طیب بن آمر کی بیعت لینی شروع کی۔ بوہرے تمام خلفاء مصر کو امام نہیں مانتے بلکہ آمر بن مستعلی پر رک جاتے ہیں اور آمر کے بیٹے طیب ابوالقاسم کو بھی امام مانتے ہیں مگر اُنکے بعد دوسرے خلفاء کے قائل نہیں ہیں۔ اُنکے ہاں اماموں کی ترتیب اس طرح ہے۔ حضرت علی۔ حضرت امام حسن۔ حضرت امام حسین۔ حضرت امام زین العابدین حضرت امام محمد باقر۔ حضرت امام جعفر صادق۔ امام اسمٰعیل۔ امام محمد۔ امام عبداللہ۔ امام احمد۔ امام حسین۔ امام مہدی۔ امام قائم۔ امام منصور۔ امام معز۔ امام عزیز۔ امام حاکم امام ظاہر۔ امام مستنصر۔ امام مستعلی۔ امام آمر۔ امام طیب ✦

مستور امام بوہرے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد چار اماموں کے مستور و مخفی ہونے کے قائل ہیں اور وہ چار یہ ہیں عبداللہ و احمد و حسین و طیب ✦

حرّہ ملکہ

مستعلیوں میں یہ عورت بڑی عالمہ فاضلہ اور برگزیدہ گذری ہیں۔ ان کا نام سیدہ اور لقب حرہ تھا۔ انکے باپ کا نام احمد بن جعفر بن موسی صلیحی ہے۔ سنہ ۴۴۰ھ میں پیدا ہوئی تھیں سنہ ۴۶۱ھ میں ملک مکرم بن علی شاہ یمن سے اِن کی شادی ہوئی اور احمد مکرم نے سلطنت کا انتظام انکے سپرد کر دیا حرہ ملکہ نے ۹۲ سال کی عمر پائی۔ مجالس سیفیہ میں لکھا ہے کہ حرہ ملکہ علم تنزیل و تاویل و حدیث میں کاملہ تھیں اور بڑے بڑے داعیوں کو پردے کے پیچھے بیٹھکر مسائل سکھاتی تھیں اور دعوت اسلام کے طریقے بتاتی تھیں۔ وہ بڑی زاہدہ اور عابدہ تھیں اور اس کے ساتھ ہی سیاست و تدبیر میں بھی کمال حاصل تھا۔ انھیں کے عہد میں ستر واقع ہوا یعنی امام طیب بن آمر مستور ہوئے امام آمر نے اُنکو مقام نورِ حجاب اور بیتِ حق معمور کا جس میں امام طیب ابو القاسم پیدا ہوئے تھے باب مقرر کرکے حکم دیدیا تھا کہ وہ امام ابو طیب ابو القاسم کی حالت ظہور اور پوشیدگی میں لوگوں کو اُنکی طرف دعوت کریں چنانچہ انہوں نے بہت عمدگی سے اُسکی تعمیل کی ٭

حرّہ ملکہ کے بعد داعی ذویب بن موسیٰ قایم مقام ہوئے اور پھر سلسلہ بسلسلہ بہت سے داعی ہوئے جنہوں نے اپنے عقاید اور اسلام کی اشاعت میں کوشش کی جن کی وجہ سے لاکھوں آدمی صوبہ بمبئی و سندھ و راجپوتانہ و مالوہ وغیرہ میں مسلمان ہوئے ٭

مستعلی دعوت پر ایک نظر

اگرچہ مستعلیہ جماعت کی دعوت اسلام میں نزاریہ جماعت کی طرح وسعت اور پوری

سرگرمی کا اثر نہیں پایا جاتا۔ تاہم یہ بات تعریف کے قابل ہے کہ انکے ہاں ابتدا سے علوم دین کا شوق قائم رہا اور اس فرقہ میں بڑے بڑے فاضل اور علامہ روزگار پیدا ہوئے۔

ایک بڑی خصوصیت اس جماعت میں یہ ہے کہ انہوں نے نزاریوں کی طرح اصول اسلام کو توڑ مروڑ کر غیر مسلموں کے حسب مذاق نہیں بنایا اور بڑی سنجیدگی و صفائی سے تعلیم اسلام اصلی صورت میں پیش کرتے رہے۔ گو بنیادی اختلاف اہل سنت والجماعت اور اسمٰعیلی فرقہ میں موجود تھا اور وہ اسلام کی دعوت اسمٰعیلی نقطۂ نظر سے کرتے تھے لیکن نزاریوں کی بہ نسبت ان کی دعوت میں وہ عجائبات نہ تھے جن سے اسلام کی سادگی اور صفائی میں فرق پڑتا نظر آتا۔ اصول اسلام کا ظاہر پرست اور فلسفہ کی باریکیوں سے گریز کرنے والا مسلمان مستعلیوں کی دعوت کو نزاریوں سے بہت محفوظ اور برگزیدہ خیال کرے گا مگر اسلام کے سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو نزاری مستعلیوں سے بہت بڑھے ہوئے معلوم ہونگے۔ کیونکہ انہوں نے بے شمار غیر مسلموں کو اسلامی اقتدار کے نیچے جمع کر دیا اور ایک مختصر سے دائرہ میں ایک ہی قسم کا کام کرتے رہ گئے۔

افسوسناک بات تو یہ ہے کہ مستعلیوں نے عرصہ دراز سے اشاعت اسلام کا کام بالکل ترک کر دیا ہے۔ اور متقدمین داعیان اسلام نے جس قدر ہندوؤں کو مسلمان بنا کر بوہرہ جماعت تیار کی تھی ان میں اب کچھ اضافہ نہیں ہوتا اور موجودہ نسلوں کے مستعلی داعی صرف امیرانہ ٹھاٹھ سے بوہروں پر حکومت کرنے اور ٹیکس وصول کر کے حاکم مطلق بنے رہنے کو کافی سمجھتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ بوہروں کی جماعت اپنے داعی کی فرمانبرداری میں کامل اطاعت کا فرض ادا کرتی ہے۔ اور قدیمی داعیوں کے بنائے ہوئے طریقوں کے بموجب ان کا اجتماعی شیرازہ نہایت استحکام سے قایم ہے یعنے بوہرے داعی کی انتظامی حیثیت

کی حدود سے باہر نہیں نکلتے۔ اور ان کی جماعت نماز روزے حج زکوٰۃ وغیرہ ارکان اسلام کی پابندی میں تمام مسلمان فرقوں سے زیادہ مستعد نظر آتی ہے۔ ان کی صورت ان کا لباس۔ ان کی بود و باش سب سچے اور پکے مسلمانوں کی طرح ہے۔ مگر رنج اسکا ہے کہ ان کے داعی اپنے فرائض کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ نہ وہ اسلام کی اشاعت کا ضروری فرض ادا کرتے ہیں نہ اپنی جماعت میں عوام کو علم حاصل کرنے کی اجازت دیتے ہیں نہ ان کو ان شرائط کی کچھ پروا ہے جو داعی بننے کے لئے ضروری ہیں کیونکہ وہ کم علم بوہروں کو روشن دنیا کی ہر ترقی سے بچائے رکھنا اپنے اقتدار حکومت کے لئے لازمی خیال کرتے ہیں +

ایک اور خرابی بوہروں کے موجودہ داعیوں میں پڑ گئی ہے کہ وہ نص کی پابندی سے آزاد ہوتے جاتے ہیں۔ اور سنا جاتا ہے کہ کئی داعی ایسے مقرر ہوئے جن کے لئے نص نہ ہوئی تھی۔ حالانکہ مستعلی و اسمٰعیلی اصول کی بموجب بغیر نص یعنے وصیت کے کوئی شخص صحیح معنوں میں داعی نہیں ہو سکتا۔ اور ایسے داعی کی اطاعت جائز نہیں ہے جس کے لیے نص ثابت نہ ہوئی ہو +

یہی وجہ ہے کہ اب بوہروں میں تفرقہ پڑتا جاتا ہے۔ ایک جماعت عرصہ ہوا اپنے داعی سے جدا ہو گئی تھی اور اب اس کا مرکز ناگپور میں ہے جس کے پیشوا خان بہادر ایچ ایم ملک صاحب ہیں +

اور اس کے بعد ایک اور کثیر اور باوقعت جماعت داعی صاحب کی اطاعت سے منحرف ہو گئی۔ اور روز بروز اس کی تعداد میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ سر آدم جی پیر بھائی مرحوم کی اولاد اور سینکڑوں دوسرے نامور بوہرے اس جماعت میں شامل ہیں +

موجودہ داعی صاحب تعلیم گاہیں جبراً بند کرتے جاتے ہیں۔ اور بوہرہ قوم کو جاہل

رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسلامی احکام کی بموجب بوہروں کو دینی و دنیاوی امور میں آزادانہ ترقی سے روکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جماعت کے اموال عامہ کا حساب شائع نہیں کرتے نہ کسی پوچھنے والے کو بتاتے ہیں حالانکہ یہ روپیہ جماعت اور پبلک کا ہے جو مختلف طریقوں سے دیا جاتا ہے اور داعی بحیثیت امین کے حساب دینے پر مجبور ہے ؎

قصہ مختصر مستعلیوں کی دعوت اسلام کا خاتمہ ہو چکا ہے اور نزاری ایک زندہ قوم کی طرح برابر اپنے بزرگوں کی تعلیم کے ذریعہ سے اشاعت اسلام ہندوستان کے بڑے بڑے مقامات میں کر رہے ہیں ؎

نزاریہ یا آغاخانی فرقہ کی اشاعت اسلام

حضرت نزار کی رحلت کے بعد ان کی جماعت میں بڑی ترقی ہوئی اور ان کے داعیوں نے تمام اسلامی دنیا میں اپنے داعی بھیجے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ جماعت حضرت محی الدین ابن عربی اور حضرت فریدالدین عطار اور حکیم بو علی سینا کو بھی اپنا داعی سمجھتی ہے ؎

ممکن ہے اس میں مبالغہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ انہوں نے اپنے عقائد مخفی اور اسلام کی اشاعت میں کوئی دقیقہ حکمت عملی کا باقی نہیں چھوڑا۔ اور مسلمان فرقوں میں کوئی فرقہ ایسا نہیں مل سکتا جو جوش جان بازی اور سر فروشانہ سرگرمی میں نزاریوں کی برابری کر سکے بلکہ شاید دنیا کے کسی مذہب والے نے اپنے خیالات کی اشاعت میں اتنی عمیق سعی نہ کی ہوگی۔ اس گروہ میں ایسے عجیب و غریب داعیوں کے آدمی پیدا ہوئے جنہوں نے جنون کی حد سے بھی گزر کر دعوت کا کام کیا تھا حسن بن صباح کے فدائیوں کی خوں خواریاں کیسی ہی مذموم سمجھی جائیں لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا

کہ اس سفاکی میں بھی ان کی دعوت کا ایک دور پایا جاتا ہے۔ ایسے ہی اگر انہوں نے ہر قوم کے عقائد سے اپنے عقائد کو خلط ملط کرکے دکھانے اور انکو اسلامی عقائد سے مانوس کرنے کی تدبیریں کیں تو گوان میں ایک قسم کا مغالطہ پایا جاتا ہے تاہم دعوت کی حکمت عملی پر اس سے روشنی پڑتی ہے۔

انہوں نے قصہ اور افسانہ گوئی کے میدان کو بھی خالی نہیں چھوڑا۔ بوستان خیال کی بڑی بڑی ضخیم جلدیں ایک اسمٰعیلی نے لکھیں اور ان میں اپنے اماموں کی غیر معمولی قوت کو ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ صرف کتاب بوستان خیال کو اگر نزاریوں کے کارناموں میں اکیلا چھوڑ دیا جائے تب بھی فقط یہ ایک اکیلی عجیب و غریب کتاب ہی ان کی داعیانہ قابلیت ثابت کرنے کو کافی ہوگی۔

ذیل میں ایک تحریر درج کی جاتی ہے جو جواب ہے میرے سوالات کا اور جو آغا خانی فرقہ کے ایک واقف شخص نے مہربانی کرکے مجکو بھیجی تھی۔

سوال کس طرح آغا خانی ایک دوسرے کو پہچان سکتے ہیں۔

جواب۔ ایک آدمی یا علی مدد کہتا ہے دوسرا مولا علی مدد کہکر جواب دیتا ہے اس سے شناخت ہو جاتی ہے۔

ہندوستان میں اسمٰعیلی خوجوں کی تعداد بے شمار ہے جنکو پیر نور الدین (ست گور نور) حضرت پیر شمس پیر صدر الدین اور پیر حسن کبیر دین نے ہدایت کی تھی اس کے علاوہ ایک گپتی فرقہ ہے جنکو فی الحال ہدایت کی جاتی ہے اور عرب پٹھان مغل وغیرہ کی تعداد بے انتہا ہے جنکو نیچے درج کیے ہوئے داعیوں نے ہدایت کی تھی (۱) داعی ناصر خسرو (۲) داعی ابن صباح (۳) داعی محی الدین عربی (۴) سید سہراب (۵) داعی ابو نظم (۶) عبد المیمون (۷) شیخ فرید الدین عطار (۸) حکیم بو علی سینا وغیرہ۔

اسمٰعیلی ان ان مقامات میں مقیم ہیں

وسطِ ایشیا کے خوفناک حصوں ہی سے انکی بستی کابل کی سرحد تک پہونچی ہے اور پامیر کی گھاٹیوں میں چترال، غلز یط، شام اور لبنان کے پہاڑوں میں۔ افریقہ میں زنگبار سے لیکر وسط افریقہ میں یوہی جی تک انہی لوگوں کی تعداد زیادہ تر ہے، عربستان، ترکستان، ایران خراسان بدخشان اور یورپ میں بھی یہ پائے جاتے ہیں، رنگون کچھ کاٹھیاوار گجرات سندھ ملتان پنجاب گوالیار کوکن برار اور کشمیر وغیرہ مقامات میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے موجودہ آغا خاں سے پوچھا "آپ کے مرید کتنے ہیں اور کہاں کہاں ہیں؟" ہزہائینس آغا خاں نے جواب دیا "صرف دوزخ کے سوا ہر جگہ میرے مرید موجود ہیں"

ہنود جو اس فرقہ میں شامل ہوتے ہیں ان کے اسلامی نام آغا خان کے بتلائے ہوئے رکھے جاتے ہیں +

ہمارا عقیدہ ہے کہ وشنو، حضرت علیؑ، برہما، حضرت محمد مصطفےٰ، مہیش، حضرت آدمؑ، شکتی، دادی حوا ہیں۔ اور اس کلجگ کا اتھرو وید قرآن شریف ہے اور جگت گرو حضرت محمد مصطفےٰ صلعم ہیں +

ابتدائے آفرینش سے حضرت علیؑ کا نور اولاد در اولاد منتقل ہوتے ہوتے ہز ہائینس آغا خاں میں حلول کر گیا ہے اور اس طرح تا قیامت ہوتا رہے گا اور باپ کے بعد بیٹا امام ہوگا +

آغا خاں اور ان کے بزرگوں کے پاس حضرت علیؑ کے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک قرآن شریف اور دوسری کئی چیزیں ہیں جو ظاہر میں نہیں رکھی جاتیں صرف امامت کی نشانی کے طور پر ہیں +

ہندوستان میں سب سے اوّل داعی نورالدین دست گور نوا آئے جن کا مزار نوساری میں ہے۔ داعی پیر صدرالدین جن کا مزار اوچ میں ہے۔ پیر حسن کبیر جنکا مزار بہاولپور میں ہے۔ پیر شمس تبریز جن کا مزار ملتان میں ہے اور پیر تاج دین جن کا مزار سندھ میں ہے۔

آغا خاں کے لڑکے کا نام آغا علی شاہ ہے جن کا ابھی یورپ میں ختنہ کیا گیا ہے اور بتلائے ہوئے جتنے اوتار ہیں انکو حضرت علیؑ کے برابر سمجھتے ہیں کیونکہ وہ جامع علی تھے۔

یہ نوری سلسلہ ابتدائے دنیا سے ہے اور قیامت تک جاری رہیگا اسکی فرمانبرداری کرنا ہمارا دین و ایمان ہے۔

حضرت علیؑ کو امام اور اس سے بھی آگے بڑھکر سمجھتے ہیں سب میں وہی ایک نور جلوہ گر ہوا اور ہوتا رہیگا صرف جدا جدا مقامات پر الگ الگ لباس میں نمودار ہوا۔ اس طرح حضرت محمد مصطفےٰ صلعم بھی ایک پاک نور تھے جو علیحدہ علیحدہ مقامات پر بشری خیالات کی اصلاح کے لیے مقرر ہوئے اور جدا جدا زمانہ میں مگر اب تک جتنے پیام لائے گئے وہ سب سنت اللہ کہلاتے ہیں ان تمام پیاموں کا اصول ایک ہی ہے۔

جب حضرت علیؑ کا نور روشنی بنکر جلوہ افروز ہوا تب حضرت محمد صلعم کا نور بھی ساتھ ہوکر نمودار ہوا۔ اور جب حضرت علیؑ کا نور امام ہوکر ظاہر ہوا تب حضرت محمد صلعم کا نور وجود رسول بنکر ظاہر ہوا۔

جب حضرت امام سام تھے	تب	پیغمبر حضرت نوح تھے	اس طرح ہر زمانہ میں
جب امام حضرت ہارون تھے	تب	پیغمبر حضرت موسیٰ تھے	علی اور محمد ساتھ رہکر
جب امام حضرت خزیمہ تھے اور بعد میں شمعون صفا تھے	تب	پیغمبر حضرت عیسیٰ تھے	بشری خیالات کی

جب امام حضرت علی بنکر وہ نور جلوہ گر ہوا } تب { جدا جدا وقت پر پیغمبر ہوکر آئینلام اصلاح کرتے رہے ہیں۔
نور محمد صلعم ہوکر ظاہر ہوا

ہمارا مذہب علم فلسفہ کے اصول پر قائم ہوا ہے۔ مرشد سے اسم اعظم سیکھ کر وصال حق اور عشق حقیقی کی تمنا میں ہمیشہ مست رہکر عاشق مولا بنے رہتے ہیں یعنی عبادت کی علٰحدہ علٰحدہ ترکیبیں کامل مرشد سے سیکھکر اپنی ذات میں فنا ہو جاتے ہیں +

آواگون یعنی تناسخ کے بارے میں ہمارے مذہب میں عقائد یہ ہیں کہ انسان اگر مومن مرتا ہے تو وہ ذات حق میں واصل ہو جاتا ہے اور جو کافر مرتا ہے وہ دوزخ میں جاتا ہے اور جو نہ ایماندار ہو نہ کافر ہو وہ پھر سے دنیا میں بھیجے جاتے ہیں اور جب وہ ایماندار یا کافر ہوکر مرے تب ہی اسکا دنیا میں آنا بند ہو جاتا ہے +

ہماری عبادت روزانہ تین وقت پر معین ہے اول آفتاب طلوع ہونے سے پیشتر پھر آفتاب غروب ہونے کے بعد اور اخیر میں پہر رات گذرنے کے بعد یہ عبادت صرف ہندوستان والوں کے لیے ہے دوسرے ملکوں میں جداگانہ طور سے ہے بہر حال خدائے پاک نے اپنے قرآن کریم میں جو وقت مقرر کیے ہیں وہ وقت ہمارے ہادی پیر صدرالدین کی طرف سے بخشش ملے ہیں چونکہ بیت المقدس اور کعبہ دبیت اللہ کے معنی گھر کے ہوتے ہیں اس لئے ہماری عبادت گاہ کو خانہ کہا جاتا ہے فارسی میں خانہ سے مراد گھر ہے +

امام کا غائب رہنا یا مستور ہونا ہم عیب سمجھتے ہیں کیونکہ تا قیامت امام کی موجودگی دنیا میں لازمی طور سے ہے تاکہ مومنوں کو ہدایت ہوا کرے +

ہر وقت خدا کی یاد کرنا یہ ہمارا سب سے اعلٰی اصول مذہب ہے کیونکہ جو دم بغیر اللہ کی یاد کے نکلتا ہے وہ حرام اور مردار ہے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ امام وقت کے

سپرد کی جائے تاکہ وہ جس طرح چاہیں خرچ کریں۔

مرنا جینا دُکھ سُکھ کوئی چیز نہیں صرف اعمال کا نتیجہ ہے انسان جب ان اعمال سے جدا ہو جاتا ہے اور دنیوی ہوس جب اس کے دل سے دور ہو جاتی ہے اور وہ فنا یعنی بیخود ہو جاتا ہے تب وہ بقا یعنی خدا کو حاصل کر لیتا ہے۔

نزاریوں کی دعوت اسلام کے گذشتہ کام

ایران و ترکستان و افریقہ و شام وغیرہ میں نزاریوں نے اشاعت اسلام اور اپنے خاص عقائد کی تبلیغ میں بڑی جدوجہد اور جانفشانی سے کام لیا۔ اور جیسا کہ ایک آغا خانی داعی کے جواب سے ابھی معلوم ہوا ان کی جماعت کے لوگ ایشیا کے اکثر حصوں میں بکثرت موجود ہیں۔ مگر ہندوستان میں ان کی دعوت نے نئی صورت اختیار کی تھی۔ ان کے داعی بڑے بڑے عالم فاضل اور ہندوستانی اقوام کے عقائد و مراسم سے واقف تھے۔ سندھ۔ گجرات۔ کاٹھیاواڑ اور پنجاب وغیرہ میں انہوں نے اپنی دعوت کے مرکز بنائے تھے۔ اور ہر مقام اور ہر قوم کے خیالات کے موافق اسلام کی دعوت کی جاتی تھی۔

پیر امام الدین جن سے امام شاہی ست پنتھ جاری ہوا۔ اور پیر نور الدین نور ست گرو بھی نزاریوں کے داعی تھے مگر غالباً انہوں نے خود مختارانہ کام مناسب سمجھا اور نزاری امام سے آزاد ہو کر اپنا گروہ علیحدہ قایم کر لیا اور اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ وہ خود بھی نزار کی اولاد میں تھے۔ دوسرے داعیوں کی طرح غیر نسل کے نہ تھے۔

ہندوستان میں جس قدر نزاری یعنے آغا خانی خوجے موجود ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنکو پیر صدر الدین اور پیر کبیر الدین اور پیر شمس الدین نے مسلمان کیا۔

انکے داعی کئی قسم کے ہوتے تھے ایک تو درویشانہ لباس میں بھجن گاتے پھرتے

تھے۔ ان میں سے بعض اوتار کے مسئلہ کو نظم میں گا کر سناتے تھے اور بعض نثر میں زبانی سمجھاتے تھے۔ ان کا دارومدار اکثر اس پر ہوتا تھا کہ کل جگ کے آنے والے اوتار کی خبر دیں کہ وہ حضرت علیؓ اور حضرت محمدؐ تھے۔

ہندو اقوام ہر جگہ کل جگ کے کلنکی اوتار کے انتظار میں تھیں انہوں نے اس عقیدہ کو جلدی قبول کر لیا۔

دوسرے داعی وہ تھے جو دسوندھ (عشر یعنے آمدنی کا دسواں حصہ) امام کے لئے وصول کرتے تھے۔ انکو آجکل کا مڑیہ کہا جاتا ہے اب بھی یہ داعی موجود ہیں۔ مگر پہلی قسم کے داعی اب کم ہو گئے ہیں۔

نذر نیاز زکوٰۃ اور دسواں حصہ ایک وقت مقررہ پر وصول کیا جاتا تھا۔ اور وصول کیا جاتا ہے۔ اگر وقت مقررہ پر کوئی کا مڑیہ نہ پہنچ سکے تو یہ رقم دریا یا کنوئیں میں ڈال دی جاتی ہے۔ اور خوجوں کا عقیدہ ہے کہ فرشتے اسکو امام تک پہنچا دیتے ہیں۔ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ دریا میں ڈالے ہوئے روپے کی رسید بھی امام نے ہم کو بھیجدی۔

داعیوں نے شروع میں جب ان لوگوں کو مسلمان کیا تو کہدیا کہ اپنے عقیدہ کو مخفی رکھو اور ان کو گپتی کا لقب دیا۔ مگر رفتہ رفتہ جب پختہ ہو گئے تو پرگھٹی یعنے ظاہر کا لقب مل گیا جب تک یہ گپتی رہتے تھے لباس اور تمام معاشرت غیر مسلموں کی رکھتے تھے۔ اور چپکے تمام مراسم مذہب جدید کی ادا کرتے تھے مگر پرگھٹی ہونیکے بعد کھلم کھلا نماز روزہ و دیگر مراسم خاص ادا کرنیکی اجازت ملجاتی تھی۔ جدید تحقیقات کی بموجب آغاخانی گپتیوں کی تعداد ہندوستان میں لاکھ سے زیادہ ہے اور پرگھٹی اس سے کچھ کم ہیں۔

نزاریوں کی دعوت اسلام کے موجودہ کام

ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ نزاریوں کے بہت سے داعی ہندوستان میں آئے تھے۔

جن میں پیر شمس الدین تبریزی بھی تھے شمس تبریز بھی انکو کہا جاتا ہے اور طرح طرح کی عجیب کرامتیں مشہور ہیں۔ ملتان میں ان کا مزار ہے عوام انکو غلطی سے حضرت مولانا رومی کا مرشد تصور کرتے ہیں مگر درحقیقت نزاریوں کے داعی تھے مولانا روم کے پیر نہ تھے۔ انہوں نے لاکھوں کمہاروں اور سناروں کو مسلمان کیا تھا جو صوبہ سرحد اور پنجاب میں ابتک موجود ہیں۔ اور شمسی ہندو کہلاتے ہیں پہلے ان کے نام ہندوؤں کے سے تھے مگر چند سال ہوئے آریہ سماج نے پھر انکو ہندو بنانے کی کوشش شروع کی تو سر آغا خاں نے اپنے پنجابی داعیوں کو حکم دیدیا کہ ان لوگوں کے نام اسلامی رکھدئے جائیں اور ان کو پورا مسلمان کر لیا جائے اور جو شخص اس میں تامل کرے اسکو جماعت میں نہ رکھا جائے۔

اس حکم کے حاصل ہوتے ہی ان تمام ہندوؤں نے اپنے نام مسلمانوں کی طرح رکھ لئے اور مسلمان ہو گئے۔ اور اخبارات میں اسکا اعلان کر دیا اور آریہ سماج کی کوشش بالکل بیکار رہ گئی۔

بمبئی اور کالکتہ میں بڑے بڑے لایق آغاخانی داعی اشاعت اسلام کی سعی میں مصروف ہیں اور روزانہ ہزاروں ہندو ان جلسوں میں شریک ہوتے ہیں جو حاضر امام سر آغا خاں کی طرف سے دعوت اسلام کے لئے کیے جاتے ہیں میں خود ان مجالس میں شریک ہوا ہوں۔ اور جب میں نے انکی سرگرمی اور سچی کوشش کا تماشہ دیکھا تو مجکو سنی داعیوں کے بے اثر طریق دعوت اسلام کا خیال کرنے سے غیرت آنے لگی کہ ہم نے اسلام کے حکم دعوت اسلام کی حکمت کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور یہ لوگ باوجود اس کے کہ ہم سنی انکو انکے عقائد کے سبب خاطر میں نہیں لاتے کیسی حکمت عملی اور عقلمندی کے ساتھ اسلامی صداقت کو پھیلانے میں مستغرق نظر آتے ہیں۔

اس کے ساتھ مجکو مستعلی جماعت یعنے بوہرہ فرقہ کی حالت پر بھی حسرت ہوئی کہ ایک

زمانہ تو وہ تھا کہ ان کے بزرگوں نے نزار کو شکست دی اور قید کر لیا۔ اور سلطنت پر قابض ہوگئے اور ایک زمانہ یہ ہے کہ ان کے داعی مقدمہ بازی میں مصروف ہیں اور دعوت اسلام کے حقوق و فرائض کو انہوں نے طاق میں رکھدیا ہے۔ اور انکے حریف نزار کی جماعت ایک طرف تو دنیا کے اقتدار میں اتنی بڑھ گئی ہے کہ ان کے امام شاہان یورپ کے برابر ہمسرانہ نشست کرتے ہیں اور دوسری طرف دینی خدمات کا یہ عالم ہے کہ جوق جوق غیر مسلم ان کی دعوت حکیمانہ سے اثر اسلام میں شریک ہو رہے ہیں"

میں مشائخ صوفیہ کی موجودہ حالت پر بھی اشک تاسف بہاتا ہوں جب کہ انکو اپنے بزرگان قدیم کے مسلک دعوت اسلام سے بے خبر اور بے پروا دیکھتا ہوں۔ اور نزاری گروہ کی ہمت پر مجکو رشک آنے لگتا ہے +

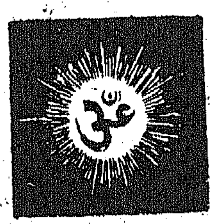
آغا خانی داعی ہندو فرقوں کو ان کے مسلمہ عقائد کے ہم شکل طریقہ سے حق کا راستہ بتلاتے ہیں۔ میں نے ایک جلسہ میں دیکھا کہ بہت سے ہندو سینہ پہ ایک تمغہ لگائے بیٹھے تھے۔ جس پہ اوھم لکھا ہوا تھا۔ آغا خانی داعیوں نے آجکل چند رسالے شایع کیے ہیں جن میں لکھا ہے کہ خط کوفی میں جس طرح علی لکھا جاتا ہے سنسکرت طرز تحریر میں اوھم کی بھی وہی صورت ہے۔ اس لئے علی اوھم ہیں۔ اور اوھم علی ہے۔ میں نے اس کتاب میں اوھم کی تصویر دی ہے جو آغا خانی رسائل سے نقل کی گئی ہے +

ان کے ایک داعی نے مجھ سے کہا کہ قرآن شریف میں بھی خدا نے فرمایا ہے کہ علی اُوھم ہیں۔ میں نے متعجب ہو کر پوچھا وہ آیت کونسی ہے تو اسنے کہا قرآن میں ہے

وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ +

ترجمہ : اور تحقیق وہ ام الکتاب میں ہمارے نزدیک البتہ علی ہیں حکمت والے۔

اُس "اوم" کی تصویر جو علی کی صورت میں مانا گیا اور جو
آج کل اکثر آغا خانی کتب میں شائع ہوتا ہے اور اُس
کے تمغے سینوں پر لگائے جاتے ہیں۔



آغا خانی داعی نے کہا کہ الم الکتاب
کی قرأت اُوم الکتاب بھی ہو سکتی ہے۔ اور خدا نے فرمادیا کہ حکمت والے علی خدا
کے نزدیک اوم الکتاب ہیں۔ عربی میں اُم کے معنی والدہ کے ہیں اور سنسکرت میں اوم
تمام علوم اور کل کائنات کا مرکزی نقطہ ہے۔ اور ہر موجود کی جڑ بنیاد ہے۔
پس خدا کا یہ فرمانا کہ علی ہمارے نزدیک کتاب یعنی علوم ظاہر و باطن کی اُم ہیں ثابت
کرتا ہے کہ سنسکرت تلفظ کی بموجب یہ اُم اوم کا ہم معنی ہے۔

اہل سنت جانتے ہیں کہ لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ کے کیا معنی ان کے ہاں ہیں مگر آغا خانی
داعیوں کے طرز دعوت کا حال اس سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔

اوپر ذکر ہوا ہے کہ آغا خانی حضرت علی کو وشنو اور حضرت رسول خدا کو برہما
کہتے ہیں۔ اس کی نسبت میں نے ایک آغا خانی داعی سے سوال کیا تو اس نے مجھکو صوفی
مشرب دیکھکر جواب دیا۔ مولانا روم نے اپنی مثنوی بھی وشنو کے نام سے شروع کی ہے
چنانچہ وہ کہتے ہیں بشنو از نے چوں حکایت میکند۔ وشنو کو کثرت استعمال کے وقت
ہندو بھی بشنو کہنے لگتے ہیں اسلئے فارسی میں وشنو کی جگہ بشنو لکھا گیا۔ ورنہ مولانا روم نے

یہی فرمایا ہے کہ وشنو (علی) (وجود انسان) سے کیا حکایت بیان کرتا ہے +

مہاتما گاندہی کی مداخلت۔ آغاخانیوں کی دعوت کچہ خفیہ اور پوشیدہ نہیں رہی ہے۔ اب وہ کھلم کھلا سب کام کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ابہی حال میں چند آریہ سماجیوں نے مہاتما گاندہی سے شکایت کی کہ ہندو آغاخاں کی پارٹی میں بکثرت شریک ہوتے جاتے ہیں۔ آپ انکو نصیحت کیجے۔ مہاتما گاندہی اسوقت بمبئی میں تھے انہوں نے ان ہندوؤں کو بلایا جو آغاخاں کے اثر میں آگئے تھے اور ان کو نصیحت کی کہ تم اپنی قوم سے باہر نہ جاؤ۔ میں تمہارے عقائد میں دخل نہیں دیتا مگر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہندو مذہب بہت اچھا ہے۔ اور اس کی قومیت سے باہر نکلنا تمکو زیبا نہیں ہے +

آغاخانی ہندوؤں نے مہاتماجی کو جواب دیا کہ ہم اپنی قوم سے باہر نہیں گئے ہیں بلکہ ہندو دہرم کے اصلی گھر میں پہنچے ہیں۔ آپ کو بہی اس سچے ہندو گھر میں آجانا چاہیے کیونکہ جو جوت رام۔ کرشن۔ وشنو۔ برہما وغیرہ میں تھی وہی آغاخاں ظاہر امام میں ہم کو مل گئی ہے۔ اب ہم نور سے خالی مورتوں والے گھر میں کیوں رہیں اس گھر میں کیوں نہ آئیں جو ہندوؤں کے زندہ نور کا اور موجود و سلامت نور کا گھر ہے +

یہ جواب سنکر مہاتماجی اور سب آریہ سماجی خاموش ہو گئے اور کچہ جواب اس کا نہ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو ہندو آغاخانی نہ تہے۔ وہ بہی اس حجت بازی کو سنکر آغاخانی ہو گئے +

آغاخانی جماعت کا نام عام طور سے خوجے مشہور ہے۔ ایک خوجے داعی نے کہا کہ چونکہ ہم سچے دہرم کا کھوج لگانے والے لوگ ہیں اس واسطے ہمارا نام کہوجا مشہور ہو گیا +

مستعلی مستور اور پوشیدہ امام کو مانتے ہیں اور نزاری ظاہر امام پر عقیدہ رکھتے ہیں اور دلیل میں قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں جس میں امام مبین (امام ظاہر) کا لفظ آیا ہے

بوستان خیال قصہ کی ایک مشہور کتاب ہے۔ ڈیڑھ فٹ طویل اور ایک فٹ عریض تقطیع کی نو جلدیں اس قصہ کی ہیں۔ اور سات ہزار نو سو نواسی صفحوں میں یہ قصہ ختم ہوا ہے۔ اس قصہ کے مصنف بھی غالباً اسمٰعیلی ہونگے کیونکہ اس میں مہدی معز قایم وغیرہ فاطمی خلفا کے حالات ہیں۔ اور مصنف تمام علوم مشہورہ کا فاضل معلوم ہوتا ہے۔ اور غرض اس قصہ نویسی کی یہی ہے کہ خلافت اسمٰعیلی خلفا کی عظمت سے متاثر ہو۔

نزاریوں کی دعوت پر ایک نظر

نزاریوں کی دعوت اسلام نے اگرچہ مسلمانوں کی تعداد کو ترقی دی۔ اور دن بدن اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مگر موجودہ آغا خان سے پہلے یہ جماعت مسلم قومیت سے بالکل ایک علیحدہ چیز سمجھی جاتی تھی خصوصاً اس کے عقائد اسلام کی صفائی و سادگی سے اس قدر اجنبی معلوم ہوتے تھے کہ ایک راسخ الاعتقاد مسلمان اس فرقہ کی شرکت اسلام سے کچھ زیادہ مسرت اپنے دل میں محسوس نہ کر سکتا تھا۔

مگر موجودہ حاضر امام سر آغا خان نے مسلم یونیورسٹی اور علی گڈھ کالج اور دیگر عمومی اسلامی تحریکات میں پرجوش حصہ لیکر اپنی جماعت کو مسلمانوں سے وابستہ کر دیا اور اب پہلے کی طرح اجنبیت باقی نہیں ہے اور خوجے بھی اپنے آپکو مسلم اور مسلم حقوق میں برابر کا ساجھی تصور کرتے ہیں۔

آریہ سماج کی مخالفت سے اس فرقہ میں ایک نئی قسم کی زندگی پیدا ہو گئی ہے اور وہ پہلے کی بہ نسبت اسلامی اخوت کے بہت قریب آ گئے ہیں۔ آغا خان نے ان کی مضبوطی اور صداقت پر بھروسہ کر کے صاف صاف کہدیا ہے کہ اب گپتی رہنے یا اپنے عقائد کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے تم کو مسلمان ہو جانا اور اسلامی

نام رکھنا اور مسلمانوں کے شریک حال بننا چاہیے۔ چنانچہ وہ جوق جوق اسلام کی طرف آ رہے ہیں +

ایک مقدمہ کی بنا پر جو سر آغا خاں کی خانگی نقیض سے پیدا ہوا تھا خوجوں کے مخالف بیان کرتے ہیں کہ یہ فرقہ قرآن کا مخالف ہے اور قرآن کو کتاب الٰہی تسلیم نہیں کرتا مگر معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ کے بیانات قانونی جوابات تھے۔ انکو نزاریوں کے عقائد سے بہت کم تعلق تھا۔ ورنہ وہ قرآن کے قائل ہیں۔ اور اس سے سند لیتے ہیں جیسے کہ ابھی میں نے چند مثالیں بیان کی ہیں +

یہ بیان کہ وہ حضرت علی اور آغا خاں کو خدا کہتے ہیں ایک اعتبار سے بالکل غلط ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بعض یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ مگر درحقیقت جمہوری رائے یہ نہیں ہے۔ وہ حضرت علی اور آغا خاں میں انوار الٰہی کے ظہور کو بے شک مانتے ہیں مگر خدا کی ذات کو ایک جداگانہ ہستی اور یکتا وجود تسلیم کرتے ہیں۔ اور جب ان میں علم کی اشاعت ہوتی ہے تو وہ اپنے اماموں کی دعوت کے اصلی مطلب کو سمجھکر سچے موحد بنجاتے ہیں +

افسوس اسکا ہے کہ موجودہ آغا خاں کو ہندوستان میں قیام کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اور نہ وہ ان تبلیغی تحریکوں میں زیادہ دلچسپی سے حصہ لیتے ہیں جو انکی جماعت کے داعی پھیلا رہے ہیں۔ ممکن ہے آخر عمر میں اس طرف متوجہ ہوں۔ یا ان کا جانشین اس کام کو مستعدی سے انجام دے +

اس وقت ان کی والدہ اپنی جماعت کے کاموں کی روح رواں ہیں اور ان کی غیر معمولی روحانیت اور کمالات باطن کی روایات خوجوں میں مشہور ہیں +

آغا خاں اگر اسکو سمجھیں کہ یورپ میں رہنے اور شاہان یورپ کے ساتھ بسر اوقات کرنے کا وقت ختم ہو گیا اب انکو اپنے بزرگوں کے قدیمی کام کو زندہ کرنا چاہیے تو

چند روز میں ان کی جماعت اپنے لئے اور مسلمانوں کے واسطے ایک مفید جماعت بن سکتی ہے ۔

آغا خاں کی موجودہ عزت محض اس وجہ سے ہے کہ وہ ایک بڑی جماعت کے پیشوا ہیں پس انکو اپنے اعزاز کی بنیادی چیز کا فراموش کرنا مناسب نہیں ہے ۔

بعض لوگ آغا خانی جماعت سے علحدہ ہو کر اثنا عشری اور سُنی بھی ہو گئے ہیں اور ان میں غیر معمولی جوش اپنے جدید عقائد کا پایا جاتا ہے ۔

اسی طرح مستعلی فرقہ میں سے بھی لاکھوں آدمی سُنی ہو گئے ہیں جو آجکل سُنی بوہرے کہلاتے ہیں۔ انکو سید جعفر شیرازی نامی ایک صوفی درویش نے سُنی بنایا تھا۔ جن کا مزار احمد آباد گجرات میں ہے ۔

پیر امام شاہ کی دعوت اسلام

یہ نزاری اور اسمٰعیلی داعی تھے۔ احمد آباد کے قریب پیرانہ نامی ایک مقام پر انھوں نے اپنی دعوت کا مرکز بنایا تھا۔ ان کی جماعت امام شاہی اور ست پنتھی کہلاتی ہے۔ اس میں تین لاکھ کے قریب گپتی اور پرگھٹی بیان کیے جاتے ہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ یہ تعداد مبالغہ آمیز ہے۔ تاہم گجرات و کاٹھیاواڑ میں اس فرقہ کے لوگ بکثرت موجود ہیں میں نے پیرانہ کو خود جاکر دیکھا تھا۔ وہاں ایک بہت شاندار درگاہ بنی ہوئی ہے سید امام شاہ کے مزار پر رات دن ایک چراغ جلتا رہتا ہے۔ کتاب ست وینی جو اس فرقہ کی بہت مشہور کتاب ہے مزار کے پاس رکھی ہے۔ اور بڑے بڑے مکانات مسافروں کے قیام کے لئے بنے ہوئے ہیں یہاں کا منتظم ہندو شکل کا ایک شخص ہے۔ جس کا لباس اور نام سب ہندوانہ ہے اسکو کاکا

کہتے ہیں۔ اسی کے پاس درگاہ کی اور مریدوں کی سب آمدنی آتی ہے۔ اسی کے نائب علاقوں میں جاکر مریدوں کی آمدنی کا دسواں حصہ اور نذر نیاز وصول کرتے ہیں (کاکا باطن میں مسلمان ہے)۔

آمدنی کا ایک حصہ تو وصول کرنے والوں میں خرچ ہوتا ہے اور ایک حصہ درگاہ کے خرچ اور عظیم الشان مہمانداری اور مسافر نوازی کے کام آتا ہے۔ اور ایک حصہ سید امام شاہ کی اولاد کو دیا جاتا ہے جو پیرانہ اور احمد آباد میں آباد ہے۔ ہر سید کو ایک مقررہ رقم جیب خرچ کے لئے اور سال بھر کا غلہ اور کپڑا دیا جاتا ہے اور جب کسی کی شادی ہوتی ہے تو اس کے لئے بھی ایک مقررہ رقم کاکا ادا کرتا ہے۔

اس کے سوا سید امام شاہ کی اولاد کو اور کچھ اختیار نہیں ہے۔ سب امور کاکا کے قبضہ میں ہیں۔ اور قدیم سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے تاہم اگر سادات امام شاہی میں سے کوئی شخص مریدوں میں چلا جائے تو اس کی بڑی عزت کی جاتی ہے اور اسکو نذر نیاز میں بہت کچھ مل جاتا ہے۔

اس جماعت میں ادنےٰ قوموں کے آدمی بہت زیادہ ہیں۔ تیلی۔ گڈریہ۔ کمہار دھنیہ، کنجڑے وغیرہ بہت کثرت سے ست پنتھی پائے جاتے ہیں۔ بنئے بھی بڑی تعداد میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ راجپوت بھی ہیں۔ ڈھیڑ بھی ہیں کنبی کسان بہت کثرت سے ہیں ان میں گپتی بہت زیادہ ہیں۔ اور یہ گپتی بھی اب بہت ہوتے جاتے ہیں کنبی کو مشت ناشست کرنا بالکل ناممکن ہے وہ اپنے عقائد کو اس قدر پوشیدہ رکھتا ہے کہ اس کے گھر کے آدمی بھی نہیں پہچان سکتے۔ پھر گپتی پنتھ ظاہر ہونے کے بعد ان کو مومن کا لقب مل جاتا ہے۔ اور یہ شیعہ عقائد کے نمازی مسلمان بنجاتے ہیں میں نے صدہا گپتی امام شاہی دیکھے ہیں جو جامع مسجد احمد آباد میں نماز کے لئے آئے تھے۔ اگرچہ شیعہ جماعت اور جمعہ کے پابند نہیں ہیں مگر یہ لوگ بعض اوقات جمعہ کی نماز سنیوں

کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں +

حضرت امام شاہ کی تعلیم اسمٰعیلی عقائد سے یہ امتیاز خاص رکھتی ہے کہ انکے ہاں تصوف کی شان غالب ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ کوہساری کی جماعت کے پیشوا نے جو جوابات میرے سوالات کے لکھے ہیں اور جن کو میں آگے جاکر نقل کروں گا۔ ان میں صاف صاف اقرار کیا گیا ہے کہ سید امام شاہ تصوف کی تبلیغ کرتے تھے +

ابتدا میں جب سید امام شاہ صاحب تشریف لائے تو ان کی دعوت اس طرح شروع ہوئی کہ ان کی قیام گاہ کے سامنے سے ہندوؤں کا ایک بڑا قافلہ جارہا تھا۔ انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ تم کہاں جاتے ہو۔ وہ بولے بنارس کاشی کا تیرتھ کرنے جاتے ہیں +

سید صاحب نے فرمایا اگر کاشی کا تیرتھ یہیں آجائے تو تم پھر بھی کاشی جانے کی تکلیف اٹھاؤ گے؟ ان لوگوں نے حیرت سے جواب دیا کہ کاشی کا تیرتھ یہاں کیونکر آسکتا ہے۔ سید صاحب نے فرمایا آج تم لوگ میری مہمانی قبول کرو اور یہاں رات کو رہو صبح کو اسکا جواب تم کو دیا جائے گا +

قافلہ ٹھہر گیا۔ اور سید صاحب نے ان کی دعوت کی۔ رات کو ہر شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ کاشی کے تیرتھ میں ہے اور اس نے تیرتھ کی سب رسمیں ادا کیں ہیں صبح بیدار ہونے کے بعد ہر ایک نے دوسرے سے اپنا خواب بیان کیا۔ اور وہ سب حیران ہوگئے کہ ہزاروں آدمیوں نے یکساں خواب کیونکر دیکھا۔ آخر وہ سید صاحب کے پاس گئے اور سید صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہو تمہارے پاس کاشی کا تیرتھ آیا یا نہیں۔ وہ سب یہ فقرہ سنکر سید صاحب کے قدموں میں گر پڑے اور کہا۔ ہم نے سب کچھ یہیں پالیا۔ ہم کو اپنا چیلا بنا لیجئے +

اس کے بعد سید صاحب نے اپنے عقائد اور اسلام کی تعلیم ان کے سامنے بیان فرمائی اور وہ سب مسلمان ہوگئے۔ اور انہی میں سے چند لائق اور سمجھدار آدمیوں کو سید صاحب نے تعلیم سے مکمل کرکے اپنا داعی بنا دیا۔ جنہوں نے چند روز میں لاکھوں آدمیوں کو اپنا ہم عقیدہ بنالیا ؛

سید یاور علی شاہ صاحب سجادہ نشین درگاہ باقر علی شاہ ایک بزرگ احمد آباد گجرات میں موجود ہیں۔ محرم سنہ ۱۳۳۸ھ میں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ نویں تاریخ تھی۔ اور میں انکے ہاں کے مراسم محرم دیکھنے گیا تھا۔ وہاں علم رکھے ہوئے تھے جن پر سفید کپڑے کے پھریرے تھے۔ اور بکثرت ہندو گڈریے انکے گرد جمع تھے۔ اور سید صاحب انکے وسط میں بیٹھے ہوئے تلقین فرما رہے تھے۔ اگر کوئی نئے زمانہ کا آدمی گڈریوں کی نشست کو دیکھتا جو جنگلی آدمیوں کی طرح بیٹھے تھے تو وہ گھبرا جاتا اور اسکو تعجب ہوتا کہ سید صاحب جیسا شائستہ اور مہذب آدمی کیونکر ان وحشیوں میں بیٹھا ہے۔ مگر سید صاحب کمال اخلاق و محبت سے انکو مخاطب کرکے تعلیم کر رہے تھے۔ اور وہ بڑے بڑے سفید عمامے باندھے ہوئے پاؤں پھیلائے کچھ لیٹے کچھ بیٹھے کچھ متوجہ اور کچھ غیر متوجہ ان کی باتیں سن رہے تھے۔ اس وقت میں نے سمجھا کہ دعوت اسلام کا کام کس قدر مشکل ہے۔ اور انہی بنی فاطمہ کا یہ جگرا ہے جو وہ ایسے عجیب آدمیوں میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کی موٹی عقل کے موافق تلقین حق کا فرض ادا کر رہے ہیں ؛

صبح کو میں نے دیکھا کہ یہی گڈریے جوق جوق علم اٹھائے ہوئے جلوس کے ساتھ اپنے پیر کے قدم بقدم ادب سے چل رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان پیر صاحب نے اپنے جد کی دعوت کو زندہ کیا ہے اور ہزاروں غیر مسلم گڈریے ان کی کوشش سے دائرہ اسلام میں آرہے ہیں ؛

سفید پھریرے۔ یہ جملہ معترضہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اسمٰعیلی فرقہ کا نشان سفید رنگ ہے اور یہ عباسیوں کے سیاہ رنگ کے مقابلہ میں اختیار کیا گیا تھا چنانچہ بوہروں میں بھی سفید لباس قومی نشان سمجھا جاتا ہے۔ اور امام شاہی بھی سفید لباس ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ سید صاحب کے ہاں محرم کے علموں پر سفید پھریرے تھے۔ نزاریوں کی نسبت معلوم نہیں کہ وہ بھی سفید رنگ کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں +

نوساری کی جماعت کے سجادہ نشین سید پیارے میاں ہیں ان کے بھائی سید صدرالدین بہت ہونہار نوجوان ہیں انہی کے قلم سے یہ جواب تحریر ہوا ہے جو آگے درج کیا جاتا ہے +

میں نے نوساری کی درگاہ کو بھی خود جا کر دیکھا۔ وہاں بھی بڑی بڑی شاندار عمارات ہیں۔ اور پیر صاحب کے مزار پر رات دن چراغ روشن رہتا ہے +

سید صدرالدین کو دعوت اسلام کا بہت جوش ہے اور انہوں نے ہندو مذہب کی واقفیت اچھی طرح بہم پہنچائی ہے اور اس کے اصول کو اپنے اصول کے مطابق کر کے نظم و نثر میں لکھتے اور مریدوں کو سناتے ہیں۔ نیز دوسرے غیر مسلموں میں بھی اشاعت کرتے ہیں +

امام شاہی جماعت کے ابتدائی داعیوں نے بہت آہستگی سے کام کیا تھا شروع میں انہوں نے مردے کے دفن پر زور نہیں دیا۔ وہ کہتے تھے مردہ جلانا چاہئے مگر اس کی ایک انگلی پیر کے مزار کے پاس دفن کرنی ضروری ہے۔ چنانچہ میں نے پیرانہ وغیرہ میں بہت سی قبریں انگلیوں کی دیکھیں۔ مگر اب اس جماعت کے آدمی جلائے نہیں جاتے بلکہ مسلمانوں کی طرح دفن ہوتے ہیں۔ تعلیم یہ تھی کہ آگنی واہ کا زمانہ گیا۔ اور بھومی واہ کا زمانہ آگیا۔ اب مردے دفن کرنے ضروری ہیں +

جنیئو کی درگاہ پیرانہ میں ایک زیارت گاہ جنیئو کی ہے جہاں غیر مسلموں کے جنیئو مسلمان ہونے کے بعد اتارے جاتے تھے۔ اور یادگار کے طور پر ایک جگہ ان کو جمع کیا جاتا تھا۔

تعلیم یافتہ امام شاہی میں متعدد تعلیم یافتہ امام شاہیوں سے ملا اور انکے ان کے عقیدہ کی نسبت گفتگو ہوئی سب کو روشن خیال اور مستعد مسلمان پایا۔ ان میں ایک صاحب ولی محمد مومن ہیں جو بیگم صاحبہ والیہ ریاست ماناودر کاٹھیاواڑ کے پرائیویٹ سکرٹری ہیں۔ ایک دن میں نے انسے ظرافت کہا۔ تم کو سیدوں نے دھوکہ دیا کہ ہندو مذہب کو اسلام سے مطابق کرکے پیش کیا۔ حالانکہ اسلام اور ہندو مذہب میں زمین آسمان کا فرق ہے کیا تم کو علم حاصل ہونے کے بعد افسوس نہیں ہوتا کہ فریب سے ہم کو مسلمان کر لیا گیا۔

اس پر مومن صاحب نے جواب دیا۔ ہمارے ماں باپ سادات پر قربان ہو جائیں کہ انہوں نے ہم کو دوزخ سے بچا لیا اور گمراہی کے راستے سے ہٹا کر سیدھی راہ بتا دی یہ فریب نہ تھا بلکہ عین صداقت تھی اسلام اور سچے ہندو مذہب میں کچھ فرق نہیں ہے اور اب ہندو اوتاروں کی ہدایت کے موافق سب ہندوؤں کو اسلام قبول کر لینا چاہئے کہ ہم نے اسکو قبول کرکے دل کی اصلی لذت حاصل کر لی ہے۔ اور یقین ہے کہ آخرت بھی ہماری اچھی رہے گی۔ (سید صدرالدین صاحب کے مرسلہ جوابات یہ ہیں)

سوال سید امام شاہ صاحب اسمٰعیلی تھے؟

جواب آپکی تصنیف سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ اسمٰعیلی تھے یا نزاری تھے یا مستعلی۔ لیکن یہ پایا جاتا ہے کہ آپ صوفی تھے تبلیغ تصوف بذریعہ اپنی رقعہ اینڈ کے کرتے تھے۔

سوال کس زمانہ میں تھے؟

جواب آپ تاریخ ۲۸ ربیع الثانی سنہ ۸۵۶ھ میں بمقام اُچھ علاقہ پنجاب میں وارد ہوئے اور سنہ ۸۷۸ھ میں ملک گجرات میں تشریف لائے اور لوگوں کو ست پنتھ سے مشرف کرنے لگے۔ سنہ ۹۱۰ھ میں بتاریخ ۲۶ ماہ رمضان بمقام پیرانہ ضلع احمد آباد واصل بہ حق ہوئے۔ آپ نے اپنی زندگی میں جو مقبرہ بنوایا تھا اوس میں دفن کیے گئے۔

سوال۔ پیرانہ اور نوساری کے سلسلوں میں کیا فرق ہے؟

جواب امام شاہی جماعت والے بدیعہ کاکا ست پنتھ کے مطیع ہیں اور نوساری کی جماعت پیرستہ گور نو کے سجادہ نشین کے مطیع ہیں (ان سجادہ نشین کا نام سید پیارے میاں ہے۔ حسن نظامی)

سوال ستپنتی کتاب کس نے لکھی ہے۔

جواب پیر امام الدین صاحب کے خلف اکبر سید نور محمد شاہ صاحب کی لکھی ہوئی ہے۔

سوال امام شاہی عقائد کے اصول کیا ہیں۔

جواب بطریق تصوف مسلمانوں کے لئے بموجب اسلامی احکام کے ہندوؤں کے لئے بموجب ویدانت کے جیسا کہ ذیل میں درج ہے۔

مسلمانوں کے لئے

اللہ نے نعمت بھیجیاں اس دنیا کے بیچ۔ (اللہ نے اس دنیا میں نعمتیں بھیجیں)

روزہ نماز بندگی کلمو نیامت چیز۔ (روزہ نماز عبادت کلمہ یہ نعمتیں ہیں)

ہیتے پریتے من بھاوشوں اپنے جپو اللہ رسول (محبت کے ساتھ اللہ رسول کی یاد کرو)

کلمہ کہو دل سانچ سون تو کروڑ وگھن ہٹ جائے دو (اگر سچے دل سے کلمہ پڑھوگے تو کروڑ دقتیں دور ہونگی)

نبی سود اتا جیوکا اسے کلمہ کہیو پکار (نبی روح کا داتا ہے جس نے پکار کر کلمہ بتلایا)

جینے مانیا تے بہشتی ہوا باقی بھولیا موگمار (جس نے مان لیا وہ بہشتی ہوا اور بیوقوف بھولے بھٹکے)

(گور وانی شاستر نمبر ۱۹)

ہندو گپتی مریدوں کے لیے

ست گور صدر دین اُپدیش دیدھا پیر صدر الدین نے وعظ سُنایا

اُسنے نیتنتر پن دیکھا رٹیا برہم انہوں نے ہمکو گویا ہماری آنکھوں سے خدا دکھایا

نکلنکی نام نا اُسنے جاپ جپا ویا ہم کو نکلنکی (محمد) کے نام کا ورد کرایا

اُمیں بارٹیا پچھے شیشے کرم اس کی بدولت ہمارے گناہ جل گئے

ست نے سنتو کھے اُسنے جوگت کھیڈ ٹے سچ اور قناعت کے ساتھ کمال تصوف پہنچایا

توگ شینی بھبوت اُسنے آپی پرہیزگاری کی خاک (بھبوت) ہماری بدن پر لگائی

یوگ وانی شاستر نمبر (۵۴)

سوال. حلول یا اوتار میں امام شاہ صاحب کی کیا تلقین ہے +

جواب تے اولکھی نے دھاؤ آج رے تم پہچان کے آج دوڑو

مُرکھ لوگو نے آوے چھے لاج رے بیوقوفوں کو تو شرم آتی ہے

جی رے کرشن بولتا امرت وانی رے پہلے کرشن امرت بچن کہتے تھے

ہوے عربی بھاشا گیان تھی آنی رے اب عرب زبان عرفان کے ساتھ بولتے ہیں

جی رے کرشن چالتا تے تلک تانی رے پہلے کرشن چہرہ پر تلک لگاتے تھے

ہوے کلی ما ہے وو دھاری چھے داڑھی رے اب اس کلی کال میں داڑھی بڑھائی ہے

جی رے کرشن پہرتا پیتا مبر دھوتی رے پہلے کرشن دھوتی اور پیتامبر پہنتے تھے (کل جگ)

ہوے کلی ما ہے پہرے چھے کفنی ٹوپی رے اب اس کلی کال میں کفنی اور ٹوپی پہنی ہے

جی رے کرشن جمتا تے سوندرن تھالی رے پہلے کرشن سونے کے برتن میں کھاتے تھے

ہوے ماٹی نی سانک دھاری رے اب مٹی کا برتن اختیار کیا ہے

جی رے کرشن چالتا تے براہمن بھیش رے پہلے کرشن برہمن کے بھیس میں پھرتے تھے

ہوسے آدی بیٹھا تے عرب دیش رے — اب وہ عرب یہاں میں آ گئے

جی رے کرشن روپ تے جاپ جپا دیا رے — پہلے کرشن بنکے عبادت کروائی

ہوسے کلی ہے محمد نام بھنا دیا رے — اب اس کلی کال کیلئے محمد نام پڑھوایا

سوال تبلیغ کا سلسلہ اب بھی جاری ہے یا نہیں؟

جواب جاری ہے +

سوال اگر جاری ہے تو کس طریقہ سے؟

جواب پیروں نے اپنی کتابوں میں جو طریقہ بتلایا ہے اس طریقہ سے

(چونکہ وہ طریقے مخفی ہیں اس لئے ان کی تفصیل نہیں بتائی گئی حسن نظامی)

سوال گپتی اور پرگٹی میں کیا فرق ہے؟

جواب گپتی اپنی اصلی جماعت میں رہکر خفیہ ست پنتھ کے عقاید پر عمل کرتے ہیں اور پرگٹی (مومن) ظاہر ہو کر بموجب اصول ست پنتھ شریعت اسلام کی پیروی کرتے ہیں یہ دونو فرقے اپنے اصل پر قایم رہکر بھی ست پنتھی ہو سکتے ہیں کیونکہ پیران سلف نے ست پنتھ کے عقاید کو ایسی عمدگی سے تجویز کیا ہے کہ قرآن شریف کی ضروری اور خاص خاص سب باتیں اس میں موجود نظر آتی ہیں +

سوال۔ اندازاً امام شاہی گپتی اور پرگٹیوں کی تعداد کتنی ہے؟

جواب. گجرات میں قریباً دو لاکھ اور باقی ہندوستان میں تین لاکھ امام شاہی ہیں کل تعداد پانچ لاکھ کی ہے۔ برہان پور وغیرہ میں بھی یہی طریقہ ہے پیر امام الدین صاحب کے پوتے سعید الدین عرف سید خاں کی اولاد میں جو سادات نوساری۔ برہانپور۔ اور احمد آباد میں ہیں وہ سب سجادہ نشین ہیں اور انکے ذریعہ سے اب تک سلسلہ تبلیغ جاری ہے +

سوال سید امام الدین صاحب کے ہاتھ سے لکھی ہوئی کوئی چیز کہیں موجود

ہے یا نہیں؟

جواب آپ کی لکھی ہوئی بہت سی چیزیں موجود ہیں مثلاً گوروانی اور یوگ وانی۔

سوال۔ کیا ست پنتھ میں سے اور بھی پنتھ نکلے ہیں۔

جواب۔ ست پنتھ کے داعیوں نے نانک پنتھ۔ معراج پنتھ۔ کبیر پنتھ وغیرہ ایجاد کیے ہیں۔ اور لاکھوں آدمیوں کو اس میں شامل کر لیا ہے۔

سوال آغا خانیوں اور ست پنتھیوں میں کیا فرق ہے؟

جواب جو عقائد ست پنتھیوں کے ہیں وہی آغا خانیوں کے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آغا خانی۔ آغا خاں کو حاضر امام سمجھتے ہیں اور ست پنتھی اپنے مرشد کو پیشوا سمجھتے ہیں۔

ستوینی کی چند سطریں

پہلا سرجن ہار دکھاؤ۔	اول خدا کی تعریف کرو
ہری نام جپتا شک نہ آنو	خدا کے نام کے ذکر میں شک نہ لاؤ
جس تھی نہ رہے دوجا پھیر	جس سے دوسرا جنم لینا نہ پڑے
جو سمجھو تو بہت بہتیرا	یہ بات تم بہت ہی افضل سمجھو
دیکھو ست نبی کا ساچا	نبی صاحب کی سچائی پر غور کرو
جیسی کرنی تیسی واچا	جیسا آپ کے اعمال ویسا آپ کا کلام
جیبھلیا آنکھو سرجن بھاوا	زبان سے خدا کا اقرار کرو
ساچا تھا سو تو کیرٹے دھاوا	سچا تھا وہ ان کی راہ چلا
جگ سار لیجئے جو ٹھا کری جانا	دنیا کو جس نے جو ٹھا جانا

سو آپنے سوری جن ساتھ سدلا	وہی خدا سے واصل ہوا
رہے تو ہی ساچا سائیاں پیو جی	تو ہی سچا پیارا خدا ہے
ساچا تھا سو ساچ سوں کھیل	جو سچا تھا وہ معرفت کے میدان میں
گیان میدان رہے	سچائی کے ساتھ کھیلا
کوڑے شاہ نہ پایا	خدا ساہ باطن والے کو نہیں ملتا
سو پھوکٹ پھرے نادان رہے	وہ نادان ناحق چکر لگاتا ہے
ست کی باتاں جن نے ساچی جانی	سچ باتوں پر جو یقین لایا
غیر سو آپ نے دل نہ آنی	دوسری باتیں اپنے دل میں نہ لایا
اور ہدایت دعوے لاگا	اور ہدایتوں کو جس نے سچا مانا
غفلت دھوکے چوب نہ جاگا	غفلت اور دھوکے کی نیند سے وہ نہ جاگا
نو سو برس جگ بیتے رسولاں	دنیا میں رسول خدا کو نو سو سال گذرے
ساچا مارگ سب کوئی بھولا	سچی راہ سب کوئی بھولے
جھوٹے ہیں دین سے دل ناہوتی	زبان پر دین اور دل میں کھوٹ
رسول چلے سو باٹاں چھوڑ دی	رسول کی سنت چھوڑ دی
سنت پانکھے کیم پار رج پائے	سچائی کو چھوڑنے والا پار نہیں ہوتا
جس تھی ست کیرے جائے	اس لئے سچ کے پیچھے جاؤ

رہے تو ہی ساچا سائیاں جی

ساچی باٹ رسول کی	سچا راستہ رسول خدا کا ہے
انہے ساچا بھی شیر رہے	اور کلام بھی ان کے سچے ہیں
جے کوئی چالیا ست بنا	جو سچائی چھوڑ کے چلا
سو پڑیا بھیڑے پھیر نے	وہ گھیرے چکر میں پڑا

رے تو ہی ساچا سائیاں پیو جی

نبی محمدؐ جگ مان آیا — پیارے نبی صاحب دنیا میں آئے
بِس بھتی چاندر نا مارگ پایا — اونکے نور کی چمک سے اسلام روشن ہوا
باٹ سو دہی سوا اونھیں دکھلائی — اسلام کا سیدھا رستہ اونھوں نے بتایا
ریت رسم سب شاہ کی پائی — خدا کے احکام تمام سنائے
پنتھی کوئی کھوٹی نہ ہوسے — اوّل کے مذہب جھوٹے نہیں رہیا
چاندیتا مارگ سب کوئی جوئے — دین کی روشنی سب دیکھ سکتے ہیں
نِس اجالا آ گل گہنا — اوس کا اوجالا آگے رکھکر چلو
سچے جیو جاشے پریم ماہ بھنیا — جو انسان محبت الٰہی میں بھیگا
ستو ہی نِس دھریا نام — وہی ستو یعنی کلام حق بول سکتا ہے
جس گھر پیو کا پاسے ٹھام — اُس کے دل میں خدا کا نور روشن ہے

رے تو ہی ساچا سائیاں پیو جی

صدق مرشد آپنا — اپنا مرشد سچا ہے
کنمیا کہیا سو بول رے — اوس نے چند کلام سنائے
باٹ جو ساچی ست کی — ست کا سچا رستہ
سو آن دکھلائی کھول رے — آن کر کھول دکھلایا

پیر مشائخ کی دعوت اسلام

حضرت پیر مشائخ صاحب اسمٰعیلی سادات میں تھے۔ سنہ ۱۰۱۰ ہجری میں بمقام جنترال پیدا ہوئے جو گجرات میں ایک جگہ ہے۔ اور گرٹھی میں پرورش پائی آخری عمر میں احمد آباد تشریف لائے اور یہیں انتقال ہوا۔ اور سہار نپور دروازہ

کے باہر مقبرہ باقر شاہ صاحب کے قریب ان کا مزار ہے ۔

ریاست پالن پور گجرات میں ایک بزرگ سید مہر حسین صاحب رہتے ہیں جن کا لقب بابا صاحب مشہور ہے ۔ یہ پیر مشائخ صاحب کے گدی نشین ہیں میں خود اس سلسلہ کی تحقیق کے واسطے پالن پور گیا تو سید صاحب مکان پر موجود نہ ملے ۔ ان کے ایک معتمد سے حسب ذیل حالات معلوم ہوئے ۔

اس جماعت میں عموماً سب شیعہ ہیں ۔ مگر سنیوں سے تعصب نہیں رکھتے کیونکہ پیر مشائخ صاحب کی تصنیفات میں اختلافی مسائل سے احتیاط کی گئی ہے ۔ اس سلسلہ کے ہندو لوگ بھی بکثرت مرید ہیں مگر وہ جماعت میں شمار نہیں ہوتے جب تک کہ علانیہ مسلمان نہ ہو جائیں صرف مرید کہلاتے ہیں ۔ اور ہاتھ چومنے کی اجازت ان کو ملتی ہے ۔

سید مہر حسین صاحب کے پاس روزانہ سو پچاس مرید آتے رہتے ہیں ۔ لیکن زراعت سے فارغ ہونے کے بعد پانچ ہزار سو آدمی روز کی اوسط آمد کی ہو جاتی ہے ۔

مگر جب میں پالن پور سے بمبئی گیا تو جناب مولوی عبدالرؤف خانصاحب سکرٹری انجمن ضیاء الاسلام سے ملاقات ہوئی اور پیر مشائخ صاحب کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس جماعت کی کافی معلومات مہیا کرا سکتا ہوں چنانچہ ایک روز انہوں نے پیر مشائخ صاحب کی جماعت کے دو تین صاحبوں کو اور ان کی تمام قلمی تصنیفات کو ایک جگہ جمع کر کے مجھکو بلایا اور حسب ذیل معلومات قلم بند کرائی ۔

جن تصنیفات کا ذکر آگے آیا ہے وہ سب قلمی لکھی ہوئی وہاں موجود تھیں

اور میں نے اُن کو اپنی آنکھ سے دیکھا گجراتی حروف ہیں اور زبان فارسی آمیز ہندی ہے۔ جسکو قدیم اردو کہنا چاہیے۔ معلوم ہوا کہ پیر مشائخ صاحب نزاری اسمٰعیلیوں کے مشہور داعی پیر کبیر الدین صاحب سے دو سو برس بعد گذرے ہیں ربیع الآخر کی چودہویں شب کو پیدا ہوئے بیس سال کی عمر تک اُمی رہے اُس کے بعد بزرگوں کی دُعا اور امداد غیب سے عالم فاضل ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے بیس برس کی عمر میں انہوں نے تعلیم حاصل کی ہوگی ان لوگوں نے یہ روایت بیان کی کہ پیر مشائخ صاحب کی تصنیفات اتنی زیادہ تھیں کہ اُن کا وزن چودہ من سے لیکر اٹھارہ من تک ہوتا تھا۔ میں نے حسب ذیل کتابیں دیکھیں:-

حلیہ مبارک۔ نور نامہ۔ ایمان مفصل دو حصوں میں۔ جنگ نامہ دو حصوں میں طریقتی۔ عذوات کی کتاب، خلفاء راشدین، معراج نامہ۔ فقہ دو حصوں میں۔ کتاب المعجزات، وفات نامہ، سیڑھیوں کا بیان، ہادی دھرم (جین مذہب کے رد میں)

بعض کتابوں کے مضامین کی تفصیل یہ ہے حلیہ یہ نظم میں ہے چودہ باب ہیں اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کا بیان ہے اور حلیہ ایسے پیرایہ سے لکھا ہے جو غیر مسلم اقوام کے دلوں میں اسلام کا اثر پیدا کرے۔ نور نامہ۔ اس کتاب کا نام مصنف نے مول دھرم رکھا ہے بعض لوگ دیوان المشائخ بھی کہتے ہیں اس میں آنحضرت کی ولادت کا بیان ہے۔ ایمان مفصل اس میں عقاید کی تفصیل ہے۔ جنگ نامہ، اس کتاب میں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا مفصل بیان ہے۔ شروع کتاب میں لکھا ہے کہ میں مذہب اہل سنت والجماعت رکھتا ہوں کسی نے خلاف سمجھا تو قیامت کے دن دعوے کروں گا، اہل سنت کے عقاید کا ثبوت بہت زور سے لکھا ہے۔ اس کتاب کی عبارت اور زبان کا نمونہ یہ ہے +

کہ الٰہی نام مجھے مجبور گر دیتا   مشایکت نام شوب مجھے بندہ نے کیتا۔

نام کی شرم ہے تجھے ستور ہنا — تو مشایک نام صحیح کر کہنا
تو دوستی اپنے نبی جی ہو کیری — شرم راکھ تو خالق میری
اننی فکر چنت یوں دیتی — پھیر دی پڑھنے کی تب جانڑ کیتی
ایک ہزار جیبا سٹی سے لکھائے — تپ پڑھنے کھاتر سامان بنائے

دیوان مشائخ میں دو ہزار تین سو اٹھاون بیانات ہیں۔ جمال الدین نور محمد صالح صاحب نے تصنیفات پیر مشائخ صاحب کی ایک فہرست مرتب کی ہے جو فلسکیپ کے چھتر صفحوں میں آئی ہے اس میں پیر مشائخ صاحب کی تصنیفات کے نام بھی ہیں اور خلاصہ مضامین بھی ہے۔ فہرست بنانے والے صاحب نے بڑی کوششوں سے گاؤں در گاؤں پھر کر یہ حالات جمع کیے ہیں اور اب اُن کی اشاعت کی فکر میں ہیں۔

اگرچہ پالن پور میں پیر مشائخ صاحب کی گدی والے سید مہر حسین صاحب کا مذہب شیعہ ہے اور وہاں مجھکو یہ بتایا گیا تھا کہ ان کی جماعت بھی شیعہ عقائد رکھتی ہے لیکن بمبئی میں آکر جب پوری تحقیقات کی تو اس کے خلاف ثابت ہوا۔ پیر مشائخ صاحب خود بھی سُنی تھے اور اُن کی جماعت میں بھی بڑی تعداد سُنیوں کی ہے چنانچہ خود پیر مشائخ صاحب کی عبارت میں نے پڑھوا کر سُنی تو معلوم ہوا کہ وہ سُنی تھے اور چشتیہ خاندان میں مرید کرتے تھے اُن کو حضرت شیخ تاج الدین صالح چشتی سے خلافت ملی تھی جو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں تھے۔

پیر مشائخ صاحب کی جماعت کو مُومنان بھی کہتے ہیں اور مُومن بھی کہتے ہیں اور مُومن بھی کہتے ہیں یہ تشریح مجھکو اُن حضرات کے اصرار سے لکھنی پڑی جن کے ذریعہ سے یہ معلومات حاصل ہوئی ہے ورنہ کوئی لکھنے

کی بات نہ تھی اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اسمٰعیلی فرقے غیر مسلموں کو مسلمان کر کے مومن کا خطاب دیا کرتے تھے، گذشتہ مردم شماری کی رو سے مومنہ جماعت کی کل تعداد پچاس ہزار معلوم ہوئی تھی۔ پیر مشائخ صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے کہ میں اپنی صدی کا مجدد ہوں مگر اس پر مجھے فخر نہیں ہے +

اس جماعت پر ایک نظر

معلوم ہوتا ہے کہ اسمعیلیہ فرقے میں کچھ سادات سُنّی بھی ہو گئے تھے اور پیر مشائخ صاحب انھیں لوگوں میں تھے دعوت اسلام کا کام انہوں نے بھی جاری رکھا اور یہ پچاس ہزار کی تعداد انہیں نومسلموں کی اولاد ہے جو پیر مشائخ صاحب کے ذریعہ سے اسلام لائی مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اب بھی اشاعت اسلام کا کام جاری ہے یا نہیں تاہم یہ خوشی کی بات ہے کہ انجمن ضیاء الاسلام کے ذریعہ سے اس جماعت کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی بڑی کوشش ہو رہی ہے اور ان کے دیہات میں جگہ جگہ مدرسے کھل رہے ہیں یہ کوشش جاری رہی تو کم علمی کے سبب جس قدر خرابیاں اس جماعت میں ہیں وہ سب دور ہو جائیں گی اور یہ لوگ پکے مسلمان بن جائیں گے۔

بمبئی میں جس قدر گاڑی چلانے والے مسلمان کوچبان ہیں وہ عموماً اسی فرقے کے ہیں +

ہندوؤں میں ایک عجیب مسلمان فرقہ

چار لاکھ روحیں اسلام کے قدموں میں

ہندوستان میں ایسے سینکڑوں فرقے موجود ہیں جنھوں نے کسی نہ کسی طریقے

سے اسلام کا اثر قبول کیا ہے مگر مسلمانوں کی بے توجہی کے سبب اُن کے حالات کسی کو معلوم نہیں ہیں چنانچہ جس عجیب فرقے کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں اُس کا حال بھی غالباً ہندوستانی مسلمانوں میں دو چار ہی آدمی جانتے ہونگے حالانکہ اس فرقے میں چار لاکھ آدمی ہیں جو باطن میں مسلمان اور ظاہر میں ہندو نظر آتے ہیں ؂

پہلی دفعہ کاٹھیاواڑ میں مجھے اس فرقے کا حال معلوم ہوا اور اس قدر دلچسپی اس مذہب کی واقفیت حاصل کرنے میں مجکو ہوئی کہ مسلسل کئی سال تک تحقیقات کرتا رہا جہاں جہاں میں نے سُنا کہ اس فرقے کا کوئی سمجھدار آدمی موجود ہے اُس کے پاس گیا اور مسلسل سوالات کر کے معلومات مہیا کیں۔ سورت میں ان کے ایک مندر کو بھی خود جاکر دیکھا اور وہاں کے مہنت سے گفتگو کی ان کا نام مہاراج رنگی لال جی ہے۔ نیپال کے رہنے والے ہیں یہ مندر سنگ خارا کا بنا ہوا ہے اور بہت پُرانا معلوم ہوتا ہے جس وقت میں نے اس کے اندر جانے کی خواہش کی اُن لوگوں نے کہا ہم لوگ بھی مندر کے اندر غسل کر کے اور پاک صاف ہو کر جاتے ہیں اگر آپ اور آپ کا لباس پاک ہو تو آپ جائیے۔ چنانچہ میں اندر گیا وہاں میں نے دیکھا ایک بہت بلند اور آراستہ چوکی پر بہت ضخیم کتاب رکھی تھی اس کا نام قلزم سروپ، بتایا گیا عوام اسکو، کُلّم شریف، (کلام شریف) بھی کہتے ہیں اس کتاب کو وہی شخص ہاتھ لگا سکتا ہے جو اُسی وقت غسل کر چکا ہو۔ مجکو وہ دُور سے دکھائی گئی سنسکرت حروف تھے میں نے اول اور درمیان اور آخر کے حصے کہیں کہیں سے پڑھوا کر سُنے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب تمام مذاہب کی کتب قدیم سے تھوڑا تھوڑا

جمع کر کے مرتب کی گئی ہے کیونکہ اس میں قرآن شریف کی آیتیں اور انکے مضامین کا ذکر بھی آتا ہے اور احادیث کا بیان بھی اور گیتا اور وید کے حوالے بھی +

جس شخص نے یہ کتاب پڑھکر سنائی تھی اوس کا تلفظ صحیح نہیں تھا ہر چند میں نے کوشش کی کہ کچھہ مطلب سمجھوں لیکن ایک فقرہ بھی سمجھہ میں نہ آیا تاہم پڑھتے وقت جو الفاظ اس کی زبان سے نکلتے تھے میں نوٹ بک میں لکھتا جاتا تھا جو ذیل میں درج ہیں +

کلام ۔ عربی ۔ حق ۔ رسول ۔ نا ۔ فال ۔ قصید ۔ ے ۔ قلم ۔ لیکن مایوت ۔ منھو ۔ ھند ۔ مسلم ۔ اسم ۔ ھند ۔ مسلم ۔

ان الفاظ میں صریحاً اسلامی لٹریچر کی شان پائی جاتی ہے ۔ اگر داعیان اسلام کتاب قازم سروپ کی پوری تحقیقات و جستجو کریں تو بہت آسانی سے اس مذہب کی حقیقت اور تاریخ اور طریقۂ دعوت روشنی میں آجائے گا +

یہ کتاب ابتک چھپی نہیں اس کے بعض حصے پرنامی فقرا کے پاس علیحدہ بھی ہوتے ہیں مگر سب ہاتھہ کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں کوشش کرنی چاہئے کہ زبان سے واقف لوگ ان متفرق ٹکڑوں کی نقلیں حاصل کریں ۔ اور پھر ان پر غور کیا جائے +

پرنامی پنتھ کی تحقیقات کے لئے میں نے عزیزم غلام نظام الدین قریشی پرچی شاہ مالک نظامیہ ڈپو احمد آباد گجرات کو کاٹھیاواڑ بھیجا تھا ۔ انہوں نے وہاں مستند ذرائع سے اس مذہب کی تحقیقات کر کے حسب ذیل حالات لکھکر مجھکو بھیجے ۔ میں ممنون ہوں کہ اس تلاش میں پرچی کو میرے مخلص محب الفقرا غلام محمد صاحب منشی ہیڈ ماسٹر راجکوٹ کاٹھیاواڑ نے بہت مدد دی +

ان حالات میں ممکن ہے اصلیت و حقیقت کے خلاف بھی کچھہ آگیا ہو تاہم زیادہ حصہ یقینی اور صحیح ہے اور ثقہ ہیں +

پرنامی پنتھ

پرنامی لوگ ہندو قوم میں سے ہیں۔ براہمن درزی بنئے۔ بقال۔ غرض ہر ہندو قوم کے لوگ اسمیں شامل ہیں۔ ہندوستان ہی میں اس فرقہ کے لوگ ہیں جنکی تعداد قریب چار لاکھ ہے۔ پنا میں ان کا سب سے بڑا مندر ہے جو دھام کہلاتا ہے۔ پنجاب۔ بہار۔ بندیلکھنڈ اودھ وغیرہ مقامات میں بھی ان کے مندر ہیں۔ اور نیپال میں بھی۔ پنجاب میں بڑے بڑے شہروں میں ۱۲ مقام پر مندر ہیں۔ گجرات میں ۴۲ مندر ہیں۔ مگر سب سے بڑا مندر ہندوستان میں پنا۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر جام نگر میں ہے۔ پنا کو پرنامی لوگ پدماوتی اور جام نگر کو نوتم پوری کہتے ہیں۔ جام نگر میں آجکل جو مہنت ہیں وہ نیپال کے ہیں اس سے پہلے حیدر آباد دکن کے تھے۔

پرنامی دھرم دنیا کی ابتدا سے ہے۔ کرشن مہاراج اور حضرت محمد صلعم ایک ہی ہیں پہلے کرشن مہاراج کے روپ نے جلوہ دکھایا اور اب محمد صلعم کے روپ میں عرب میں جلوہ نمودار ہوا۔ دسویں صدی میں امرکوٹ کے رہنے والے دیوچندجی مہاراج نامی بزرگ نے پنا میں آکر پرنامی دھرم کا اعلان کیا۔ اُن کے بعد اُن کے چیلے پران ناتھ جی عرف معراج ٹھاکر جو جام نگر کے رہنے والے تھے وہ دیوچندجی کے مرید ہوئے۔ اور یہاں تک ترقی کی کہ اُنہوں نے اپنے آپ کو مہدی ظاہر کیا اور قلزم سروپ نامی کتاب لکھی جس کو آسمانی کتاب کہتے ہیں۔ اس کتاب میں توراۃ انجیل زبور قرآن مجید وغیرہ کا خلاصہ ہے۔ عربی۔ سندہی ہندی۔ گجراتی زبانیں ملی ہوئی ہیں۔ حروف ہندی ہیں۔ قیامت جزا سزا اور معراج جنت دوزخ کا بیان ہے۔ اور اپنے مہدی ہونے کا دعوے ہے اور کرشن مہاراج و حضرت محمد صلعم کی نبوت کا ذکر ہے۔ یہ لوگ مورتی کی پوجا نہیں کرتے۔ ان کے مندروں میں ایک ممبر رکھا ہوا ہوتا ہے اسپر قلزم سروپ رکھتے ہیں۔ اور اسپر کپڑا ڈھکا

ہوا ہوتا ہے۔ کپڑے پر دو تاج ہوتے ہیں جسے یہ لوگ مُکٹ کہتے ہیں۔ اور اُسکے آس پاس
پیتل کی تھالیاں وغیرہ رکھ کے اُس جگہ کو سنوارتے ہیں جنہیں سے وہ دوسرے ہندو
مورتی ہونے کا خیال کرتے ہیں۔ یہ لوگ اُس جگہ آکر سر جھکاتے ہیں اور وہاں کا پوجاری
آنے والوں کو تبرک دیتا ہے۔ پرنامی کے سوا اور کسی کو تبرک نہیں دیا جاتا۔ پرنامی ایکدوسر
سے ملتے وقت آپس میں پرنام کہتے ہیں جو ایک دوسرے کی پہچان ہے۔ یہ لوگ آپس میں
بہت اتفاق سے رہتے ہیں اور روزانہ قلزم سروپ حضرت کا معراج نامہ وفات نامہ
نور نامہ پڑھتے ہیں۔ بکٹ سروپ نامی ایک کتاب ہے جس میں آنحضرت صلعم و کرشن مہاراج
پر کافروں نے جو جو تکلیفیں ڈالی تھیں اُن کا بیان ہے۔ ایک کتاب کا نام تبلک نامہ ہے
جو تولد نامہ کا بگڑا ہوا نام معلوم ہوتا ہے۔ اسمیں آنحضرت صلعم کی ولادت کے حالات ہیں
یہ لوگ اپنے آپکو اصلی مومن کہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو بگڑے ہوئے مومن کہتے ہیں پیغمبر صلعم کے
سچے شیدائی ہیں۔ ان کا بچہ بچہ آنحضرت صلعم کے حالات سے آگاہ ہے۔ بہ نسبت مردوں
کے عورتیں زیادہ واقف ہیں۔ ہندوؤں کو دکھلانے کے لئے یہ لوگ قلزم سروپ کی آرتی
اوتارتے ہیں۔ گھنٹہ بجاتے ہیں۔ کرتن کرتے ہیں۔ اُن کے ہاں ہندوؤں کی لڑکیاں شادی
کرکے لاتے ہیں۔ تو سب سے پہلے یہ لوگ اُسے پرنامی بناتے ہیں۔ یعنے کلمہ پڑھا کر مسلمان
کرلیتے ہیں۔ اور گلے میں دوپٹہ ڈالتے ہیں۔ اُسکے بعد اُس کے ہاتھ کا کھاتے ہیں۔
معراج نامہ بہت خوش الحانی اور شوق سے پڑھتے ہیں۔ مگر خدا کو مجسم مانتے ہیں۔ انکار
نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب خدا نے معراج میں حضرت محمد صلعم سے باتیں کیں تو خدا
اُس وقت جسم میں تھا جسم میں نہ ہوتا تو باتیں کس سے کیں۔ تناسخ کے قائل نہیں ہیں۔
وہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلعم آخری نبی ہیں۔ اب پیغمبر جنم نہیں ہے۔ اب تو سب کو
نجات ملیگی۔

بندیل کھنڈ کے راجا رجواڑوں کا یہی مذہب ہے۔ اورنگ زیب کے زمانے میں

چھتر سال نامی ایک راجہ اسی مذہب کا تھا۔ وہ اورنگ زیب سے مذہب کے بارہ میں لڑا تھا
اُس کا مقبرہ مہوبا میں ہے وہ شاعر بھی تھا۔ اُسکا ایک شعر نعت شریف میں حسب ذیل ہے۔

اِن محمد کے دین میں جو کوئی لاوے ایمان * چھتر سال تن تن من دھن قربان

قلزم سروپ میں بھی جابجا نعت شریف کے اشعار ہیں۔ اس مذہب میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک تو عوام دوسرے دھامی کہلاتے ہیں جو مندر میں پوجا پاٹ کرتے ہیں وعظ کہتے ہیں مگر بیوی کر سکتے ہیں۔ تیسرے سادھو یعنے فقیر جن کو باواجی کہتے ہیں وہ مندر کی خدمت کرتے ہیں مگر شادی نہیں کر سکتے مجرد زندگی گزارتے ہیں۔ اس طرف کے مندروں میں اکثر فقیر نیپال اور شمالی ہند کے ہیں۔ پنجاب میں مہاراج نیتھ اور چھوٹیتھ والے اس مذہب کی شاخیں ہیں۔ گجرات میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو قلزم سروپ میں بھاگوت گیتا کو بھی شامل کرتے ہیں۔ اُن کا کہنا یہ ہے کہ دیوچندجی مہاراج نے بارہ برس تک بھاگوت سُنی تھی۔

پرنامی مذہب والے ماتھے پر تلک کرتے ہیں جنیو پہنتے ہیں۔ سر پر چوٹی رکھتے ہیں۔ مورتی پوجنے والوں کو کافر کہتے ہیں اور بُرا جانتے ہیں۔ دیوچندجی مہاراج کو دھنی دیوچندجی کہتے ہیں۔ خدا کے بعد آنحضرت صلعم و کرشن مہاراج و دیوچندجی و پران ناتھ جی کو درجہ بدرجہ مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان سب میں خدا کا نور تھا۔ آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابابکر صدیقؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ مگر فضیلت حضرت علی کو دیتے ہیں۔ حضرت علی کی اقتدا و پیروی انکے یہاں مانی ان کا خیال ہے اور وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ پرنامی دھرم دنیا کی ابتدا سے ہے۔ دیوچندجی نے سنہ ۱۶۹۴ء میں ظاہر کیا۔ قلزم سروپ میں کل ۱۸۷۵۰ اشعار ہیں۔ فقیر مرتا ہے تو اُسکی لاش دفن کرتے ہیں۔ عام طور پر مُردے ہیں تو اُن کو جلا کر اُن کی راکھ دفن کرتے ہیں۔ پنّا میں جو کوئی مرتا ہے اُسے دفن کرتے ہیں۔ ایمان لانے کی تبدیلی کے ساتھ یہ لوگ دین سے بیپروا ہوتے جاتے ہیں۔ فقرا بھی جاہل ہیں۔ عالم مرتے جاتے ہیں۔ پنّا کو مقدس مقام سمجھتے ہیں۔ اور ہر سال میلہ ہوتا ہے۔ جام نگر میں بھی ہر سال میلہ ہوتا ہے جس میں نیپال و پنجاب و دیگر شہروں کے

ہزاروں لوگ آتے ہیں۔ قلزم سروپ اور دیگر کتب پڑھی جاتی ہیں۔ اور تفسیر بیان ہوتی ہے۔ یہ لوگ گوشت نہیں کھاتے۔ ان میں پیری مریدی کا سلسلہ جاری ہے۔

پرنامی کی مرسلہ کیفیت کے علاوہ میرے پاس چند یادداشتیں پرنامی پنتھ کے متعلق اور نکل آئیں اُن کو بھی درج کیا جاتا ہے جو یہ ہیں۔

پہلے مہنت جو جام نگر کے مندر میں تھے اُن کا نام سکھ لال داس جی تھا یہ فارسی کے اچھے تعلیم یافتہ تھے۔ آجکل جو مہنت ہیں ان کا نام لچھمی داس جی ہے یہ فارسی پڑھے ہوئے نہیں ہیں۔ ان کی عمر چالیس کے اندر ہے۔ ان کو شادی کرنے کا حکم نہیں ہے۔ گرو اپنے چیلوں میں کسی ایک کو پسند کرکے تمام قوم کے سامنے اُسکو پیش کرتا ہے۔ قوم کے ووٹ جس کے حق میں اتفاق کرتے ہیں اُسکو گدی ملتی ہے۔

انکی عبادت پنجوقتہ یہ ہے کہ تسبیح پڑھتے ہیں اور آخر میں قبلہ کے رُخ ایک سجدہ کرتے ہیں۔

مردم شماری میں لوگ ان کو ہندو لکھتے ہیں کیونکہ ان کی معاشرت بالکل ہندوانہ ہے مگر ان میں جو سمجھدار ہیں وہ اپنے آپ کو پرنامی لکھواتے ہیں۔ اس لئے اُن کا اصلی شمار مشکل ہے۔

ان حالات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقے کے بانی اسمٰعیلی جماعت کے کوئی داعی ہونگے اگرچہ اُن کا نام دیوچند جی مہاراج اور اُن کے چیلے کا نام پران ناتھ جی مہاراج ٹھاکر لکھا ہے لیکن مذہب کی بنیاد وہی عقیدہ ہے جو آغاخانیوں اور امام شاہیوں نے دعوت اسلام کے لئے پیش کیا تھا۔ یعنی حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سری کرشن جی کا اوتار بیان کیا جاتا تھا۔ یا یہ کہ جو روپ کرشن میں تھا وہی روپ محمدؐ میں ظاہر ہوا۔

مانا ودر کاٹھیاواڑ میں نواب صاحب والی ریاست کے مکان پر میرے پاس پرنامی پنتھ کے ایک درویش ملنے آئے تھے۔ ستر برس کے قریب عمر تھی۔ ڈاڑھی مونچھیں منڈی ہوئی تھی۔

گلے میں ایک تسبیح بغل میں ایک کتاب۔ دھوتی باندھے ہوئے۔ جب سامنے آتے تو نہایت فصاحت سے کہا السلام علیکم۔ میں نے بہت تعجب سے صورت دیکھی اور سلام کا جواب دیا۔ اور جب گفتگو ہوئی تو انہوں نے آیتیں اور حدیثیں پڑھنی شروع کیں۔ جو مسئلہ زیر بحث آتا اسکی نسبت کوئی نہ کوئی قرآنی سند پیش کرتے۔ زیادہ تر ظہور امام مہدی اور مسئلہ معراج پر باتیں ہوئیں۔ معراج کی تفصیل اور عجیب عجیب روایتیں ان کے ہاں بہت مشہور ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ داعیان اسلام نے واقعہ معراج سے دعوت اسلام میں بہت کام لیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ اس فرقہ کو معراج پنتھی بھی کہتے ہیں۔

سید صدر الدین صاحب نوساری والے نے اس بیان میں جو انہوں نے اس کتاب کے لیے مجھکو قلمبند کرکے بھیجا تھا لکھا ہے کہ نانک پنتھ۔ کبیر پنتھ۔ اور معراج پنتھ۔ امام شاہی تحریک کے حصے ہیں۔ اس لیے اور بھی خیال ہوتا ہے۔ کہ یہ فرقہ اسمٰعیلی دعوت کے اثر اسلام میں آیا ہے۔

جن داعیان اسلام کی نظر سے یہ کتاب گذرے اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ پیرانا پنتھ کی مزید تحقیقات کریں اور نانک پنتھ اور کبیر پنتھ کی بھی جستجو کریں۔ نیز وہ طریقے معلوم کرنے چاہئیں جن کے ذریعے سے یہ فرقہ اثر اسلام میں آیا۔ اور پھر کوشش کرنی چاہیے کہ یہ لوگ علانیہ کلمہ مسلمان ہو جائیں۔ اگرچہ یہ فرقہ ہم لوگوں کو نام کا مسلمان کہتا ہے اور اپنا دعوے ہے کہ قرآن پر تو اصل میں ہم عمل کرتے ہیں۔ اور اسکا ادب ہمارے سوا کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔ تاہم ضرورت ہے کہ اُن کو پکا مسلمان بنایا جائے۔

ماوڑہ میں مذکورہ درویش نے مجھ سے کہا تھا کہ لا یمسه الا المطهرون۔ کے حکم قرآنی پر کون سا مسلمان عمل کرتا ہے۔ حالانکہ ہم لوگ بغیر غسل کے قلزم شریف کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

اس درویش نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ ہمارے مذہب کے بانی مشرق سے ہوائی گھوڑے

پر سوار ہو کر جامنگر آتے تھے۔ اور ان کے قبضہ میں مخفی اور باطنی طاقتیں بیشمار تھیں۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تحریک بھی کسی صوفی درویش یا اسمٰعیلی داعی کے کمالات باطنی اور کرامتوں سے سرسبز ہوئی ہوگی۔

بہر حال میں نے فاطمی دعوت اسلام میں اس واقعہ کو اس لیئے درج کیا کہ مجکو یقین ہے کہ یہ فاطمی حضرات میں سے کسی نہ کسی بزرگ کی سعی کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ بانی مذہب کا نام ہندوانہ ہے لیکن یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ کیونکہ داعیان اسلام نام اور لباس اور معاشرت کی پابندی بہت کم کرتے تھے۔ ان کا مقصد تو پیام حق کا پہنچانا تھا خواہ وہ اسلامی نام رکھکر یا اسلامی صورت بنا کر ہوتا خواہ کسی غیر مسلم نام اور معاشرت کی شکل میں رکھکر۔

فاطمی بادشاہوں اور تاجروں وغیرہ کے حالات فراہم ہو رہے ہیں۔ طبع ثانی کے وقت اُن کو بھی شریک کتاب کر دیا جائے گا۔

اثنا عشری فرقہ کی دعوت اسلام

کی نسبت میں نے وعدہ کیا تھا۔ کہ وہ بھی لکھوں گا مگر مجکو باوجود تلاش کے کوئی واقعہ ان کی دعوت اسلام کا نہیں ملا سوائے ایک واقعہ کے کہ شمس الدین عراقی نے کشمیر میں ایک ایک دن میں بیس بیس ہزار ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ یہ نوربخشی سلسلہ میں سے تھے اور اثنا عشری مذہب رکھتے تھے۔ جہانگیر نے اپنی تزک میں بھی ان کا حال لکھا ہے۔ اور تاریخ کشمیر میں بھی انکا ذکر ہے۔ مگر کشمیر میں اہل سنت مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے جو سب مشائخ صوفیہ کے ذریعہ سے مسلمان ہوئے تھے۔ اگر اثنا عشری دعوت اسلام کی یہ وسعت درست مان لی جائے جو ابھی مذکور ہوئی تو سارا کشمیر شیعوں سے بھرا ہوا ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن حقیقت اس کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔

بلگام میں اشاعت اسلام

ابھی حال میں تحقیق ہوا کہ بلگام علاقہ بمبئی میں جس قدر مسلمان ہیں یہ زیادہ تر حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز حسینی چشتی نظامی کی دعوت سے مسلمان ہوئے ہیں۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ حضرت موصوف حضرت محبوب الٰہیؒ کے خلیفہ حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اور گلبرگہ دکن میں ان کا مزار ہے۔

آخر میں میری دعوت

بندۂ ناچیز حسن نظامی حضرات بنی فاطمہ کی دعوت اسلام کا ذکر ختم کر کے اب اپنی دعوت پیش کرنی چاہتا ہے کہ وہ بھی فاطمی قافلہ کی گرد راہ اور اُن کی رکاب کا تھامنے والا غلام ہے نسباً فاطمی حسینی مشرباً چشتی نظامی عقیدتاً حلقہ بگوش اہل سنت والجماعت۔

مجھ بیچارے کی کیا حقیقت ہے جو بندگان خاص کی دعوت اسلام کا ذکر کر کے اپنی عرضداشت اور التماس کو دعوت کے لفظ سے تعبیر کروں۔ مگر سلسلہ کلام کی رعایت سے لفظ دعوت ہی مناسب نظر آیا۔

اس کتاب کے شروع میں عرض کیا گیا تھا کہ ہر مسلمان اسلام کا داعی اور مشنری ہے۔ اب گذارش کرنی چاہتا ہوں کہ ہر مسلمان کو اسلام کا داعی اور مشنری بننا چاہیئے۔ اور وہ یہی ہے کہ پہلے اپنی ذاتی اصلاح کی جائے۔ اور اپنے نفس کو اسلام کا بلاوا پہنچایا جائے جو الاسلام گردن نہادن سے منکر ہو گیا ہے۔ اور اُس میں احکام الٰہی سے سرکشی پیدا ہو گئی ہے۔ اگر ہر مسلمان اپنے نفس اور اپنی بے خبری کا داعی بن جائے تو موجودہ تلاطم و طوفان سے اسلامی کشتی کا فوراً اسلامتی کے کنارہ پر آجانا دشوار نہ رہیگا۔

تلقین ارکان اسلام

اس وقت سب سے بڑی ضرورت ارکان اسلام کے تلقین کرنے کی ہے۔ اور دین سے بے بہرہ نام کے مسلمانوں کو اصلی اور کام کا مسلمان بنا دینا اس سے بہت بہتر ہے کہ ڈول مل یقین اور بے عمل لوگوں کو اسلام کی برادری میں شامل کر کے تکلیف زدہ آوسیوں کا شمار اور بڑھا دیا جاتے۔ جو لوگ نئے مسلمان بنانے کا شوق تو رکھتے ہیں مگر نہ ان کی زندگی کو دیندار مسلمان کی زندگی بنا سکتے ہیں نہ پرانے مسلمانوں کی تعلیمی اور اصلاحی سعی میں کچھ حصہ لیتے ہیں۔ وہ ہرگز قابل تعریف نہیں ہیں۔ اور ان کی یہ شان دعوت مذہب حق کے لئے کچھ بھی موجب مسرت نہیں ہو سکتی۔

صوفیوں نے جو کچھ دعوت اسلام کا کام کیا۔ اسمٰعیلیوں نے جیسے جیسے کارنامے اشاعت اسلام کے دکھائے وہ جب ہی قابل تعریف ہو سکیں گے کہ صوفیوں اور اسمٰعیلیوں وغیرہ کے موجودہ قایم مقام لوگ آجکل بھی نومسلموں کی پختگی اور اسلام کی آگاہی اور اس کے احکام پر عمل درآمد کرانے کی کوشش کرینگے۔ ورنہ کچھ فائدہ اس بھیڑ بھاڑ کے بڑھانے سے نہ ہوگا۔ اور ہم لوگ بزرگوں کی ناخلف اور کپوت اولاد سمجھے جائیں گے۔

مشائخ آجکل کیا کرتے ہیں

مجھے پہلے اپنے گھر والوں کا شکوہ کرنا چاہیئے جو صوفیہ مشائخ کہلاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے فرائض کو فراموش کر دیا ہے۔ وہ اب نہ دعوت اسلام کرتے ہیں نہ حفاظت اسلام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں نہ تلقین اسلام کا فرض ان کو یاد آتا ہے۔ بلکہ بعض اُن میں سے خود بھی نام کے مسلمان ہیں۔ اور شریعت اسلامی کو پامال کرنا اور اس کے خلاف راستہ چلنا انہوں نے درویشی کا کمال سمجھ رکھا ہے۔ وہ شکم پروری کرتے اور رسوم ذاتی بڑھانے

اور بہت سے مرید کر لینے اور نذر نیاز سمیٹنے کے سوا اور کوئی کام اپنا نہیں سمجھتے وہ بھول گئے ہیں کہ ان کے بزرگوں کے کیا حالات تھے۔ اور وہ کن مشاغل میں زندگی بسر کرتے تھے۔

مشائخ دکن سے فریاد

میں دکھتے دل سے علماء اور مشائخ دکن کو پکارتا ہوں کہ وہ اتنے بڑے اسلامی ملک میں اسلام کا کیا کام کر رہے ہیں۔ ان کو ایک ایسے بادشاہ کا وقت حاصل ہے کہ جو حمایت دین اور اشاعت علوم میں پوری دلچسپی اور توجہ سے کام کرنا چاہتا ہے۔ اور کر رہا ہے۔ وہ بادشاہ جس نے ان کو فکر معاش سے مطمئن کر دیا ہے جو ان کو جاگیروں اور منصبوں کی صورت میں اتنا دیتا ہے کہ انکی زندگی امیرانہ ٹھاٹھ سے بسر ہوتی ہے۔ مگر ان کو یہ بھی تو خیال کرنا چاہیئے کہ وہ صرف عرسوں کی مجالس کر دینے۔ اور بہت سے چراغ روشن کر کے اور ایک وقت مجمع عام کو کھانا کھلا کر اپنے فرائض اصلی سے سبکدوش نہیں ہو جاتے۔ بلکہ ان کے اوپر بہت سی ذمہ داریوں کا بوجھ ہے جسکو ادا کرنا ان پر واجب ہے۔ اور جس سے وہ ہمیشہ غافل نہ رہ سکیں گے۔ اور ایک نہ ایک دن خوشی سے یا ناخوشی سے ان کو اس طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔

کیسے شرم کا مقام ہے کہ دکن میں غیر مسلم اقوام تو اپنے مذاہب کی تلقین عام کریں اور مشائخ دکن کو یہ خیال بھی نہ آ ے کہ لاکھوں مسلمان جو ان کی خدمتوں میں طلب فیض کے لئے آتے ہیں ان کو مسائل اسلامی سے بھی اچھی طرح واقفیت ہے یا نہیں۔

میرا تو خیال ہے بلکہ تجربہ ہے کہ دکن کے بعض پیروں کے مرید ٹھیک طور سے کلمہ پڑھنا بھی نہیں جانتے۔ اور مرشدان طریقت ہاتھ پر بوسہ دلوا لینے کے سوا کبھی ان کے عقائد و معلومات کی اصلاح کا خیال نہیں فرماتے۔ کیا جواب دینگے ایسے حضرات حشر کی پرسش کے دن جبکہ وہ اپنے انجان اور دین سے بے خبر مریدوں کو ساتھ لیکر دربار الہٰی میں حاضر ہوں گے۔

اور اُن کی غفلتوں کا حساب لیا جائیگا۔

آج موقع ہے کہ اپنے تن کی خواہ بادشاہ کی خواہشوں کی تائید کی جائے اور جس طرح وہ علوم و فنون کی اشاعت میں کوشاں ہے ہم بھی اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر آگے بڑھیں اور دکن میں اشاعت اسلام حفاظت اسلام اور تلقین اسلام کا چرچہ شروع کر دیا جائے۔

تمام ہندوستان کے مشائخ

سے بھی مجکو یہی عرض کرنا ہے کہ وہ بھی خواب غفلت سے ہوشیار ہوں کہ اب سونے کا وقت نہیں رہا اور وہ زمانہ سر پر آگیا جبکہ ہر غافل سے اور ہر کام کرنے والے سے اُسکے اعمال کا محاسبہ اس دنیا میں ہونا شروع ہوگا۔

کیا میں پہلے تمہارے غم میں خوب رو لوں جب دل کا درد سُناؤں۔ تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دنیا ایسی ہی رہیگی اور ہماری حالت میں کوئی چیز رخنہ انداز نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ بڑی غلطی ہے۔ ہر چیز بدل رہی ہے۔ ہر طاقت گھٹ رہی ہے یا بڑھ رہی ہے۔ جو اپنے فرض کو پہچانتے ہیں اور اُسکو ادا کرتے ہیں، وہ بڑھتے جاتے ہیں، جو اس سے غافل ہیں وہ گھٹ رہے ہیں اور ایک دن اسی طرح گھٹتے گھٹتے ختم اور فنا ہو جائیں گے۔

دیکھو میں تم سب کا اپنا ہوں۔ میری بات سے بڑا نہ مانو۔ اور خدمت اسلام کا فرض ادا کرو۔ جس پر تمہاری درویشانہ حیثیت کا انحصار کلی ہے۔

اسمٰعیلیوں کو دعوت

پھر میں بنی فاطمہ کے فدا کار اسمٰعیلیوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے اس کتاب میں تمہارے کارناموں کو زندہ تو کر دیا۔ اور تمہارے اوپر جس قدر طعن دشمنی سے کئے جاتے تھے اُن کو دلائل سے دھو تو ڈالا۔ اور تمہاری خدمات اسلامی کو روشنی میں لا کر دکھا تو دیا۔

مگر خدا کے لئے میری دوستانہ اور برادرانہ نصیحت بھی سن لو وہ یہ ہے کہ تم آجکل بڑی غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔ اور تم پر نفس کی ضد نے غلبہ پالیا ہے۔ لہذا تم جلدی ہوشیار ہو جاؤ۔ اور ان سب باتوں کو چھوڑ دو جو تمہاری ہوا کو اکھیڑنے والی ہیں۔ اور جن سے تمہاری جمعیت پراگندہ ہو رہی ہے۔

میرے مستعلی بوہرے بھائی جب اس کتاب کو پڑھیں گے اور انصاف سے غور کرینگے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ میں نے ان کی ہستی کو اسلامی دنیا کے سامنے ایک مفید وجود کی شان سے نمایاں کر کے دکھایا ہے۔ اور ان کی خدمات اسلامی پر جو پردے پڑے ہوئے تھے اُن کو ایک حد تک بالکل دور کر دیا ہے اور اب پھر کہتا ہوں کہ اسمٰعیلیوں میں اگرچہ نزاری فرقہ کی اشاعت اسلام کی کوششوں کو میں نے مستعلی جماعت پر فوقیت دی ہے اور اسکو بہت کامی فرقہ بہ حیثیت داعی اسلام کے ثابت کیا ہے۔ مگر میں سچائی سے کہتا ہوں کہ تم لوگ احکام اسلام کی تعمیل میں نزاریوں سے لاکھ درجہ بہتر ہو۔ تمہارے پاس ایک مکمل فقہ موجود ہے اور نزاری اس سے تہی دست ہیں۔ وہ یا تو مجبوراً اثنا عشری فقہ پر عمل کرتے ہیں اور یا ان کو آدھے ہندو آدھے مسلمان آئین پر عمل کرنا پڑتا ہے۔

تم مستعلیوں کے ہاں بڑے بڑے علماء دین موجود ہیں۔ اور ہندوستان کے نزاری ایک جید عالم بھی اس ملک کا ایسا پیش نہیں کر سکتے جو تمہارے کسی عالم متبحر کی ہمسری کر سکے۔

تم مستعلی۔ نماز میں روزہ میں۔ اور مسلمانوں کی سی صورتیں رکھنے میں نزاریوں ہی سے نہیں بلکہ بعض سنیوں سے بھی اچھے ہو۔ اور نزاری اس اصلی مسلمانیت سے مجبوراً محروم ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں کوئی سعی اس بات کی نہیں کی جاتی۔

لیکن اے مستعلی بوہرو تم نے باہمی اختلاف سے اپنا بھرم کھو دیا۔ تم مذہبی معاملات کو اپنے گھر میں فیصلہ کرنے کے قابل نہیں رہے اور تم کو غیر مسلم کچہریوں میں جمع ہونے اور فریاد کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔ تم نفس کی ضد اور سرکشی کے مطیع ہو گئے۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ

اللہ تعالیٰ نے فرما چکا ہے۔ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ۔ آپس میں جھگڑہ نہ کرو (اگر باہمی جھگڑہ فساد کروگے) تو پست ہمت ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی۔

تم نے اشاعت اسلام کا کام بھی چھوڑ دیا۔ تم کو دولت کی کثرت نے وہ وقت بھلا دیا جب تمہارے بزرگ بے سروسامانی میں یہاں آئے تھے۔ اور اسلام کی دعوت کرتے تھے۔

میں نزاری بھائیوں سے بھی کہوں گا کہ بے شک تم کو ایک عزت والے پیشوا کی پشت پناہی حاصل ہے۔ اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ تم نے کونسل کا ایک طریق بنا لیا ہے اور اسی میں تمہارے جھگڑے فیصل ہوتے ہیں۔ اور بہت کم تم کو غیر مسلم کچہری میں جانا پڑتا ہے۔ مگر بتاؤ کہ جب اسمٰعیلی ہو تو اسمٰعیلی فقہ تمہاری کہاں ہے۔ اور تم احکام اسلام اور ان طریقوں کی پیروی کیونکر کر سکتے ہو جو حضرت نزار اور ان کے بعد کے زمانے میں بڑے بڑے بزرگ کرتے تھے۔

تم نے جو بڑی بھیڑ نو مسلموں کی تیار کر لی ہے اور جس کو تم دن بدن ترقی دے رہے ہو تمہاری جماعت اور اسلام کو کیا مفید ہوگی جب اُس کا کوئی دینی قانون اور عملدرآمد کی اُصولی طاقت ہی نہیں ہے۔ اس طرح چند مراسم کے ادا کرنے اور نوری پینے سے اور امام حاضر کا دیدار مل جانے سے اقوام مستحکم زندگی اور ابدی زندگی بسر نہیں کر سکتی ہیں۔ اے نزاریوں اپنے کامڑیوں اور مکھیوں کی اصلاح کرو۔ تمہاری جماعت کا کم سخن فرقہ ان کی زیادتیوں سے تنگ آگیا ہے۔ وہ حاضر امام کی مرضی کے بغیر ایسے برتاؤ کرتے ہیں جس کو آگے آنے والا زمانہ کچھ زیادہ عرصہ تک برداشت نہ کر سکیگا۔ اور ایکدن ایسا انقلاب آئے گا جسکو تم سنبھال نہ سکو گے۔ جلدی کرو۔ اور کامڑیوں اور مکھیوں کے ناواجب برتاؤ کو درست کر لو تا کہ اندر ہی اندر تم پھر مضبوط ہو جاؤ۔

کیا میں امام شاہی بھائیوں سے بھی یہ کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے اپنے جد حضرت

سیدامام شاہ کا طریقہ فراموش کر دیا ہے۔ ان کی اولاد نے علم دین حاصل کرنا چھوڑ دیا۔ وہ اپنے فرائض دعوت سے غافل ہو گئی۔ انہوں نے کاکا پیرائی ہر چیز کا اختیار کر دیا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ کاکا کے اقتدار کو مٹا دو۔ کیونکہ وہ تمہارا پرانا دستور ہے مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ اپنے حقوق و فرائض کو پہچانو۔ خواہ تم پیرانہ شیخی ہو یا تو ساری والے مجھے حضرت پیر مشائخ کی جماعت سے بھی کہنا ہے کہ خواہ تم شیعہ ہو یا سُنی اس سے بحث نہیں مگر تم کو اپنے پیر صاحب کی تعلیم سے پوری طرح خبردار ہو کر ان تمام کاموں کو پھر زندہ کرنا چاہیئے جو تمہارے نامور پیر کے لئے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ آپس کے اختلاف کو بھول جاؤ کہ یہ وقت اختلاف کے ساتھ ہی قوموں کی موت کو بھی بلا لیتا ہے۔

میری بات تم سب خاص سے سنو کہ میں نے سچی محبت سے یہ کہا ہے۔ اور بُرا نہ مانو۔

خاتمہ کی رائے

الحمدللہ مدت کا یہ ارمان آج پورا ہوا۔ اور خدا نے اپنے مقبول گروہ بنی فاطمہ کی خدمت کا فرض پورا کرا دیا۔ برسوں سے اس کام کی کوشش میں مصروف تھا۔ گجراتی اور انگریزی کتابوں کے ترجمے کثیر صرفہ سے کرا کر سنتا لکھا پڑھتا تھا۔ اور کام کی باتیں چھپا جاتا تھا۔ مختلف صوبوں، شہروں اور قصبات میں بار بار جاتا تھا اور جہاں کہیں کوئی بات اس مقصد کی ملتی تھی حاصل کرتا تھا۔ ہر فرقہ اور ہر عقیدہ کے آدمیوں سے اسی مسئلہ پر گفتگو کی جاتی تھی اور اشاعت و دعوت اسلام کے طریقوں کو جمع کیا جاتا تھا۔

مگر ایک ایسا آدمی جس کا جسم ہمیشہ بیمار رہتا ہو۔ اور جس کو صدہا مشاغل نے گھیر رکھا ہو اتنے بڑے کام کو عمدگی سے پورا کرنے کے قابل نہ تھا۔ ایسا کام جو پہلے کسی نے نہیں کیا اور کسی زبان میں اس مضمون کی کوئی کتاب پہلے سے موجود نہ تھی۔ اس لئے غلطیوں خامیوں اور فروگذاشتوں کا ہو جانا یقینی ہے۔ قلم سے بھول ہوئی ہو گی۔ فہم نے خطا کا ارتکاب

کیا ہوگا۔ لیکن ناظرین نقش اول سمجھ کر اور مذکورہ مجبوریوں کا لحاظ کرکے غلطیوں سے چشم پوشی کرینگے۔ کیونکہ ان کو اس کام کی دشواریوں کا اندازہ کتاب پڑھنے سے ہوجائے گا۔

مضامین کتاب کی تشریح

محرم کی مراسم اور تعزیے۔ میں نے محرم کی رسموں اور تعزیہ داری کو اشاعت اسلام یا اثر اسلام کی ہمہ گیری کا باعث قرار دیا ہے۔ اِس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ میں ان تمام باتوں کو جائز یا ضروری خیال کرتا ہوں۔ ان میں بعض چیزیں یقیناً اصلاح اور تبدیلی کی محتاج ہیں۔ میرا مقصد ان کے پیش کرنے سے یہ تھا کہ انسان خصوصاً ہندوستانی باشندہ کی طبیعت پر اِس قسم کی مراسم بہت اثر کرتی ہیں۔ اور دعوت اسلام کے کام میں فلسفہ طبائع کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔

نیز یہ بھی مقصد تھا کہ داعیان اسلام کو مراسم محرم اور تعزیہ داری کے اس عالمگیر اثر سے کام لینا چاہیئے جو کروروں غیر مسلم افراد میں قایم ہوچکا ہے۔ کہ اتنی بڑی طاقت مفت رائگاں کرنے کے قابل نہیں ہے۔

مشائخ کی مراسم۔ چشتیہ خاندان کی دعوت اسلام کے سلسلہ میں جن مراسم کو اشاعت اسلام کے لیئے ایجاد و اختراع کہا گیا ہے اُس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ معاذ اللہ مشائخ نے یہ کوئی مکاری کی تھی۔ یا ان میں بت پرست اقوام کی تقلید کا شوق پیدا ہوگیا تھا۔ یا وہ لوگوں کو دنیاوی نمود سے فریب زدہ کرکے اپنے گرد جمع کرنا چاہتے تھے۔ حاشا وکلا میرا مطلب یہ ہرگز نہ تھا۔ نہ مشائخ نے ان میں سے کسی وجہ کے سبب ایسا کیا۔ بلکہ میں نے ان مراسم کو اشاعت و دعوت اسلام کی حکمتوں میں اس لیئے شمار کیا ہے کہ نئے زمانے کے آئیندہ داعیان اسلام کو جو ہر چیز کا فلسفہ تلاش کرنا چاہیں گے ان مراسم کی فلاسفی معلوم ہوجائے اور وہ حستی فنا سمجھہ ملاؤں کی مخالفت کے پھندے میں پھنسکر ان مفید مراسم کو ترک نہ کردیں۔

مزارات پر پھول اور صندل چڑھانا بت پرستوں کی تقلید میں جاری نہیں کیا گیا۔ اسلام کی روایات میں اس کا ثبوت پہلے سے ملتا ہے۔ میں نے جو اسکو اس سلسلے میں بیان کیا اسکی وجہ یہ تھی کہ اس رسم میں زیادہ مستعدی غیر مسلم اقوام کو متاثر کرنے کے لئے کی گئی تھی۔ مزارات کا غسل بھی تو بہ تو یہ بتوں کے اشنان کے مشابہ نہیں کہا جا سکتا اس کا ذکر بھی فلسفہ طبائع کے سبب کیا گیا۔ ورنہ یہ رسم اہل ذوق کی علامات محبت میں شمار ہوتی ہے۔ قبر کا طواف۔ خواجہ کی بدھی۔ جھالرا اور آناساگر۔ خواجہ کی دیگیں۔ خواجہ کی چھڑیاں وغیرہ کا تذکرہ بھی اسی انداز میں سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ مراسم اہل عقیدت کے ذوق و خلوص نے از خود پیدا کیں تھیں۔ کسی بت پرست قوم کی تقلید اور ریس کو اسمیں دخل نہ تھا۔ مگر قدرتاً فلسفہ طبائع ہندوستان کے لیئے یہ کارگر اور مفید بن گئیں۔

یہ بات فراموش کرنے کے قابل نہیں ہے کہ جو لوگ مشائخ صوفیہ کے ذریعہ سے مسلمان ہوئے ان میں دوسرے فرقوں کے داعیان اسلام کے مسلمان کردہ لوگوں سے زیادہ اسلامی رنگ پایا گیا۔ کیونکہ ان میں محبت اور اسلامی ہمدردی اور دل کے سوز و درد اور آخرت کی طلب کا جوش و کیف سب سے زیادہ پیدا ہو جاتا تھا۔ اور صوفیہ کے ہاتھ پر مسلمان ہونے والوں کو ان مدارج کی ضرورت نہ تھی۔ جو اسمٰعیلی دعوت میں پیش آتے تھے۔ کہ پہلے ان کو گپتی یعنی مخفی مسلمان ہونا پڑتا تھا۔ اور اس کے بعد پھر گپتی کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی تھی صوفیوں کی دعوت صاف کھری سبے لوث اور ہر پیچیدہ طرز سے آزاد تھی۔ اور اسکو کسی قسم کے فکر و تردد سے سابقہ نہ پڑتا تھا۔

کتابت کی مجبوریاں۔ اس کتاب کی وہ لکھائی جو چھپنے کے وقت کی جاتی ہے مختلف اوقات اور مختلف کاتبوں نے کی ہے اس واسطے خط میں جگہ جگہ فرق معلوم ہوگا۔ کہیں خوب گنجان اور باریک تحریر ہے۔ کہیں کشادہ اور جلی۔ آیندہ ایڈیشن میں اسکی اصلاح ہو جاسکے گی۔

یہ کتاب چار ہزار چھپی ہے اور شائع ہونے سے پہلے تین ہزار جلدیں خریدنے کی تو میرے ایک مخلص دوست نے پہلے سے اطلاع دیدی ہے۔ اور چھ سو ایک دوسرے صاحب نے خریدلی ہیں۔ صرف چار سو جلدیں باقی بچیں گی وہ سب سے مقدم تو مستقل خریداروں میں بھیجی جائیں گی جو میری ہر کتاب کو خریدا کرتے ہیں۔ اسکے بعد اگر کچھ بچیں تو دوسرے شائقین کو دی جائیں گی۔ لہذا طبع ثانی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ تمام شاعت اس کتاب کی اسی وقت ہو سکیگی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ ہجری مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۲۰ء

کو جامع مسجد دہلی کے سامنے آدھی رات کے وقت

اسکی آخری تحریر سے فراغت ہوئی۔

حسن نظامی